ماہنامہ

# قلندرِ شعور

جنوری ۲۰۱۹ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

مجھ پر عجب احسان کیا ساقی نے
دی میری بصارت کو جِلا ساقی نے
جس جرعہ میں تا عرش نظر آتا ہے
وہ جرعہ شراب کا دیا ساقی نے

جلد 6 شمارہ 12 | جنوری 2019ء | ربیع الثانی ــ جمادی الاول 1440ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

# قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 70 روپے..... سالانہ ہدیہ 950 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

# ۳۹ مضامین کا گُل دان


| | | |
|---|---|---|
| حمد باری تعالیٰ | وزیر حضوری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ | 10 |
| نعت رسول مقبول ﷺ | وزیر حضوری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ | 11 |
| منقبت بحضور قلندر بابا اولیاؒ | شعرائے کرام | 12 |
| تخلیق کائنات کے رموز | امام سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ | 16 |
| فقیر کی ڈاک | ادارہ | 21 |
| نامے میرے نام | خانوادہ سلسلہ عظیمیہ | 23 |
| اکتوبر 2018ء کے سرورق کی تشریح | قارئین | 26 |
| میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے | گلِ نسرین | 29 |
| سروے — ایک لاکھ سال | محمد اقبال جیلانی | 35 |
| خوشبوئے رخ دوست ہے پیرہن میں | (M.Sc-Botany) خالدہ زبیر | 41 |
| نابینا آنکھ کے تصورات | (M.A-English) مریم حرا | 47 |
| دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو | عبدالخالق | 53 |
| رنگ اور پرزم | (M.A-Economics) محمد علی ضیا | 59 |
| فردسکون سے محروم کیوں ہے — ؟ | (قطر) محمد عاطف نواز | 65 |
| اللہ دیکھ رہا ہے | وزیر حضوری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ | 69 |
| چار سوال — ؟ | (MBA) سید اسد علی | 75 |
| لاشمار عالمین اور انسان | نسرین ضیا | 81 |
| بچوں کے لئے لکھنا | (Ph.D.) ڈاکٹر ظ انصاری | 87 |
| شہنشاہ ظرافت — ملا دوپیازہ | محمد الدین فوق | 93 |

مرشد کی باتیں ـــــــ (M.A-Mass Comm.) عائشہ خان 99

زندگی کیا ہے، سفر کی بات ہے ـــــــ (B.SE-Software Engr.) محمد عاصم بیگ 103

ادھورا ـــــــ عابد محمود 109

ہیبت ناک گرج ـــــــ ایم رحمان شیخ 115

چقندر ـــــــ (M.D—Alternative Medicines) محمد سعید انور 121

اقتباسات ـــــــ قارئین 123

اللہ میاں کے باغ کے پھول ـــــ

اولی الالباب بچے ـــــــ ادارہ 125

سورج مکھی ـــــــ (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 128

چوپٹ راج، اندھیر نگری ـــــــ حمدہ امجد 133

جواہر اور جوار ـــــــ رافع احمد 137

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ـــــــ ماخوذ 143

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ـــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 147

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات ـــــ گیارہ زبانوں میں ـــــــ ادارہ 153

180 Hazrat Farid al-Din Attar (RA) ——— The Diary of Birds

184 Extracted ——— Prophet Solomon (PBUH)

188 Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) ——— The Flow of Energy

193 Bibi Anuradha (UAE) ——— Motherhood

199 Noor Jehan ——— The Life of Baba Qadir (RA)

203 Sarah Khan ——— The Ability to See

206 Founder of Silsila-e-Azeemia Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) ——— Mysteries Behind the Formation of Universe

وزیرِ حضوری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

# حمد باری تعالیٰ

اے ذکر تورا در دل ہر دم اثرے دیگر
اے کہ تیرا ذکر ہر لحظہ دل میں نیا اثر کرتا ہے

واے از تو بہ ملک جان دارم خبرے دیگر
اور جان کے ملک میں تیرے متعلق نئی خبر ملتی ہے

زاں مے کہ بہ اودادی در روزِ الست اے دوست
اے دوست اس شراب میں سے جو روزِ الست دی تھی

لطف کن مارا دہ جامے قدرے دیگر
مہربانی کرکے ہمیں قدرے اور جام عطا کر

در خدمت حق گر تو مردانہ کمر بندی
اگر تو حق کی اطاعت میں مردانہ وار کمر بستہ ہوگیا

بخشد بہ تو ہر لحظہ تاج و کمرے دیگر
تجھے ہر لحظہ نیا تاج اور نئی ہمت عطا ہوگی

عیشِ تن و جان و دل از رہگزرِ عشقت
تیرے عشق میں جسم و جان و دل کی راحت ہے

عشرت نتواں کردن از رہگزرے دیگر
دوسری راہ سے یہ راحت نہیں مل سکتی

بردوخت دل و دیدہ از دیدنِ غیر حق
غیر حق کو دیکھنے سے دل اور آنکھ بند کرلی ہے

نبود دلِ مجنوں را جز ایں ہنرے دیگر
مجنوں کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی کمال نہیں

در آئینۂ دل دید محیؔ رخِ یار و گفت
محیؔ نے دل کے آئینہ میں دوست کو دیکھ لیا ہے

اے ذکر تورا در دل ہر دم اثرے دیگر
اور کہتا ہے کہ ذکر ہر لحظہ دل میں نیا اثر کرتا ہے

وزیر حضوری حضرت عبدالقادر جیلانیؒ

# نعت رسول مقبولﷺ

ای قصر رسالت از تو معمور
منشورِ لطافت از تو مشہور
یا رسول اللہؐ رسالت کا قصر آپؐ سے معمور ہے
لطف و کرم کا آئین آپؐ سے جہاں میں پھیلا ہے

در جملہ کائنات گویند
صلواتِ تو تا دمیدن صور
کائنات کی تمام مخلوق تا قیامت
آپؐ پر درود و سلام پڑھتی رہے گی

بنوشتہ خدای پیش از آدم
از بھر رسالت تو منشور
اللہ نے حضرت آدمؑ سے پہلے لکھ دیا تھا
آپؐ کی رسالت کا منشور (حکم)

روشن ز وجود توست کونین
ای باطن و ظاہرت ہمہ نور
دونوں جہاں آپؐ کے وجود سے روشن ہیں
ظاہر و باطن میں آپؐ سراپا نور ہیں

ای سید انبیای مرسل
ای سرور اولیای مستور
آپؐ انبیائے کرام اور رسولوں کے سردار ہیں
اور مخفی رہنے والے اولیاء اللہ کے سرور ہیں

گل از عرق تو یافتہ بوی
شد شھد در اندرون زنبور
پھول کو آپؐ کے پسینہ سے خوش بو ملی ہے
شہد کی مکھی کو شہد اسی عرق سے ملا ہے

محیؔ بہ غلامی تو زد لاف
از راہ کرم بدار معذور
محیؔ الدین نے آپؐ کی غلامی کا دعویٰ کیا ہے
برائے کرم مواخذہ نہ کیجئے (لاج رکھ لیجئے)

# سرچشمۂ صدق و صفا

سرچشمۂ صدق و صفا بابا قلندر اولیاؒ
تابندہ از نورِ خدا بابا قلندر اولیاؒ

پھر معرفت کی لمس سے ہر ہر روش غنچے کھلے
گلشن میں ہیں مثلِ صبا بابا قلندر اولیاؒ

ہستی کے بام و در پہ ہے مہرِ منور کی طرح
پھیلا گئے ہیں جو ضیا، بابا قلندر اولیاؒ

جو دل گرفتہ تھے یہاں، ہے آج خود ان کا بیاں
صد مژدہ ہائے جاں فزا بابا قلندر اولیاؒ

تکریم بھی، تعظیم بھی، تسلیم بھی، تحریم بھی
سکھلا گئے کیا کیا ادا، بابا قلندر اولیاؒ

قلب و نظر کی روشنی، ذہن و خرد کی آگہی
حق آشکار و حق نما، بابا قلندر اولیاؒ

کر دے سحرؔ کے دل کو جو ہم پایۂ خورشید نو
ہو اک کرن ایسی عطا، بابا قلندر اولیاؒ

سر چشمۂ صدق و صفا بابا قلندر اولیاؒ
تابندہ از نورِ خدا بابا قلندر اولیاؒ

# لہلہاتا ہی رہے گا اب یہ روحانی چمن

کیا حسیں ہے اولیا بابا قلندرؒ کا چمن
جس میں لاکھوں پھول ہیں خوش رنگ و رنگیں پیرہن

ایک عالم، ایک عارف، ایک صوفی، اک ولی
اک قلندر اپنی تنہا ذات سے ایک انجمن

اولیا بابا قلندرؒ وہ عظیم ابدال حق
جن سے زندہ ہیں تصوف کی روایاتِ کہن

آپ نے آیات قرآنی پہ وہ مضمون لکھے
کر گئے جو دل کو بحرِ معرفت میں غوطہ زن

سچ کہی ہے خواجہ شمس الدین عظیمی نے یہ بات
ہے نظامِ خانقاہی، دافع رنج و محن

چشم باطن دیکھتی ہے آنے والا ہے وہ دور
عام ہوجائے گا جب دنیا میں باباؒ کا مشن

آسمانی روشنی ذہنوں پہ یوں چھا جائے گی
دفن ہو جائے گی ظلمت اوڑھ کر شب کا کفن

ہے قلندر باباؒ کا سایہ جو اپنے باغ پر
لہلہاتا ہی رہے گا اب یہ روحانی چمن

محمد اویس الحسن خان
(ڈپٹی رجسٹرار، اسلام آباد ہائی کورٹ)

# معدنِ اسرار

صحنِ حرم رستہ تیرا بابا قلندر اولیاؒ
معدن ہے تو اسرار کا بابا قلندر اولیاؒ

آلِ نبیؐ مدحت تیری ممکن نہیں کچھ بھی مگر
حکمِ خدا ذکرِ وفا بابا قلندر اولیاؒ

عالم ترا تکوین ہے دنیا تیرے زیرِ نگیں
ابدالِ حق مضب ترا بابا قلندر اولیاؒ

اونچا لقب اُخریٰ حسن تجھ کو ملا دربارؐ سے
صدقے تیرے شہرہ ترا بابا قلندر اولیاؒ

کم تر سا اک بندہ ہوں میں عاجز بہت لاچار ہوں
در پر مگر حاضر ہوا بابا قلندر اولیاؒ

نظرِ کرم لازم ہے اب نادم بہت خادم ہے اب
بحرِ سخا کامل عطا بابا قلندر اولیاؒ

قمر یزدانی

# سفرِ آخرت قلندر بابا اولیاؒ

مصرع تاریخ کا حساب:

قلندر فخرِ عالم = ق(100) + ل(30) + ن(50) + د(4) + ر(200) + ف(80) +
خ(600) + ر(200) + ع(70) + ا(1) + ل(30) + م(40) = 1405

آہ = آ(1) + ہ(5) = 6 سن رحلت 1399 ہجری (1405- 6 = 1399)

---

قلندر ناشرِ دینِ معظم
تھے اہلِ عشق کے شیخِ مکرم

فقیہہ دہر، فخرِ اہلِ ایماں
رموزِ حکمت و عرفاں کے محرم

رفیق و مونسِ حرماں نصیباں
وہ اپنوں اور بیگانوں کے ہم دم

ہوئے جب عازمِ فردوسِ اعلیٰ
بپا ہر سو ہوا اک شورِ ماتم

بجز اللہ کے ہر شے ہے فانی
صدائے غیب آتی ہے یہ پیہم

سنِ رحلت کی مجھ کو جستجو تھی
بہت ہی مضطرب تھی جانِ پُر غم

کہا آہ کھینچ کر ہاتف نے فوراً
قمرؔ! کہہ دو ''قلندر فخرِ عالم''

امام سلسلہ عظیمیہ
ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ

# تخلیق کائنات کے رموز

انسان کے شعور کو پہلے دن سے رنج و راحت کا احساس رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے رنج و راحت کی وجہ معلوم ہو تا کہ رنج سے محفوظ رہے اور راحت کو برقرار رکھ سکے۔ وہ راحت کو نہیں چھوڑتا اس لئے راحت کے ضائع ہونے کا خوف و ملال بھی اس کے دل سے نہیں نکلتا۔ وہ کسی نہ کسی طرح رنج سے دور رہنے اور راحت سے قریب ہونے کی ضمانت چاہتا ہے۔ وہ اپنی کم زوریوں کے سبب خود کو حوادث پر قابو پانے کے لائق نہیں سمجھتا لہٰذا کسی ایسی طاقت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے جس سے اس کو راحت کی ضمانت مل سکے۔ یہی مخفی طاقتوں کی تلاش کا موجب ہے۔ قرآن پاک نے ''یؤمنون بالغیب'' میں اس ہی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی لامتناہی صفات کا تذکرہ ہے۔ یہیں

سے راحت کی ضمانت ملتی ہے۔

کوئی انسان خود اعتمادی کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن رنج و راحت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ البتہ غیب پر ایمان لانے کے بعد اسے بہتری کا یقین ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ غیب جو کچھ ہے بہتر ہی بہتر ہے، کیوں کہ غیب رحیم و کریم کے ہاتھ میں ہے۔

''اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے پیغام لانے والا۔'' (الشوریٰ: ۵۱)

اوپر کی آیت میں انسانی حواس کی رسائی بیان ہوئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کرتے ہیں تو اشارہ کرتے ہیں۔ یہ ہے دل کہ دیکھ لیتا ہے اور جان لیتا ہے۔ دل کے دیکھنے کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا ہے،

''جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا۔'' (النجم: ۱۱)

اوپر کی آیات سے انسانی حواس کی حدیں اور طرزیں معین ہو جاتی ہیں۔ انسانی حواس جب کسی نقطہ پر ٹھہرتے ہیں تو اس ٹھہراؤ کا نام شے ہے اور یہ شے ایک شکل وصورت رکھتی ہے۔ دراصل یہ ایک لمحہ ہے جس سے خود حواس کو جسم حاصل ہو جاتا ہے۔ حواس اس جسم کو خارجی اور معروضی دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کیوں کہ دیکھنے کی طرز اس کے علاوہ نہیں ہوسکتی کہ حواس خود کو اپنے بالمقابل دیکھیں اور خود ہی کو خود سے ایک الگ شے قرار دیں۔ زندگی کی تمام حرکات وسکنات اس طرز نگاہ کی مثالیں ہیں۔

اصولاً جب حواس کسی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اشارتاً اندرونی خدوخال کو بیرونی بنا دیتے ہیں۔ جب حواس خود کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''میں'' تو یہ ''میں'' صرف خلا ہوتی ہے، بالکل سادہ اور شفاف۔ گویا حواس اپنے نقش ونگار کی طرف اشارہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک بے رنگ شے کا تذکرہ کر رہے ہیں جو صرف خاکہ ہے۔

اب حواس ''میں'' کی رنگینیوں اور نقش ونگار کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں — میں نے یہ کہا، میں نے وہ کیا، دیکھو یہ چاند ہے، یہ ستارے ہیں۔ یہ چاند اور ستارے وہ ہیں جن کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں۔ اس طرز میں حواس اپنی ذاتی حرکت کو قریب یا بعید دیکھتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ محض کائناتی حواس کا انداز نظر ہے۔ یہ وہی حواس ہیں جو فرد کے اندر ''میں'' بن جاتے ہیں۔ اور اشارۂ قریب و بعید کے ذریعے اپنی تکرار کرتے ہیں۔

''کیا نہیں پہنچا انسان پر ایک وقت زمانہ میں جو تھا شے بغیر تکرار کیا ہوا'' (الدھر:۱)

کبھی انسان ایسا وقت (حواس) تھا جس میں تکرار نہیں تھی۔ پھر ایسا وقت (حواس) ہوا جس میں تکرار ہے۔ یہاں صرف دو ایجنسیاں زیر بحث ہیں۔ ایک حواس، نمبر دو حواس کی تکرار۔ یہ دونوں ایجنسیاں ایک یونٹ ہیں۔ اس مطلب کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔

''(کہو اے اللہ) تو رات کو داخل کرتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں، زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔'' (ال عمران:۲۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دستور العمل بیان فرمایا ہے۔ رات حواس کی ایک نوع ہے اور دن حواس کی دوسری نوع۔ رات کے حواس کی نوع میں مکانی اور زمانی فاصلے مردہ ہو جاتے ہیں لیکن دن کے حواس کی نوع میں یہی فاصلے زندہ ہو جاتے ہیں۔

زید خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا ہے۔ حالاں کہ اس کا دوست دور دراز فاصلہ پر رہتا ہے۔ خواب میں زید کو یہ احساس بالکل نہیں ہوتا کہ اس کے اور دوست کے درمیان کوئی فصل ہے۔ ایسے خواب میں مکانی فاصلے صفر ہوتے ہیں۔

اس ہی طرح زید گھڑی دیکھ کر رات کے ایک بجے سوتا ہے۔ خواب میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہفتوں کا دور دراز سفر طے کرتا ہے۔ راستہ میں اور منزل پر قیام بھی کرتا ہے۔ ایک طویل مدت گزارنے کے بعد گھر واپس آتا ہے۔ آنکھ کھلتے ہی گھڑی دیکھتا ہے۔

اب بھی ایک ہی بجا ہے۔اس قسم کے خواب میں زمانی فاصلہ صفر ہوتا ہے۔ یہ رات کے حواس کی نوع ہے۔ جو فاصلے اس نوع میں مردہ ہوتے ہیں وہی فاصلے دن کے حواس میں زندہ ہو جاتے ہیں۔خواب کی نیچر میں مکانی زمانی تمام فاصلے معدوم ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کا یہی ارشاد ہے رات کی نوع دن میں داخل ہو جاتی ہے اور دن کی نوع رات میں۔ رات اور دن میں ادراک مشترک ہے۔محض فاصلے مرتے اور جیتے ہیں۔ رات کے حواس کتاب المبین (لوح محفوظ) ہیں اور دن کے حواس کتاب المرقوم ہیں۔ان دونوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ہم اس چیز کا مظاہر قدرت میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

مثلاً زید اور محمود دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چراغ جل رہا ہے۔ چراغ کی روشنی میں زید محمود کو اور محمود زید کو دیکھ رہا ہے۔دونوں کے لئے روشنی دیکھنے کا ذریعہ ہے۔اب روشنی کی رفتار بیک وقت دو سمتوں میں ہے۔ (دوسری طرف) زید کی سمت سے روشنی محمود کی آنکھ تک پہنچتی ہے اور محمود کی سمت سے روشنی زید کی آنکھ تک پہنچتی ہے۔ یہ ایک ہی چراغ کی روشنی ہے جو محمود سے زید تک اور زید سے محمود تک سفر کر رہی ہے۔سفر کی سمتیں مختلف ہیں لیکن روشنی کا مخرج* ایک ہے۔ یا پھر یوں کہیں گے کہ روشنی ایک ہے۔

اس روشنی کے احساس میں کوئی ایسی شے ہے جو بیک وقت دو سمتوں میں سفر کرتی ہے اور اس کے آثار یکساں ہیں۔امتیاز کہاں ہے — ؟ یہی روشنی جو تصورات زید میں پیدا کرتی ہے، وہ زید کے تصورات کہلاتے ہیں۔یہی روشنی جو تصورات محمود میں پیدا کرتی ہے، وہ محمود کے تصورات کہلاتے ہیں۔ یہ فرق مشاہدہ کرنے والے کے زاویۂ نظر کا ہے۔

یہاں سے مظاہر کا یہ قانون منکشف ہو جاتا ہے کہ سمتوں کی تبدیلی روشنی میں نہیں بلکہ

---

* مخرج (سورس)

مشاہدہ کرنے والے کے زاویۂ نگاہ میں ہے۔اس کی وجہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس کو مشاہدہ کرنے والے کی ذات کہتے ہیں۔ یہ وہی ذات ہے جو ذات باری تعالی سے متصل ہے۔

''نحن اقرب الیہ من حبل الورید'' میں اس ہی اتصال کا تذکرہ ہے۔

یہاں یہ نکتہ غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لفظ ''ہم'' استعمال کیا ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کثرت میں ہر ایک فرد کی ذات کے ساتھ خود کو وابستہ کر رہے ہیں۔ ہر فرد کی منفرد حیثیت اس ہی لئے اپنی جگہ قائم ہے۔

روشنی کا مرکز ایک ہی چراغ ہے۔زید اور محمود دونوں کو ایک ہی چراغ سے روشنی مل رہی ہے۔البتہ یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ تغیر روشنی میں واقع نہیں ہوتا۔روشنی بدستور اپنی حالت پر قائم ہے۔صرف زید اور محمود کے طرز بیان میں تغیر ہے کیوں کہ وہی روشنی زید میں زید کی تصویر حیات ہے اور محمود میں محمود کی۔تصوف میں اس طرز کو مرتبہ کہتے ہیں۔

اگر ہم مرتبہ کا ترجمہ عام زبان میں کرنا چاہیں تو انگریزی کا ایک لفظ ''میکانزم'' استعمال کر سکتے ہیں۔میکانزم کی اساس ایک ہے۔فقط نام الگ الگ ہیں۔یہی میکانزم یا مرتبہ لاشمار انواع پر مشتمل ہے۔یہی میکانزم آدمیوں میں زید اور محمود ہے اور یہی درختوں میں آم اور بادام ہے۔ایک ہی روشنی ہے جو ان سب کی شکلیں بناتی ہے۔یہ میکانزم (مرتبہ) ایسے سیاہ نقطوں سے بنا ہے جو کائنات کی اصل ہیں۔ان سیاہ نقطوں کو تجلی کہتے ہیں۔

ہر لفظ کا مشرق ہے نہ مغرب ساقی
ہر لفظ کا کوئی نہیں نائب ساقی
چپ چاپ ہیں سب شیشہ و جام و مینا
ہر لفظ ہے سامنے سے غائب ساقی

# فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور و فکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ماضی قریب سے ایک خط پیش خدمت ہے۔

---

محترم عظیمی صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت میں برکت عطا فرمائیں، آمین۔ زندگی تو ہم بھی گزار رہے ہیں مگر ایک آپ کی زندگی ہے کہ محبتوں اور مسرتوں سے لبریز ہے۔ میری طرح روئے زمین کا ہر فرد خوش کن زندگی گزارنا چاہتا ہے مگر زندگی کی مادیت ہمیں مایوس کر دیتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور حقیقی مسرت کس طرح حاصل کی جاتی ہے تاکہ رہی سہی زندگی ہم بھی سکون سے گزار سکیں۔ براہ کرم میرے سوال کو اہمیت دیتے ہوئے روحانی طرزوں میں جواب شائع فرمائیں، شکریہ۔ نیازمند، صدیقہ خانم، کراچی

محترمہ صدیقہ خانم صاحبہ — وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

زندگی کے تجزیہ سے ہمارے سامنے ایک ہی بات آتی ہے کہ آدم کا ہر بیٹا اور حوا کی ہر بیٹی خوش کن زندگی گزارنا چاہتے ہیں لیکن زندگی کا مادی نظریہ ہر قدم پر انہیں مایوس کرتا ہے اس لئے کہ ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ فانی اور متغیر ہے۔ مادی اعتبار سے ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ حقیقی مسرت سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اصل بنیاد کو تلاش کریں۔

جب ہم کچھ نہیں تھے تو کچھ نہ کچھ ضرور تھے۔ اس لئے کہ کچھ نہ ہونا ہمارے وجود کی نفی کرتا ہے۔ ہماری زندگی ماں کے پیٹ سے شروع ہوتی ہے اور یہ مادہ جب ایک خاص عمل (process) سے گزر کر اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو ایک جیتی جاگتی تصویر وجود میں آجاتی ہے۔ ماحول سے اس تصویر کو ایسی تربیت ملتی ہے کہ اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ سچی خوشی ہے کیا اور کس طرح حاصل ہوتی ہے —؟

حقیقی خوشی اور مسرت سے ہم آغوش ہونے کے لئے فرد کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ زندگی کا دارومدار جسم پر نہیں بلکہ اس حقیقت پر ہے کہ جس حقیقت نے خود اپنے لئے جسم کو لباس بنا لیا ہے۔ ہم اس حقیقت تک اس طرح رسائی حاصل کر سکتے ہیں کہ جب یہ جان لیں کہ جیتی جاگتی تصویر جسم نہیں، پرت در پرت شعور کا مجموعہ ہے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جسم کے ختم ہونے پر مادی کثافت اور آلودگی ختم ہو جاتی ہے لیکن شعور فنا نہیں ہوتا بلکہ شعور کسی دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ آسمانی کتابوں میں ایک ہی بات کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی صرف مادی جسم نہیں بلکہ ایک شعور ہے۔ شعور کا گھٹنا اور بڑھنا عمر کا تعین کرتا ہے۔ شعور کے ایک زمانہ کو ''بچپن'' دوسرے زمانہ کو ''جوانی'' اور شعور کے تیسرے زمانہ کو ''بڑھاپا'' کہتے ہیں۔

یہ انسانی جسم جو ہمیں نظر آتا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کثافت، گندگی، تعفن اور سڑاند ہیں۔ اس سڑاند کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں مادہ (matter) ہوں اور میں اس مادی دنیا کی پیدائش ہوں۔ یہ محدود نظریہ ہر آدمی کو کسی ایک مقام میں محدود کر دیتا ہے۔ ہر آدمی محدودیت کے تانے بانے میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے اور اس طرح محدود اور پابند نظریہ کے ساتھ مادیت کا خول اپنے اوپر چڑھا لیتا ہے۔ نتیجہ میں کنوئیں کے مینڈک کی طرح اس خول کو زندگی کا اثاثہ سمجھتا ہے۔ حالاں کہ وہ سب کچھ اس خول میں اسے نہیں ملتا جس کی اسے تلاش ہوتی ہے۔ یہ محدودیت اور مادیت کا خول ہی دراصل آدمی کو مایوس رکھتا ہے۔

خوش کن زندگی گزارنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہماری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ جب اپنا تعارف کراتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مخلوق کا دوست ہوں۔ اللہ اپنی مخلوق کو کبھی فراموش نہیں کرتا مگر آدمی کفالت کے لئے دنیاوی وسائل کا محتاج بن گیا ہے۔ اگر بندہ رب کو اپنا دوست اور کفیل سمجھ لے تو دنیاوی وسائل خود بخود اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں اور نتیجہ میں بندہ پر مسرت زندگی سے آشنا ہوتا ہے۔

خوشی کیا ہے ــــ؟ مسرت و شادمانی ہے۔ ناخوش ہونے سے جو شے تخلیق ہوتی ہے وہ سب پریشانی ہے۔ پریشانی کیا ہے ــــ؟ اضمحلال و پریشانی، مایوسی، نقصان اور انا پر ضرب لگنا ہے۔ آدمی خوش ہوتا ہے تو ٹائم اور اسپیس دونوں نظر انداز ہو جاتے ہیں اور دھوپ میں سکون کی چادر چھتری بن جاتی ہے جب کہ ناخوشی الوژن ہے۔ الوژن سے مراد یہ ہے کہ جو شے مستقل تغیر پذیر ہو یعنی اس میں ٹھہراؤ نہ ہو۔ ردوبدل اتنا ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ ہم ناخوشی کے اجزائے ترکیبی سے واقفیت حاصل کریں۔ خوشی کیا ہے ــــ؟ خوشی کی مختصر تعریف اطمینان قلب ہے یعنی واحد ذات اللہ پر یقین کے ساتھ اعتماد قائم ہونا۔

دعا گو، عظیمی (22 اپریل 1986ء، کراچی)

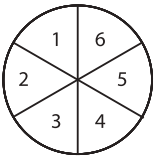


# نامے میرے نام

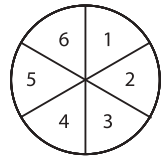


خواتین وحضرات قارئین — السلام علیکم، ذہن میں ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے مطالعہ کے بعد کوئی ایسا خیال آتا ہے جس کا جواب نہ ملنے سے تشنگی بڑھ جاتی ہے۔ آپ لکھئے — اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاءاللہ جواب شائع کیا جائے گا۔

---

**شائستہ زہیر (کراچی):** نومبر 2018ء میں نعتیہ مجموعہ کا انتخاب قدیم و جدید کا بہترین امتزاج ہے۔ پیارے رسول حضرت محمدؐ کے دادا اور والدہ کا کلام پڑھ کر دل جذبات سے لبریز ہوگیا اور دل نے ان معزز ہستیوں کو عقیدت سے سلام پیش کیا۔ صحابہ کرام، اولیاءاللہ اور دیگر شخصیات کی رحمۃ للعالمینؐ کی شان میں مدحت نے عشق رسول میں وہ سرور پیدا کیا کہ دل کہتا ہے، ''موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا''

**فائزہ قاضی (حیدرآباد):** مختلف زبانوں میں مدحت شان رسولؐ عمدہ سلسلہ ہے۔ بلاشبہ انتخاب خوب صورت اور دل کو روشن کرنے والا ہے۔ جب سے رسالہ ہاتھ میں آیا ہے، زبان پر یہ اشعار بار بار آتے ہیں،

محبوب خداؐ کے جلووں سے ایمان کی آنکھیں روشن ہیں  بے دیکھے ہی جب یہ عالم ہے دیدار کا عالم کیا ہوگا

طیبہ سے ہوا جب آتی ہے بیکلؔ کو سکوں مل جاتا ہے  اس پار کا جب یہ عالم ہے اس پار کا عالم کیا ہوگا

**پروفیسر محمد طاہر (چنیوٹ):** اکتوبر 2018ء کا شمارہ پڑھ کر دل کے دریچوں میں علم کی بہار آئی۔ ''آج کی بات'' سے بند پرت کھلنے شروع ہوگئے ہیں۔ عظیمی صاحب اس رسالہ میں ہاتھ پکڑ پکڑ کر قارئین کو باتیں سمجھا رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذہنی یک سوئی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ''مرشد کی باتیں'' پڑھ کر میں گم ہوگیا کہ یہ تو میری کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ ہزارہا خیالات دماغ میں آتے ہیں، لکھنے بیٹھتا ہوں لیکن یک سوئی نہ ہونے کے سبب لکھ نہیں سکتا اور کبھی کبھار لکھنے میں روانی آجاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ''جائے استاد خالی است'' نہیں ہونا چاہئے۔ اکتوبر 2018ء کا سرورق رسالہ ملنے سے ایک ہفتہ قبل میں نے خواب میں دیکھ لیا، 20-19 کا فرق تھا۔ میرے خیال میں یہ رسالہ سے وابستگی کا ذریعہ ہے۔ پوری ٹیم کو مبارک باد۔

**صفیہ خالد (سنگاپور):** درود شریف پر مضمون پسند آیا۔ الحمدللہ میں نے درود شریف پڑھنا شروع کردیا ہے۔ کتنی خوب صورت بات لکھی ہے کہ عشق کی زبان میں اس کا مطلب ہے، ''پیار کرے اللہ پیارے محمدؐ کو اور ان کی پیاری آل

کو۔'' دل کی گہرائیوں سے شکریہ اور نیک تمنائیں۔

**حماد رضا (لاہور):** چھوٹے کالم سے لے کر بڑے مضامین تک، تحریر کا معیار بڑھ گیا ہے۔ صفّہ کے نصاب کی جو وضاحت عظیمی صاحب نے پیش کی ہے، موجودہ اور آنے والے دور کے مفکرین اور عوام کو اسے بغور پڑھنا چاہئے کہ یہی ہمارے اسلاف کا ورثہ ہے اور اسی کی بدولت انہوں نے دنیا پر حکمرانی کی۔ ''مقوقس مصر کے نام خط'' معلوماتی مضمون ہے۔ عبدالوحید نظامی صاحب کی تحریریں اچھا اضافہ ہیں۔

**حفصہ متین (کراچی):** ''جو پھنسے گا وہ ہنسے گا'' پڑھ کر بے حد لطف آیا۔ سوال یہ ہے جو ہنستا ہے وہ پھنستا کیوں ہے اور جو پھنستا ہے وہ ہنستا کیوں ہے ــــ؟ ہنسی کیا ہے ــــ؟

**اویس شاہ (نوشہرہ):** طاہر صاحب نے مضمون میں الوژن کو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ الوژن کو جس زاویہ سے بھی بیان کریں کیا وہ زاویہ بھی الوژن نہیں ہوگیا ــــ؟ ★ **آپ کا خیال درست ہے۔**

**بی بی مریم (کراچی):** مضمون ''بچہ اور اماں ابا'' والدین کے لئے سبق آموز ہے۔ بچہ کی بات پر غور کیجئے کہتا ہے، ''مجھے بھنڈی نہیں پسند لیکن اگر میں نہ کھاتا تو آنٹی کی دل آزاری ہوتی اس لئے میں نے خاموشی سے کھالیا۔'' سلام ہے اس ماں کو جس نے بچہ کی ایسی عمدہ تربیت کی اور کتابوں کو اس کا دوست بنایا۔

**ماریہ انور (ملتان):** ''شک ــــ شکوہ ــــ شکایت'' میں دو الفاظ کا قصہ بہترین اور پورے مضمون کا خلاصہ ہے۔ ہم وہی کہتے ہیں جس کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ الفاظ ــــ ذہن کی ترجمانی ہیں۔

**راحیلہ (لاہور):** ''پرتیاہار'' اختتام پذیر ہوا۔ اختتام مختصر لیکن لاجواب تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب حمورابی کی روحانی تربیت کے مدارج کو چند اقساط میں بیان کیا جائے گا لیکن ''روشنی نظر بنی اور حد نظر تک پھیل گئی'' لکھ کر کہانی کو ایسے موڑ پر ختم کیا کہ جس کے بعد بہت کچھ ہے لیکن بیان نہیں ہوسکتا۔ عدنان صاحب کی کاوش پر ان کو مبارک باد۔

**طٰہٰ فاروق (بہاولپور):** جب ہر چیز اللہ کے نور سے تخلیق ہے اور اللہ کے امر سے قائم ہے تو شیطانی سوچ اور منفی کردار کیسے وجود میں آئے۔ اللہ کی صفات رحمانی ہیں۔ پھر اس نور سے ایسی شے کیسے وجود میں آجاتی ہے جس میں رحمانیت نہیں اور دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے ــــ؟

★ **قدرت کے قانون پر گہرائی میں تفکر کیا جائے تو دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ ہے ــــ نہیں ہے۔ ہے اور نہیں ہے میں انسان کو صاحب اختیار کیا گیا ہے۔ یہ کلمات جو لکھے جا رہے ہیں ان میں دو رخ یا دو زاویے بیان کئے گئے ہیں۔ لا الٰہ ــــ کوئی معبود نہیں، الا اللہ ــــ مگر اللہ۔ نفی اور اثبات کے ان جملوں میں آپ کے سوال کا جواب مخفی ہے۔**

**عدنان احمد (کراچی):** جس طرح چرند پرند، جانور، درخت، پودے، لہروں کے ذریعے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کیا ایک دو دن یا ایک ماہ کے بچے بھی لہروں کے ذریعے بات چیت کرتے ہیں؟ ★ **جی ہاں کرتے ہیں۔**

نومبر 2018ء کے ''آج کی بات'' پر موصول تفکر میں سے چند یہ ہیں۔

رفعیہ تاج (کراچی): جاننا چاہتی ہوں کہ آنکھ کا دیکھنا کیوں معتبر نہیں—؟

★ دیکھنا آنکھ کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے لیکن دیکھنے میں الوژن اور reality میں دیکھنا الگ بات ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے، ''تم دیکھتے ہو کہ وہ دیکھ رہے ہیں تمہاری طرف لیکن وہ نہیں دیکھ رہے۔'' لیکن دل کے دیکھنے میں الوژن نہیں ہے۔ معراج شریف کے واقعہ میں خالق کائنات کا فرمان ہے، ''دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔''

صائمہ نصیر (فیصل آباد): باطن میں ڈائی مینشن مغلوب ہے۔ ظاہر میں مغلوب کرنے کا طریقہ شے کی بنیاد سے واقف ہونا ہے کیوں کہ ہر شے کی بنیاد ایک ہے۔

فہد (کراچی): سمجھ میں یہ آیا ہے کہ ڈائی مینشن چیزوں میں نہیں، ذہن میں ہے۔ اگر ذہن ڈائی مینشن سے آزاد ہو جائے تو فرد کو ہر شے ذہن کے مطابق نظر آتی ہے۔

وقار یوسف (روحانی لائبریری، کورنگی ٹاؤن): ''آج کی بات'' میں نظر پر تفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ ہم کتنی گہرائی کے ساتھ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق ظاہر اور باطن دونوں سے ہو سکتا ہے۔ توجہ نہ ہو تو ظاہری اشیا کی خصوصیت واضح نہیں ہوتی۔ توجہ سے فہم میں اضافہ ہوتا ہے۔

عبدالحمید (کراچی): یقین کا قانون سمجھایا گیا ہے کہ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔ ''یقین'' دل کا دیکھنا ہے۔

آدم (کراچی): ضمیر کی راہ نمائی میں جو عمل کیا جاتا ہے، اس سے معاملات ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ایسا فرد یہ ضرور سوچے گا کہ میں کون ہوں، کیا ہوں اور مجھے بنانے والا کون ہے۔

فرحت رفیق (لاہور): باطن کی دنیا میں شکلوں کی جگہ نقطے کیوں نظر آتے ہیں اور اگر کائنات میں سمتیں نہیں ہیں تو پھر یہ نقطے اتنی ساری اشکال (سمتیں) کیسے اختیار کر لیتے ہیں؟

★ اس سوال کا جواب لکھا جا چکا ہے۔ تحریر میں مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ آدھا گلاس پانی کچھ فاصلہ سے دیوار پر پھینکیں۔ پانی پھیلنے کے بعد غور سے دیوار کو دیکھیں، پانی کے پھیلاؤ سے تصویریں نمایاں ہوں گی۔

غلام نبی طارق (کراچی): غیب میں داخل ہونے کے مراحل تفکر اور وسعت نظری سے شروع ہوتے ہیں۔ وسعت نظر یہ ہے کہ اشیا کے ظاہری خدوخال کو حتمی نہ سمجھا جائے— ظاہر باطن پر قائم ہے۔ جب تک ہم محدود ذہن کے ساتھ غور و فکر کریں گے، حقیقی اور لافانی علم حاصل نہیں ہوگا۔ سائنسی اور مادی علوم ڈائی مینشن میں رہ کر حاصل ہوتے ہیں لہٰذا یہ علوم الوژن ہیں۔

# سرورق کی تشریح

سرورق پر تفکر سے کئی نکات ذہن میں آئے۔لہروں سے خدوخال واضح ہوکر رنگوں میں ڈھل رہے ہیں۔رنگوں کی بنیادلہریں اورلہروں کی بھی کوئی بنیاد ہے۔سرورق متوجہ کرتا ہے کہ لہریں ہوں یا رنگ — کسی بنیاد پر قائم ہیں۔بنیاد اصل ہے اوراس پر موجود شے گھٹتی، بڑھتی، پھیلتی اور سمٹتی رہتی ہے لیکن بنیاد تبدیل نہیں ہوتی۔سوال یہ ہے کہ کیا چیز

گھٹ کر بڑھ رہی ہے اور پھر گھٹ رہی ہے۔وہ شے جو بھی ہے، بنیاد سے آرہی ہے اور بنیاد میں واپس جارہی ہے۔کہا جاسکتا ہے کہ یہ لامحدودیت کا مظاہرہ ہے اور مظاہرہ ہمیشہ محدود ہوتا ہے۔

لہروں کا تصویر میں ڈھلنا کیا ہے —؟ مختلف اجزا مخصوص تناسب سے ملتے ہیں اور تصویر بناتے ہیں۔لہر ایک ہے مگر اس کے چھوٹے بڑے ہونے اور اس میں فریکوئنسی کے فرق سے ایک فرد (مخلوق) دوسرے سے الگ ہے۔لہر پر غور کریں تو کیا مخلوق کٹھ پتلی نہیں ہوئی —؟ جس طرح کٹھ پتلی کو تاروں سے حرکت دی جاتی ہے، اسی طرح لہریں بھی تاریں ہیں۔حرکت کہیں اور سے آرہی ہے۔سرورق بتاتا ہے کہ رنگ محض مظاہرہ ہے۔کسی شے کی outer layer ہے۔قانون یہ ہے کہ مخلوق لہروں کی شکل میں کہیں سے آرہی ہے اور زمین کی اسکرین پر مظہر بن رہی ہے۔یہاں مظاہرہ ہے — حرکت کہیں اور ہوتی ہے۔ (مریم فاطمہ۔پشاور)

سرورق پر نظر پڑتے ہی خیال آیا کہ ہر شے لہروں پر قائم ہے جو مختلف مراحل سے نزول کر کے مظہر بنتی ہے۔

سرورق لہروں، رنگوں اور تخلیقات سے مزین ہے۔لہر یا روشنی کا نزول عالم ناسوت میں رنگ بن کر مظہر بنتا ہے یعنی عالم ناسوت میں حواس رنگوں کی شکل میں ہیں اور ان رنگوں کا مجموعہ جسم ہے۔ بتایا یہ گیا ہے کہ رنگ محض روشنی کو ظاہر کرنے کا ذریعہ ہیں۔کائنات پر تفکر کرنے والوں کا ذہن مسلسل تلاش میں رہتا ہے۔وہ کسی شے سے براہ راست تعلق قائم نہیں کرتے بلکہ اللہ کی معرفت دیکھتے ہیں،نتیجہ میں شے کی حقیقت پالیتے ہیں۔اللہ کی راہ میں یہ جدوجہد بندہ کو روح اعظم سے متعارف کرادیتی ہے۔

لہریں کیا ہیں — ؟ معین مقداریں ہیں۔مقدار کی وجہ سے ہر مخلوق دوسری سے منفرد ہے۔مقداروں پر شناخت اور انفرادیت کا قیام ہے۔یہاں ہر چیز لہروں کے دوش پر رواں دواں ہے۔نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لکیر نور ہے اور نور کسی عالم میں رنگ تو کسی عالم میں روشنی ہے۔رنگ تغیر ہیں،ایک نقطہ پر ٹھہرتے نہیں۔جب کہ لاشعوری حواس سے واقف ہونے کے لئے ٹھہرنا یا اس شے سے واقف ہونا ضروری ہے جس میں ٹھہراؤ ہے۔نتیجہ میں رنگ سے دوری ہوتی ہے اور فرد روشنی میں داخل ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر زبیر احمد۔کراچی)

سرورق ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور تفکر طلب ہے۔نقطہ کا تذکرہ اہم ہے۔کائنات نقطہ میں بند ہے۔نقطہ کھلنے سے چیزیں کھلتی ہیں۔لکھا ہے کہ ہر چیز لہروں پر قائم ہے۔میرا خیال ہے یہاں نسمہ کی بات کی گئی ہے۔نسمہ ہیولیٰ یا وہ جسم ہے جس میں مفرد اور مرکب لہریں غالب ہوتی ہیں۔سرورق میں کبوتر کے نسمہ کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔جب انسان کے اندر وسعت پیدا ہوتی ہے تو فرد جسم سے پہلے نسمہ کو دیکھتا ہے۔رنگ برنگ چیزیں دعوت دیتی ہیں کہ تخلیق پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے یہ سب انسان کے لئے مسخر کردیا ہے۔رنگینی کا تعلق مخلوق سے ہے، خالق کائنات رنگوں کا خالق ہے اور رنگوں سے ماورا ہے۔ (صائمہ نصیر۔فیصل آباد)

ماہ اکتوبر 2018ء کے سرورق پر تفکر پیش ہے — کہکشانی نظام ہوں، جمادات، نباتات، چرند پرند، شجر حجر آدمی یا دنیا کی ہر شے کسی نہ کسی رنگ کے ساتھ موجود ہے۔مختلف ہونا مقداروں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

سرورق کو محدب عدسہ (magnifying glass) کی مدد سے دیکھا تو پرندہ کے خدوخال جا بجا مثلث نظر آئے۔ ہر تخلیق رنگوں میں محدود ہو کر مظہر بنتی ہے۔تجلی —> نور —> روشنی —> رنگ.....مظہر بننے کے مراحل ہیں۔ (حنا عبدالرحمٰن۔کراچی)

''وہ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود چیزوں کو چھ ایام میں پیدا کیا۔
پھر عرش پر قرار پکڑا، وہ رحمٰن ہے، اس کی شان کسی خبردار سے پوچھو۔'' (الفرقان)

## عرس مبارک حضور قلندر بابا اولیاؒ ۲۷ جنوری ۲۰۱۹ء

27 جنوری 1979ء قلندر بابا اولیاؒ کا یوم وصال ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم لدنی کے وارث قلندر بابا اولیاؒ نے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق روحانی علوم کی آبیاری کی ہے۔ اولیاء اللہ کی محبت کے دیوانے اور رسول اللہؐ کے عشق میں پروانے قلندر بابا اولیاؒ کے عرس کی تقریب میں دور دراز سے تشریف لاتے ہیں اور علوم روحانی کے معطر پھول چنتے ہیں اور سلسلہ عظیمیہ کے فیض کو عام کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

عرس کی مرکزی تقریبات ــــ

روحانی ورکشاپ: 26 جنوری 2019ء بروز ہفتہ

مزار شریف پر حاضری: 27 جنوری 2019ء بروز اتوار

**حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا خطاب رات 9:00 بجے**

لنگر: بعد نماز مغرب
مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

---

**مزار مبارک قلندر بابا اولیاؒ۔ بمقام خانقاہ عظیمیہ B-14 شادمان ٹاؤن کراچی**
ختم درود شریف: ظہر سے مغرب، تلاوت قرآن، فاتحہ

# میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے

''خواجہ صاحب! مشن کو پھیلانے والے لوگ دیوانے ہوتے ہیں۔آپ میری بات سمجھ گئے ــــ؟''
عرض کیا:''حضور! میں آپ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر سلسلہ کی پیش رفت میں دیوانہ وار کام کروں گا۔''

''جب قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسان کا ہجوم ہوتا ہے اور انسان قدرت کے عطیات میں فکر کرتا ہے، اس وقت نور اللہ کے تمثلات بار بار طبیعت انسانی میں موج زن ہوتے ہیں۔ یہاں سے اس ربط یا نسبت عشق کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس نسبت کے باطنی انہماک کی کیفیتیں رونما ہونے لگتی ہیں۔ پھر ان لطیفوں یا روشنی کے دائروں پر جو انسانی روحوں کو گھیرے ہوئے ہیں روشنی کا رنگ چڑھنے لگتا ہے۔ یعنی ان دائروں میں انوار الٰہیہ پے در پے پیوست ہوتے رہتے ہیں۔اس طرح نسبت عشق کی جڑیں مستحکم ہوجاتی ہیں۔'' (لوح وقلم)

یہ زریں الفاظ اس محترم ہستی کے ہیں جنہیں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے بطریق اویسیہ ''حسن اخریٰ'' کا خطاب عطا ہوا، جو مرتبۂ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملان عرش میں ''قلندر بابا اولیاؒ'' کے نام سے معروف ہیں اور عامۃ الناس میں بھی یہی عرفیت زبان زدعام ہے۔

سن 1898ء، ریاست یو پی (بھارت) کے ضلع بلند شہر کے قصبہ خورجہ میں مقیم نیک صفت حسین مہدی بدیع الدینؒ (شیر دل) اور پاکیزہ صفت بی بی سعیدہ خاتونؒ کے گھر پُرنور بچہ کی پیدائش ہوئی۔ بظاہر یہ ایک عام بچہ کی پیدائش تھی لیکن اہل نظر جانتے تھے کہ بچہ پریشان حال لوگوں کو یقین کی دولت سے معمور کرنے والا اور کائناتی رازوں کا امین ہے۔

نام محمد عظیم رکھا گیا، نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں، خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؒ سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم قصبہ خورجہ اور پھر بلند شہر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔طبیعت میں درویشی کی طرف میلان تھا جو علی گڑھ میں قیام کے دوران بڑھ گیا۔صبح مولانا کابلیؒ کے پاس قبرستان کے حجرہ میں تشریف لے جاتے اور رات گئے واپس آتے۔ بے چینی بڑھی تو معرفت کی کشش انہیں ناگپور لے گئی جہاں شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ ان کے منتظر تھے۔

بابا تاج الدینؒ، قلندر بابا اولیاؒ کے نانا حسن مہدی سراج الدینؒ کے چچازاد بھائی ہیں ۔بابا تاج الدینؒ نے سید محمد عظیمؒ کی والدہ سعیدہ خاتونؒ کی پرورش کی ۔ وہ رشتہ میں قلندر بابا اولیاؒ کے نانا ہیں۔

نانا تاج الدینؒ نے نو سال سید محمد عظیمؒ کی روحانی تربیت فرمائی۔اپنے نانا کی شان میں حضرت سید محمد عظیم قلندر بابا اولیاؒ کے ایک کلام سے نانا اور نواسہ کے روحانی مراتب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔فرماتے ہیں،

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے، دریا پی کر جو پیاسا ہے
جلووں کا سمندر دے دیجئے، اے بادۂ حق اے جوئے علیؑ

والدہ محترمہ سعیدہ خاتونؒ کے انتقال کے بعد قلندر بابا اولیاؒ بہن بھائیوں کی تربیت میں مصروف ہوگئے ۔ اس دوران نانا تاج الدینؒ کے حکم سے دہلی میں ان کی شادی ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی کو مسکن بنایا۔

کراچی آنے سے پہلے قلندر بابا اولیاؒ نے صحافت سے وابستہ رہنے کے ساتھ شعرا کے دیوانوں کی اصلاح و ترتیب کا کام کیا۔البتہ کراچی ہجرت فرمائی تو گزر بسر کی ابتدا بجلی کے فیوز لگانے سے کی۔جب علمی وسعت کا تذکرہ ادبی حلقوں تک پھیلا تو ڈان اخبار سے وابستہ ہوگئے۔یہیں پر ان کی اپنے خاص شاگرد عظیمی صاحب سے ملاقات ہوئی۔

زندگی کے نشیب و فراز میں روحانی ترقی کا سفر جاری رہا۔ 1956ء میں قطب ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ کراچی تشریف لائے جنہوں نے قطب ارشاد کی تعلیمات پوری کر کے قلندر بابا اولیاؒ کو خلافت عطا فرمائی۔ بعدازاں شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پُرفتوح سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہِ راست علم لدنی عطا فرمایا اور اپنی محبت اور نسبت سے بارگاہ رب العزت میں پیش کیا۔

حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''عرفان نفس، معرفت الٰہیہ کا دروازہ انسان پر کھول دیتا ہے۔ اور عرفان نفس کے حصول کے سلسلہ میں اہل روحانیت کو جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ان میں سب سے پہلا درجہ 'لا' ہے۔یعنی سب سے پہلے انسان کو اپنی روایتی معلومات اور شعوری علم کی نفی کرنی پڑتی ہے۔''

معرفت کا راستہ اپنی نفی سے روشن ہوتا ہے۔نفی وہ باطنی مقام ہے جہاں اسپیس نا قابل پیمائش ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے نظام حیات پر غور کیا جائے تو یہ اللہ کی صفات ہیں جو مخلوق میں حیات ہیں۔

مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے الست بربکم فرمایا تو حواس مخلوق میں منتقل اور متحرک ہوئے۔اس سے پہلے مخلوق کی حیثیت بے حس و حرکت پتلے کی تھی۔

الست بربکم کا قانون بتاتا ہے کہ آدمی اللہ کی دی ہوئی سماعت سے سنتا ہے، اللہ کی دی ہوئی بصارت

سے دیکھتا ہے، اللہ کے عطا کئے گئے فہم سے ادراک کرتا ہے، اللہ کی دی ہوئی حس سے محسوس کرتا ہے اور گویائی کی قوت بھی اللہ نے عطا کی ہے۔ جب فرد اس حقیقت کا ادراک کرلے کہ جسم کی حیثیت محض لباس ہے اور اللہ کی صفات مجھ پر محیط ہیں تو یہاں سے ''لا'' کے مراحل شروع ہوتے ہیں۔ ابدالِ حق نے اس بات کو خیال کی مثال سے سمجھایا ہے۔

''صحیح بات کو سمجھنے کے لئے جو کچھ ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اس کو آئندہ کے لئے بالکل بھلا دیا جائے۔ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ انسان کیا ہے۔ انسان صرف خیالات کی لہریں ایک ترتیب میں جمع ہوجانے کا نام ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایک دریا بہہ رہا ہے۔ اس کا پانی جب تک دو کناروں کے بیچ میں بہتا رہتا ہے، اس وقت تک انسانی احساس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پانی کی لہروں میں کیا کیا چیزیں بہتی چلی جارہی ہیں۔ ایک حالت میں دریا کے اندر طوفان آجاتا ہے۔ پانی کناروں سے باہر اچھلنے لگتا ہے۔ اب انسانی احساس کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ کچھ خیالات پراگندہ قسم کے ابتر، بے ترتیب اور تقریباً بے معنی ادھر سے یورش کرتے چلے آرہے ہیں۔ انسان ان تمام خیالات کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ گزرتا رہتا ہے۔ گزرنے کی وجہ خاص طور سے یہ ہوتی ہے کہ وہ ان خیالات میں ترتیب قائم نہیں کرسکتا۔ خیالات کی دوسری قسم ایک اور بھی ہے۔ وہ قسم یہ ہے کہ انسانی حواس دریا کے پانی میں بہتی ہوئی چند چیزیں اٹھاتا رہتا ہے اور ان کو ایک خاص پیرائے میں مرتب کرلیتا ہے۔ اس ترتیب سے جو مفہوم نکلتا ہے اس کو وہ اپنی تصنیف قرار دے دیتا ہے۔ یہی وہ کام ہے جس کو دنیا کے ذہین اور ذی ہوش انسان کسی خاص علم یا اختراع کا نام دیتے ہیں۔''

برگزیدہ ہستیوں کی حیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں نمایاں صفات میں سے ایک غیر جانب داری یعنی ''راسخ فی العلم'' ہونا ہے۔ اس کے بغیر روحانیت کے سفر کی ابتدا ہوتی ہے نہ راستہ طے ہوتا ہے کیوں کہ سالک کے لئے یہی راہ حیات اور نشان منزل ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی ذات وصفات عالم گیر ہیں۔ ابدالِ حق نے لوگوں کو سکون سے آشنا کرنے کے لئے غیر جانب دار طرز فکر کی تعلیم دی۔ فرماتے ہیں،

''ہر شخص کو طرز فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ بحیثیت اہل معاملہ اور دوسرا زاویہ بحیثیت غیر جانب دار۔ جب انسان بحیثیت غیر جانب دار تجسس کرتا ہے تو اس پر حقائق منکشف ہوجاتے ہیں۔ تجسس کی یہ صلاحیت ہر فرد کو ودیعت کی گئی ہے تاکہ دنیا کا کوئی طبقہ معاملات کی تفہیم اور صحیح فیصلوں سے محروم نہ رہ جائے۔''

غیر جانب دار فرد حالات واقعات میں اپنے معنی نہیں پہناتا بلکہ ضمیر کی راہ نمائی قبول کرتا ہے۔ ضمیر باطن کا نور ہے اور نور ہر جانب ہے۔ ذہن راسخ ہوجائے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے تو لوح محفوظ کو دیکھنے والی نگاہ

روشن ہوتی ہے۔حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''انسان کسی غیر جانب دار زاویہ سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے تو قانون لوح محفوظ کے تحت انسانی شعور، لاشعور اور تحت لاشعور کا انطباعیہ معلوم کرنے میں کام یاب ہوجاتا ہے۔ انطباع وہ نقش ہے جو بصورت حکم اور بشکل تمثال لوح محفوظ (سطح کلیات) پر کندہ ہے۔ اس ہی کی تعمیل من وعن اپنے وقت پر ظہور میں آتی ہے۔''

علم حضوری کے امین قلندر بابا اولیاؒ نے دربارِ رسالت سے منظوری کے بعد جولائی 1960ء میں سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد رکھی۔ ابدالِ حق کی مبارک ہستی اور فکر وفہم کی مناسبت سے سلسلہ عظیمیہ کا رنگ قلندری ہے۔

خدا نما، جہاں نما ہے سلسلہ عظیمیہ
قبول شاہِ دو جہاںؐ ہے سلسلہ عظیمیہ
حسین رہنما ملے حسن عظیم برخیا
قلندروں کا رنگ ہے سلسلہ عظیمیہ

ہر صاحب علم وعرفان کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے جسے وہ اپنا علم منتقل کرسکے۔ جن دنوں قلندر بابا اولیاؒ ماہنامہ نقاد میں تھے، عظیمی صاحب سے ان کی دوسری ملاقات ہوئی۔ قلندر بابا اولیاؒ نے انہیں دیکھتے ہی سینہ سے لگالیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور آنکھوں کو چوما اور پھر باقاعدہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شاگرد، روز مرشد کے در پر حاضر ہوکر معرفت کے انمول موتیوں سے سرفراز ہوتا۔ جب دربارِ رسالتؐ سے عظیمی صاحب کی تربیت کا حکم ہوا تو عظیمی صاحب 16 سال شب و روز اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر باش رہے۔

شاگرد رشید نے ایک روز بیعت کے لئے تحریری سند کی درخواست کی تو ابدالِ حق نے فرمایا،

''ہماری زبان سند ہے جو مستند ہے۔''

گستاخی پر سخت ندامت ہوئی۔ حال دل مرشد سے مخفی نہ رہ سکا اور عظیم مرشد نے دوسرے روز اپنے قلم سے سند تحریر کرکے خود ہی موم جامہ کیا اور فرمایا،

''اسے بازو پر باندھ لو۔''

ابدالِ حق نے کائناتی قوانین کی روحانی تفہیم پیش کی اور لوگوں کو تخلیقی فارمولوں کی طرف متوجہ کیا۔ اپنی معرکتہ الآرا تصنیف ''لوح وقلم'' میں انہوں نے کائنات اور اس میں تخلیقات کی ساخت، فارمولے اور قوانین بیان کئے ہیں، عالمین کی تفصیل کے ساتھ علم لدنی کی تفہیم دی اور کائناتی رموز سے پردہ اٹھایا ہے۔

واقف اسرار کن فیکون قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ نسمہ کی لکیریں تمام مادی اجسام کی ساخت میں اصل کا کام دیتی ہیں۔ ان ہی لکیروں کی ضرب تقسیم موالید ثلاثہ کی ہیئتیں اور خدوخال بناتی ہیں۔

نسمہ کیا ہے ــــ؟ فرماتے ہیں،

''نسمہ وہ مخفی روشنی ہے جس کو نور کی روشنیوں میں دیکھا جاسکتا ہے اور نور وہ مخفی روشنی ہے جو خود بھی نظر آتی ہے اور دوسری مخفی روشنیوں کو بھی دکھاتی ہے۔''

اسی عنوان کے ضمن میں انہوں نے کتاب ''لوح و قلم'' میں چند فارمولوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے کہ،

پانی = حس سفید رنگ + آبی + پتلا + بکھرنے والی + عکاس + پھیکا + حس بو + ہر قسم کی صوت (آواز) + آر پار + ہلکا + سرد + گرم + حرکت کلی + بہنا + اڑنا + چپک

لوہا (فولاد) = حس سیاہ رنگ + سخت + بھاری وزنی + کھردرا + چپک + کسیلا + پگھلنا + موٹا

کتاب ''لوح و قلم'' کو تحریر میں لانے کے لئے چار بجے شب مرشد و مرید علیحدہ کمرے میں بیٹھ جاتے۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''دوران املا نویسی حضور قلندر بابا اولیاؒ جو بھی نکتہ بیان فرماتے اس کی تشریح و وضاحت مثالوں اور نقشوں کے ذریعے کرتے تھے۔ جس میں ملائے اعلیٰ کے مقامات، تجلیات و انوار کا محل وقوع اور ان کے توسط سے مرتب ہونے والے اثرات شامل تھے۔ تقریباً دو گھنٹے کی املا نویسی اور وضاحت و اشارت کے بعد اگلی شب اسی وقت پھر نشست ہوتی اور نشست کا متعین حصہ مکمل کر لیا جاتا۔ کبھی کبھی مصروفیت یا دن بھر کے کام کاج کے سبب نیند کا غلبہ ہو جاتا اور میری وقت مقررہ پر آنکھ نہ کھلتی یا بعض اوقات دوران تحریر نیند آ جاتی تو حضور قلندر بابا اولیاؒ آہستگی کے ساتھ ہوشیار کر دیتے تھے۔ لیکن کسی حالت میں بھی اس پروگرام میں کسی قسم کی تاخیر کو روا نہ رکھا گیا۔ کم و بیش دو سال پر پھیلی اس نشست میں موسم کی گرمی و سردی بھی آڑے نہ آئی۔ اس طرح کائنات کی تخلیق و تکوین کے اسرار و رموز پر مشتمل معرکۃ الآرا تصنیف وجود میں آ گئی۔''

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے بیعت کے سلسلہ میں عظیمی صاحب سے یہ شرائط منظور کرائیں۔

''آپ کسی کے اندر نہیں جھانکیں گے، اسلحہ نہیں رکھیں گے، جاگیردار نہیں بنیں گے، سود نہیں لیں گے، کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔'' اس کے بعد فرمایا، ''آپ کو پوری تعلیم حاصل کرنا ہے، قانون یاد کرنا ہے اور فرشتوں کی زبان سیکھنا ہے، چھوٹی چھوٹی باتیں بھی یاد رکھنی ہیں اور ہر بات میں خواہ اس کی آپ کے نزدیک کچھ بھی اہمیت نہ ہو، تفکر کرنا ہے۔''

تربیت کا محور یہ تھا کہ ہر عمل اللہ کے لئے ہو لیکن صدیوں پرانے شعور اور روایات نے بغاوت کر دی۔ مزاحمت یہاں تک بڑھی کہ تکلیف کا احساس نہیں رہا۔ پھر ایک روز حضور قلندر بابا اولیاؒ نے شاگرد سے فرمایا،

''یاد رکھئے! انسان کی ساخت اور تخلیق کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ فطرت خود مختار نہیں ہے۔ انسان کی ساخت اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ یہ پابند ہو کر زندگی گزارے لہٰذا ضروری ہے کہ خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہو جائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنا لیں، آپ کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ آپ

دوسرے کے بن جائیں۔''

حامل علم لدنی قلندر بابا اولیاؒ کی کرامات لاتعداد ہیں۔ کچھ تحریر میں لائی جاچکی ہیں جن کا ذکر کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں ہے۔علاوہ ازیں عظیمی صاحب نے کرامات کی روحانی توجیہ بیان کرکے ان کے پس پردہ قوانین کی وضاحت وتشریح کی ہے۔

قلندر بابا اولیاؒ نے نثر کے علاوہ تصوف کے گہرے نکات کو شاعری کے ذریعہ بیان کیا اور مشکل صنفِ سخن رباعی کو ذریعہ اظہار بنایا۔نثر کی طرح آپ کی رباعیات اسرارالٰہی کا بحرِ ذخار ہیں۔فرماتے ہیں،

ساقی کا کرم ہے میں کہاں کاسے نوش
مجھ ایسے ہزارہا کھڑے ہیں خاموش
میخوار عظیم برخیا حاضر ہے
افلاک سے آرہی ہے آوازِ سروش

قلندر بابا اولیاؒ نے وصال سے قبل اپنے سفر آخرت سے مطلع فرمادیا تھا۔وصال سے پہلے اپنے محبوب شاگرد عظیمی صاحب سے فرمایا،''خواجہ صاحب ! مشن کو پھیلانے والے لوگ دیوانے ہوتے ہیں۔آپ میری بات سمجھ گئے؟''عرض کیا:''حضور! میں آپ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر سلسلہ کی پیش رفت میں دیوانہ وار کام کروں گا۔''ابدالِ حق نے سر پر دست شفقت رکھا پھر پیشانی پر انگلیوں کے پوروں سے دائرے بناتے رہے اور پھونک مار کر فرمایا،''اللہ تمہارا حامی وناصر ہے۔''

27 جنوری کی شب ایک بجے واقف اسرار کن فیکون قلندر بابا اولیاؒ نے عالم فانی سے پردہ فرمالیا۔

اپنی ایک غزل میں فرماتے ہیں،

عشق ہی میرا سفر ہے عشق ہی کاشانہ ہے
میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے
یاد ہے وہ دن کہ سر تھا اور لطفِ پائے دوست
اب وہی سر کوہ وصحرا کے لئے افسانہ ہے
شمع اپنے ساتھ دورِ زندگانی لے گئی
کچھ نہیں محفل میں، اک خاکسترِ پروانہ ہے
دل رہا میرا وہ صورت جلوہ گر جب تک رہی
اب میں بیگانہ ہوں دل سے، مجھ سے دل بیگانہ ہے
میں ہوں اور میخانۂ خونِ محبت ہے عظیمؔ
زندگی میری فقط اک جرأتِ رندانہ ہے

---

اس وقت دنیا کے حالات یہ ہیں کہ نوع آدم تصادم اور تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ حفاظت الہامی کتابوں میں توحید کے پیغام پر عمل میں ہے لہٰذا مفکرین کو چاہئے کہ وہ وحی کی طرز فکر کو سمجھے اور نوع انسانی کی غلط راہ نمائی سے دست کش ہوجائے۔

''آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے کہیں زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہونے پر مجبور ہوں گی۔نتیجہ میں نوع انسانی کو کسی نہ کسی وقت نقطۂ توحید کی طرف لوٹنا پڑ گیا تو بجز اس نقطہ کے نوع انسانی کسی ایک مرکز پر کبھی جمع نہیں ہوسکے گی۔''

محمد اقبال جیلانی

# سروے ـــ ایک لاکھ سال

جب آپ کسی سے کہتے ہیں ''قلم'' تو اس کے ذہن میں ق ل م کے حروف کا تصور نہیں ابھرتا بلکہ قلم کا مفہوم خدوخال کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ ماورائی دنیا میں قانون ہے کہ ہر لفظ خدوخال رکھتا ہے۔

---

''یہ پیغمبران میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔'' (البقرۃ:۲۵۳)

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام پر بعض کو فضیلت عطا فرمائی اور فضیلت علم کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم ہیں ـــ انبیائے کرام نے اللہ کا جس طرح عرفان حاصل کیا وہ علم کا ایک درجہ ہے۔ حضرت محمدؐ کو تمام انبیائے کرام پر فضیلت آپؐ کی اللہ تعالیٰ سے بے پناہ قربت اور تعلق کی بنا پر ہے کہ آپؐ محبوب رب العالمین ہیں۔ نبوت کا سلسلہ رسول اللہؐ پر ختم ہوگیا اور دین کی تکمیل ہوگئی ہے۔

''آج میں نے دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے۔'' (المائدۃ:۳)

حضور پاکؐ کا توحیدی مشن آپؐ کے روحانی علوم کے وارث اولیاء اللہ کے ذریعے جاری ہے۔

سیدنا حضور پاکؐ کی نسبت سے جو امتی اپنے روحانی ورثہ سے واقف ہونے کے لئے زمان و مکان (ٹائم اور اسپیس) یعنی اپنی زندگی کو وقف کرتا ہے تو خالق کائنات اس کے لئے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں اور ایسے بندہ کو وہ علم حاصل ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نوع آدم کے لئے مخصوص کیا۔ کائنات میں تفکر کرنے والا بندہ خالق کائنات کا دوست بن جاتا ہے۔

اللہ کے دوست ـــ اولیاء اللہ میں بھی بعض کا درجہ یعنی اللہ کو پہچاننا بعض سے بلند ہے۔ جب ایک روحانی بندہ انبیائے کرام علیہم السلام کے طریق پر چل کر عرفان الٰہی حاصل کرتا ہے تو یہ عرفان اس کے فہم کی حد کے مطابق ہوتا ہے۔

انیسویں صدی کے اختتام سے چند سال پیش تر حضرت امام حسن عسکریؓ کے خاندان کے ایک فرد حضرت حسین مہدی بدیع الدین شیر دلؒ نے خواب دیکھا کہ وہ آسمان کے نیچے کھڑے ہیں اور آسمان پر ستارے جھلملا رہے ہیں۔ شمال میں ایک روشن ستارہ شہاب ثاقب کی طرح ٹوٹ کر برق رفتاری کے ساتھ زمین کی طرف آتا ہے۔ جناب شیر دل صاحبؒ اس

ستارہ کو حاصل کرنے کے لئے دامن پھیلا دیتے ہیں اور ستارہ ان کی گود میں آجاتا ہے۔

خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ ان کے گھر میں ایسا فرد پیدا ہوگا جس کے دم سے عالم فیض یاب ہوگا۔ خواب کے چند ماہ بعد جناب شیر دل صاحبؒ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی، نام ''محمد عظیم'' رکھا گیا۔ خواب کے تمثیلات حقیقت میں ڈھلے اور معرفت کی راہوں سے گزر کر یہ ہستی اعلیٰ روحانی مقام پر فائز ہوئی اور عالم بالا اور عالم ناسوت میں ''قلندر بابا اولیاؒ'' کے نام سے معروف ہوگئی۔

نبی کریمؐ کے خصوصی کرم، محبت اور نسبت سے، حامل علم لدنی حضور قلندر بابا اولیاؒ کا شمار اللہ تعالیٰ کے بلند درجہ بندوں میں ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ کو رسول اللہؐ کی طرز فکر حاصل ہے۔ سیرت طیبہؐ پر تفکر ابدالِ حق کی طرز فکر اور تعلیم ہے۔

ایک مرتبہ شاگرد رشید نے عظیم مرشد سے دریافت فرمایا کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں، حضور پاکؐ بھی معصوم ہیں، وہ اللہ کے محبوب بندہ ہیں اور دوست بھی — پھر آخر رسول اللہؐ اپنی زندگی میں روزانہ متعدد بار استغفار کیوں پڑھتے تھے —؟

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا، ''خواجہ صاحب اس میں بڑا عجیب رمز ہے۔ ظاہری زندگی میں رسول اللہؐ کی اللہ تعالیٰ سے ہر روز 72 بار ملاقات ہوتی تھی اور آپؐ اللہ کو ہر دفعہ نئے نور اور نئے جلوہ میں دیکھتے تھے۔ جب حضور پاکؐ اللہ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے تو فرماتے کہ اب میں نے اللہ کو دیکھ لیا ہے لیکن اگلی دفعہ اللہ تعالیٰ نئے روپ میں جلوہ افروز ہوتے تو حضورؐ اپنی پہلے قائم کی ہوئی رائے پر استغفار کرتے۔ حضورؐ نے عالم ناسوت سے پردہ فرماتے ہوئے دعا مانگی کہ،

'اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملادے۔'

یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔''

اس کے بعد حضور قلندر بابا اولیاؒ نے بڑی عجیب بات بتائی کہ 72 بار استغفار کا یہ سلسلہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح ہر روز جاری ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات میں بے پناہ تفکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

''مجھے یہ شوق ہوا کہ اللہ کو دیکھنے والے اور اللہ کی ذات کا عرفان رکھنے والے جو بندے ہیں میں ان کی فہرست لکھوں کہ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو دیکھا ہے، اللہ سے باتیں کیں، انہیں اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور پھر دیکھوں کہ کتنی ہستیوں نے اللہ کو ایک جلوہ میں دیکھا ہے۔ مثلاً یہ کہ پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا — خواجہ غریب نوازؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا — حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا — حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا۔ حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا — داتا صاحبؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا — بری امام

صاحبؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا— بابا فرید گنج شکرؒ نے اللہ کو کس طرح دیکھا— میں اس کام میں لگ گیا۔ ایک لاکھ سال میں جتنے بھی ذات کے عارف اولیاء اللہ تھے ان میں دو بندے بھی ایسے نہیں ملے جنہوں نے اللہ کو ایک صورت میں دیکھا ہو۔ ہر بندہ نے اللہ کو مختلف روپ میں دیکھا۔ میرے اوپر دیوانگی اور پریشانی طاری ہوگئی، آخر یہ کیسے ممکن ہے؟

جب میں بے حال ہوگیا تو بڑے نانا حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے فرمایا، اس بات کو چھوڑ دے، ایسی کوششیں بہت لوگ کر چکے ہیں۔ کھربوں سال ہوگئے ہیں، جتنے بھی عارف گزرے ہیں ہر ایک نے اللہ کو الگ روپ میں دیکھا ہے۔''

قارئین! اس واقعہ کو گہرائی میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب آپ کسی سے کہتے ہیں ''قلم'' تو اس آدمی کے ذہن میں ق ل م کے حروف کا تصور نہیں ابھرتا بلکہ قلم کا مفہوم خدوخال کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ ماورائی دنیا میں قانون ہے کہ ہر لفظ خدوخال رکھتا ہے۔ جب ہم کوئی لفظ ادا کرتے یا سنتے ہیں تو اس لفظ میں موجود تصویر اپنے پورے تشخص کے ساتھ ہمارے اندر منتقل ہوتی ہے۔

ہر لفظ کی نئی صورت ہے۔ عارف لفظ درخت کہتا ہے تو اس پر صرف تنا، پتّے اور جڑ کا مفہوم آشکار نہیں ہوتا بلکہ درخت سے متعلق تمام فارمولے سامنے آجاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ اللہ کہتا ہے تو ہر بار دیدار الٰہی سے فیض یاب ہوتا ہے۔

سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا،

یار دم بدم بار بار می آید!

''میں ہر سانس میں محبوب کو دیکھتا ہوں''

حضور قلندر بابا اولیاؒ سے متعلق واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ راز کھلتا ہے کہ جب روحانی بندہ سے اللہ کے دیدار کی بات کی جاتی ہے تو اس طرز مشاہدہ کو لفظی طور پر بتایا جاسکتا ہے نہ سمجھا جاسکتا ہے بلکہ مقابل صاحب علم ہو تو مشاہدہ منتقل ہوتا ہے۔

روحانیت مشاہداتی علم ہے اور ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا عارفین میں اعلیٰ درجہ ہے۔ قلندر باباؒ کی ایک لاکھ سال میں جتنے بھی اولیاء اللہ سے ملاقات ہوئی، ان ہزاروں اولیا کا طرز مشاہدہ اور عرفان، بذات خود ملاحظہ و مشاہدہ کر کے قلندر بابا اولیاؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کسی دو بندوں نے بھی اللہ کو ایک روپ میں نہیں دیکھا!

مطلب یہ ہوا کہ ایک لاکھ سال کے دوران جتنے اولیائے کرام گزرے ہیں ان سب کا طرز مشاہدہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کو منتقل ہوا۔

اللہ کے دوست اللہ کی قربت کے احساس اور اس کی صفات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ انہیں تصرف کی وہ صفات عطا ہوتی ہیں کہ یہ ہستیاں لوگوں کا تزکیہ کر کے ان کے اندر یہی طلب اور مشاہدہ بیدار کر دیتی ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ ان برگزیدہ ہستیوں

میں سے ایک ہیں۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''ایک مرتبہ میں حضور قلندر باباؒ کی کمر دبا رہا تھا اور بابا صاحبؒ قرآن پاک کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حکمت سمجھا رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ فلاں آیت پڑھو۔ میں نے تلاوت کی۔ فرمایا، اس آیت کا سات بار ورد کرو۔''

عظیمی صاحب نے ساتویں مرتبہ جب اس آیت کو پڑھا تو نظروں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ ہر شے میں اللہ بستا ہے۔ دیوار کی طرف نظر اٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب گئے کہ دیوار فی نفسہٖ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس دیوار کو اللہ تعالیٰ سنبھالے ہوئے ہیں۔ نل کھولا تو یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ بہنے والا پانی اللہ کے ذکر میں مشغول ہے۔ مسلسل مشاہدہ کے بعد استغراق طاری ہوگیا۔ قلندر بابا اولیاؒ نے پھر توجہ کی اور آہستہ آہستہ یہ کیفیت معمول پر آ گئی۔

رسول اللہؐ کے روحانی علوم کے وارث حضور قلندر بابا اولیاؒ پر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی نوازشیں، انعامات اور انوار و تجلیات شامل حال ہیں۔ حضور بابا صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں میں سے ہیں جن کے بارے میں حدیث قدسی ہے:

''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ذریعے بولتے ہیں، میرے ذریعے سنتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔'' (صحیح بخاری)

## دلِ داغ دار

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

جاتی تو ہے تُو زلف کے کوچہ میں اے صبا
پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرت چمن
کیدھر لئے پھروں گا میں گل گشت باغ کو

کیا چھپ رہی ہے پردۂ مینا میں دخت رز
روشن کر اپنے جلوہ سے چشم ایاغ کو

تمیز، بے تمیزیٔ عالم کرے ہے کب
نالہ سے عندلیب کے یاں بانگ زاغ کو

اے دردؔ! رفتہ رفتہ کیا آپ کو بھی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

(کلام: خواجہ میر دردؔ)

---

بے دماغ (دیوانہ)، گل گشت باغ (باغ کی سیر کی خواہش)، پردۂ مینا (جام کی اوٹ میں)، دخت رز (انگوری جام)، ایاغ (جام کا پیالہ)، تمیز (فرق کرنا) نالہ عندلیب (بلبل کی آہ وزاری)، بانگ زاغ (کوّے کی آواز)

خالدہ زبیر

# خوشبوئے رخ دوست ہے پیرہن میں

محبت ـــ خوش بو ہے۔ خوش بو قرب و بعد میں پھیل کر نفوس میں سرایت کرتی ہے اور ہر فرد کو لطافت میں پنہاں مفہوم کا ادراک ہوتا ہے۔ بندہ اس ربط کو محسوس کر کے خود کو ایک لڑی میں پرویا ہوا دیکھتا ہے اور محبت قلب سے قلوب میں منتقل ہو جاتی ہے۔

جذبات کی یہی صورت ہے۔ آدمی کی سوچ لہروں میں منتقل ہو کر ماحول میں شامل ہوتی ہے اور اسی مناسبت سے تاثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ فرد ماحول سے متاثر ہو کر لہروں میں معنیٰ پہناتا ہے۔

سوچ دراصل تعارف ہے جو لہروں کے ذریعے منتقل ہو کر ادراک بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی مخلوق سے محبت ہے جس کی وجہ سے مخلوق میں حیات ہے۔ جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بطور خاص یاد فرماتے ہیں۔

''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو، کفران نعمت نہ کرو۔'' (البقرۃ: ۱۵۲)

محبت ـــ مہک ہے اور مہک میں مکاں در مکاں منتقل ہونے کی صلاحیت ہے۔ محبت ایک مقام پر پیدا ہوتی ہے تو دوسرے مقام پر محسوس ہوتی ہے اور اس طرح دو قلوب فاصلہ کے باوجود محبت سے وابستہ ہو کر ایک ہو جاتے ہیں۔

شمع رسالت کے پروانے، عاشق رسولؐ، حضرت اویس قرنیؓ نے مادی آنکھ سے رسول اللہؐ کا دیدار نہیں کیا۔ والدہ محترمہ کی علالت کی وجہ سے ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اسلام کا نور پھیلا تو حلقۂ توحید میں داخل ہوئے مگر حضور پاکؐ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس کے باوجود ان کا عشق مثالی ہے۔

حضور پاکؐ اکثر چہرہ مبارک یمن (اویس قرنیؓ کا وطن) کی طرف کر کے فرماتے تھے،

''یمن سے مجھے بوئے دوست آتی ہے۔''

بقول شاعر،

عشق کے رنگ میں رنگ جائیں جب افکار
تو کھلتے ہیں غلاموں پہ وہ اسرار
کہ رہتے ہیں وہ توصیف و ثنائے شہ ابرارؐ
میں ہر لحظہ گہر بار
آرزو یہ ہے کہ ہو قلب معطر و مطہر و منور و مجلّا و مصفیٰ
دُرِّ اعلیٰ جو نظر آئیں کہیں جلوۂ روئے شہ ابرارؐ

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''کہو اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔'' (البقرۃ:۱۳۸)

رنگ ــــ طرز فکر ہے اور طرز فکر سے کردار تعمیر ہوتا ہے۔طرز فکر فطرت سے دور ہو تو کردار پیچیدہ بن جاتا ہے اور فطرت سے قریب ہو تو زندگی میں سادگی داخل ہوتی ہے۔عامیانہ سوچ سطحی ذہن کی علامت ہے۔فکر گہری ہو تو بندہ گہرائی سے واقف ہونے کے لئے برگزیدہ ہستیوں کی سنت ''تفکر'' کو اپناتا ہے۔

روحانی استاد سالک کو تربیت کے دوران ان طرزوں کی طرف متوجہ کرتا ہے جو ماحول میں موجود نہیں۔ حالات و واقعات سے گزار کر حقیقت اور مفروضہ میں فرق سمجھایا جاتا ہے۔آدمی خود کو بااختیار سمجھتا ہے لیکن تربیت اور محاسبہ سے وہ جان لیتا ہے کہ شب و روز میں کہیں بھی اختیار نہیں ہے۔بالآخر نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد وہ جان لیتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔تربیت سے سالک کا ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''طرز فکر کا یہی بیج جو مرشد کریم دماغ میں بو دیتا ہے اس بیج کو پروان چڑھانے کے لئے مرشد مزید کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔وہ ایسے برگزیدہ بندوں کو سامنے لاتا ہے جن کی طرز فکر میں حقیقت پسندی ہے۔ مثلاً وہ اپنے تصرف سے مرید کو خواب کی ایسی دنیا میں لے جاتا ہے جس دنیا میں اسے پیغمبران کرام اور اولیاء اللہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔مسلسل اور متواتر مشاہدہ کے بعد اس کا رخ پیغمبران کرام اور اولیاء اللہ کی طرف مڑ جاتا ہے اور اس کی طرز فکر پر ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے جو پیغمبران کرام اور اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔'' (صدائے جرس)

اللہ کے دوست، معرفت کی خوش بو سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ان میں ایک حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ ہیں۔ اللہ کی محبت کا رنگ جب غالب ہوا تو اس خوش بو میں مست ہوکر انہوں نے فرمایا،

منم محو جمال او، نمی دانم کجا رفتم
شدم غرق وصال او، نمی دانم کجا رفتم
غلام روئے او بودم، اسیر موئے او بودم
غبار کوئے او بودم، نمی دانم کجا رفتم
بآں مہ آشنا گشتم، ز جان و دل فدا گشتم
فنا گشتم، فنا گشتم، نمی دانم کجا رفتم
شدم چوں مبتلائے او، نہادم سر بپائے او
شدم محو لقائے او، نمی دانم کجا رفتم
قلندر بو علی ہستم، بنام دوست سرمستم
دل اندر عشق او بستم، نمی دانم کجا رفتم

ترجمہ: میں اس کے جمال میں محو ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے وصال میں ڈوبا ہوا ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے چہرہ کا غلام،

زلف کا اسیر اور اس کے کوچہ کا غبار تھا، اب نہیں جانتا کہ میں کہاں گیا۔ میں اس چاند سے آشنا ہوں، جان و دل سے اس پر فدا ہوں، میں فنا ہو گیا ہوں اور نہیں جانتا کہاں ہوں۔ جب عشق میں مبتلا ہوا تو سر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس کے چہرہ میں محو ہوا اور نہیں جانتا کہ میں کہاں گیا۔ میں قلندر بو علی ہوں، دوست کے نام میں مست ہوں۔ دل میں اس کا عشق بسا ہے، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔

محبت و عقیدت کی خوش بو کا اظہار کرتے ہوئے ہوئے بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے لئے ان کے نواسہ حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

پروردۂ ناز خدا تم ہو
سر کردۂ راز خدا تم ہو
گل زار نیاز خدا تم ہو
خوشبوئے حسنؑ ، خوشبوئے علیؑ
یا بابا تاج الدین ولیؒ

تخلیق کائنات کے رازوں کے امین حضور نانا تاج الدینؒ اہل بیت کی خوش بو سے معطر ہیں۔ ان کا خلوص، محبت اور ایثار — سیرتِ رسولؐ کا عکس ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبؐ کی محبت میں زندگی وقف کرنے والی ہستیوں میں ایسی مہک پیدا ہوتی ہے جو زمان کے تابع اور مکان پر محیط ہے۔ قرب و بعد سے دیوانے اس مہک کی جستجو میں جوق در جوق آتے ہیں اور اپنی مراد کے مطابق فیض یاب ہوتے ہیں۔

بعض افراد کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ خوش بو بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔

سید عبدالوہاب صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مغرب کے وقت نانا تاج الدینؒ کے پاس سے واپس آ رہا تھا کہ صدر دروازہ پر ایک صاحب ملے۔

انہوں نے پوچھا، آپ کہاں سے آ رہے ہیں۔

میں نے جواب دیا کہ میں بابا تاج الدینؒ کے پاس سے واپس آ رہا ہوں۔

اجنبی شخص نے دریافت کیا، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ بابا صاحبؒ کے پاس سے آ رہے ہیں۔ میں جواب نہ دے سکا۔

انہوں نے پوچھا، آپ بابا صاحبؒ کے پاس کیا کر رہے تھے؟ بتایا کہ میں ان کے پیر دبا رہا تھا۔

اجنبی نے مجھ سے میرے دونوں ہاتھ سونگھنے کو کہا تو میں حیران رہ گیا کہ میرے ہاتھوں سے مشک کی خوش بو آ رہی تھی۔ اس کے بعد اجنبی نے میرے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیئے ۔ ہر طرف مشک کی خوش بو پھیل گئی۔ میں نے بھی اپنے کپڑوں پر اچھی طرح ہاتھ ملے اور گھر آ گیا۔ گھر پہنچ کر بھی کپڑوں سے مشک کی خوش بو آتی رہی۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ صاحب کون تھے جن سے صدر دروازہ پر ملاقات ہوئی اور جن کی وجہ سے مجھے یہ خوش بو محسوس ہوئی۔ اس خوش بو کا عالم یہ تھا کہ طویل عرصہ تک کپڑوں سے خوش بو آتی رہی۔

عبدالوہاب صاحب، نانا تاج الدینؒ سے ملاقات کر کے آئے تھے۔ ملاقات گزر گئی مگر خوش بو باقی رہی اور اس وقت محسوس ہوئی جب کسی نے احساس دلایا۔ فرد متوجہ نہ ہو تو شے موجود ہو کر بھی غیر موجود ہے۔

خوش بو کا طویل عرصہ تک باقی رہنا کیا ہے ــــ؟

خوش بو پاکیزہ احساس ہے جو آئینہ سے میل کچیل ہٹا کر اسے صیقل کرتی ہے اور پھر اس آئینہ میں عکسِ دوست نظر آتا ہے۔ کائنات میں خوش بو کا مقام جنت ہے جس تک پہنچنے کا ذریعہ یاد الٰہی اور اس یاد میں فرماں برداری ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو خوش خبری سناتے ہوئے فرماتے ہیں،

''ان کو نفیس ترین سر بند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی۔ جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔'' (المطففین: ۲۵۔۲۶)

---

''ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔'' (الدھر: ۱۷)

---

''نیک لوگ شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی۔'' (الدھر: ۵)

زندگی لطیف روشنیوں سے مزین ہے لہٰذا لطیف احساسات سے دوچار کرنے والی ہر شے ہمیں پسند آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فطرت ہمیں لطافت کی جانب مائل کرتی ہے اور لطافت یہ ہے کہ ہم ذہن کو غیر کی محبت سے پاک رکھیں۔ تجربہ ہے کہ جب ذہن اللہ تعالیٰ سے ہٹتا ہے، آدمی پریشان ہو جاتا ہے، اصل کی طرف لوٹنے سے سکون اور یک سوئی محسوس ہوتی ہے۔

خوش بو غیر مادی شکل ہے اور نظر نہیں آتی لیکن محسوس ہوتی ہے۔ اطراف میں نگاہ دوڑائیں تو ہر وجود کے ساتھ مخصوص مہک ہے۔ پھل، سبزیاں اور پھولوں کی پہچان ان کی خوش بو ہے۔

شے روشنیوں کا مرقع ہے اور ہر شے سے ہمہ وقت روشنیاں خارج ہوتی ہیں۔ مادی سطح پر روشنیوں کی پہچان خوش بو سے ہوتی ہے۔ آنکھیں بند ہوں اور کوئی ناک کے قریب سیب لائے تو آپ دیکھے بغیر بتا دیں گے کہ یہ سیب ہے۔

ہر فرد کی مخصوص مہک ہے جو اس کی طرز فکر کے بارے میں بتاتی ہے۔ اچھے لوگوں سے خوش بو آتی ہے اور جن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے ان سے ــــ؟

بچہ سے خوش بو آتی ہے کیوں کہ اس کا ذہن صاف ہوتا ہے۔ عمر بڑھتی ہے اور خوش بو مغلوب ہو جاتی ہے کیوں کہ تربیت اس خوش بو کی مناسبت سے نہیں ہوئی جو خوش بو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ جس عالم سے بچہ اس دنیا میں آتا ہے وہ خوش بو کا عالم ہے۔

اس دنیا میں آنے سے قبل بچہ برزخ یا روشنیوں کی دنیا میں ہوتا ہے اور روشنی کے نزول سے مادی لباس

تخلیق ہوتا ہے۔ روشنیوں کی دنیا کی خوب صورتی یہ ہے کہ ذہن اللہ کی طرف متوجہ اور کسی حد تک محدودیت سے آزاد ہوتا ہے۔ بچہ میں موجود خوش بو — اپنے خالق سے قربت کا احساس ہے۔

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، ماں باپ اسے اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ یعنی تربیت رحمانی طرزوں کے مطابق نہ ہو تو بچہ کو ایسی پہچان دے دی جاتی ہے جو اس کی نہیں ہے اور اس پہچان میں ڈھل کر وہ اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے، اب خوش بو اس سے دور ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ ہم اس خوش بو کا تذکرہ نہیں کر رہے جو لگانے کے بعد اڑ جاتی ہے۔

طرز فکر مثبت ہونے سے لطافت بڑھتی ہے، لطافت میں اضافہ سے فرد درجہ بہ درجہ عالمین سے واقف ہوتا ہے۔ طرز فکر منفی ہو تو پھر وہ ناسوت کی گرد بن جاتا ہے۔

یوم ازل میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنا دیدار کرایا تو دیگر حواس کے ساتھ قوت شامہ بھی متحرک ہوئی۔ ہر حس میں تمام حواس موجود ہیں اور سب اپنی جگہ مکمل پہچان دیتے ہیں۔ بچہ میں سب سے پہلے سونگھنے کی حس بیدار ہوتی ہے اور وہ ماں کو خوش بو سے پہچانتا ہے۔

قوت شامہ کا ہماری یادوں اور لاشعور سے گہرا تعلق ہے۔ مخصوص مہک کئی سال پرانی یادوں کو تازہ کر دیتی ہے۔ نام سن کر اس مقام یا فرد کی خوش بو وجود میں غالب ہوتی ہے اور ہم ذہن کو لطیف محسوس کرتے ہیں۔

قوت شامہ کا نظام olfactory system کہلاتا ہے جو ناک کے اوپری حصہ میں پایا جاتا ہے۔ بو سانس کے ذریعے ناک میں داخل ہوتی ہے۔ ناک میں موجود چھوٹے بال ہوا کو چھان کر جراثیم اور گرد و غبار داخل نہیں ہونے دیتے۔ بو nasal cavity میں داخل ہونے کے بعد دماغ میں موجود olfactory bulb میں داخل ہوتی ہے۔ olfactory bulb بو کو شناخت کرتا ہے کیوں کہ بو کے مالیکیولز متعلقہ عصبی خلیہ میں تالے اور چابی کی طرح فٹ ہو جاتے ہیں۔ ہر عصبی خلیہ دماغ کو سگنلز بھیجتا ہے۔ یہ سگنلز دماغ میں بو کو خوش بو اور بد بو کے معنی پہناتے ہیں۔

دیگر حسیات سے زیادہ قوت شامہ دماغ کے اس حصہ سے مضبوطی سے وابستہ ہوتی ہے جہاں باہمی روابط اور جذبات کا عمل انجام پاتا ہے۔ olfactory بلب، اعصابی نظام میں تحریک پیدا کرنے کے لئے اہم ہے۔

عبادات اور مراقبوں کی محافل میں خوش بوؤں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ یہ ذہن پر سے بوجھ ہٹاتی ہیں اور یک سوئی میں معاون ہیں۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ اچھا دوست عطر کی دکان کی مانند ہے۔ پاس بیٹھنے سے اس کی خوش بو ہماری شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔ اس کے نیک اطوار ارادی و غیر ارادی طور پر منتقل ہوتے ہیں اور فرد اپنے دوست کی

زبان بولتا ہے۔ یہی صورت برے کردار کی ہے۔

دنیا میں باطنی خوش بو کی طرف توجہ کم اور ظاہری خوش بو کی طرف زیادہ ہے۔ ذہن میں کتنے ہی لطیف خیالات کیوں نہ ہوں، ہر آدمی اچھی خوش بو لگانا چاہتا ہے تاکہ دوسرے متاثر ہوں۔ دنیاوی خوش بو — دنیا کی طرح کچھ وقت کے بعد فضا میں تحلیل ہوجاتی ہے اور آدمی بھی مرنے کے بعد معین عرصہ میں پانی — اور پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے۔

روحانیت تغیر سے ذہن ہٹا کر حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ دنیا کی محبت، عالم ناسوت میں زندگی کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے۔ مگر خالق اور مخلوق کا رشتہ ہر جہاں میں قائم ہے۔ یہ قیام — اللہ کی اپنی مخلوق سے محبت ہے کہ وہ بے نیاز ہو کر رزق فراہم کرتا ہے۔

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ نے وسائل میں رہ کر زندگی گزاری ہے مگر انہوں نے اس دنیا کو ہمیشہ امتحان گاہ سمجھا اور اس قربت کے متمنی رہے جو جنت میں نصیب تھی۔ انہوں نے اللہ کو پالیا اور اس خوش بو کو بلاتفریق رنگ و نسل ہر ایک میں پھیلایا۔

پاک باطن ہستیوں کی حیات ہمیں سکھاتی ہے کہ اللہ کی محبت ایسی خوش بو ہے جو کبھی مدہم نہیں ہوتی — ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ فرد دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتا ہے لیکن مہک باقی رہتی ہے اور یہ مہک اس وجود کی موجودگی کا احساس دلاتی رہتی ہے۔

**یہ سب ہیں مگر یہ ہیں کہاں — ؟**

ہے ظرفِ مکاں ظرفِ زماں اے ساقی
ہر نقش ہوا میں ہے یہاں اے ساقی
یہ جام یہ شیشہ یہ قدح یہ مینا
یہ سب ہیں مگر یہ ہیں کہاں اے ساقی
(ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ)

محبّ اور محبوب میں دوئی ختم ہوجائے تو خوش بو، من تو شدم تو من شدی بن جاتی ہے کہ پھر کوئی نہیں کہتا کہ محبّ اور، محبوب اور ہے۔ ابدالِ حق ایک رباعی میں فرماتے ہیں،

خوشبوئے رخ دوست ہے پیرہن میں
خوشبوئے بدن ہے جیب اور دامن میں
ہے چار طرف سرو و سمن کی محفل
ہے حلقۂ گیسوئے سیہ گردن میں

''مرشد'' کی یاد میں ''مریدِ خاص'' نے ایک بار فرمایا، ''کبھی کبھی بابا صاحبؒ کے سینہ میں سے خوش بو کی لپٹیں اٹھتی تھیں اور یہ خوش بو مشک کی ہوتی تھی۔ جب ایسا ہوتا تو میں بابا صاحبؒ کے سینہ پر سر رکھ کر اس خوش بو کو سونگھتا تھا اور لمبے لمبے سانسوں سے میرے اوپر مستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔''

ہر یاد ایک خوش بو ہے۔ ابدالِ حق جس ہستی کی یاد میں محو تھے، مرشد عظیم اور شاگرد رشید کا ذہن ایک ہونے سے شاگرد بھی اس خوش بو سے مانوس ہوگیا۔

مریم حرا

# نابینا آنکھ کے تصورات

شروع کے دنوں میں میرا کشکول خالی ہوتا تھا اماں، اب آنے جانے والوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں اندھی ہوں اس لئے سب کچھ نہ کچھ ڈال دیتے ہیں۔اور تجھے معلوم ہے وہاں سے روزانہ گزرنے والے چند لوگ مجھے اندھی بھکارن پکارتے ہیں۔انہوں نے مجھے خیرات کے ساتھ نام بھی دے دیا ہے۔

---

اس کی آواز کتنی بھلی ہے نا خالہ؟ لگتا ہے سنہری وادیوں کے شفاف جھرنوں سے ٹکرا کر آ رہی ہے۔

جنت نے سوچا کہ یہ برفانی پہاڑیوں کے وسط میں شیش محل میں رہنے والے شہزادہ جیسا ہوگا۔وہ شہزادہ جو قوس قزح کے رنگوں سے بنا لباس پہنتا تھا۔اس کی گاڑی کے شیشے دھندلے ہوں گے جیسے پگھلتی ہوئی برف سے شہزادہ کے شیش محل کی دیواریں دھندلا جاتی تھیں۔پھر وہ دھندلے شیشہ کے پار دیکھتا اور مسکراتا۔ منظر کے پار ایسا کیا ہے جسے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوگا—؟

اتنے میں ایک دردمند نے فیاضی سے کشکول میں سکے ڈال کر کہا—ارے اماں اس جوان لڑکی کی آنکھیں نہیں ہیں کیا؟

خالہ نے کہا،نہیں پتر—جنت کی آنکھیں نہیں ہیں۔

خالہ تو نے مجھ سے کچھ کہا— خالہ نشاط کی آواز سن کر جنت خیالوں سے باہر آئی۔

دیکھ ذرا! دن ڈھلنے کو آ گیا ہے اور کشکول آدھے سے زیادہ خالی ہے۔خالہ جذباتی ہو کر بولی۔

خالہ کیسے دیکھوں،تو ہی تو کہتی ہے جنت کی آنکھیں نہیں ہیں۔جنت ہنستے ہوئے بولی۔

مت ماری گئی میری، تو دل نہ برا کر۔خالہ نشاط شرمندہ ہو گئیں۔چل اب اٹھ شام ہونے کو ہے تجھے تیری ماں کے پاس چھوڑ کر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔

دونوں نے کشکول اٹھائے اور گھر کی راہ لی۔

دور تک راہ گیر کے گیتوں کی آواز پیچھا کرتی رہی۔

نجو جھگی کے باہر کھڑی جنت کا انتظار کر رہی تھی۔اس نے نشاط کا شکریہ ادا کیا اور جنت کو لے کر اندر چلی گئی۔

---

دن تیزی سے گزر رہے تھے۔سردیوں کا موسم جاتے جاتے دھرتی کا نظام بہار کے سپرد کر گیا۔بہار—جس کے لبوں پر محبت کا ذکر جاری رہتا ہے، جو رنگوں میں مست رہتی اور ہنستی مسکراتی ہے۔کبھی کبھی وقت کی دیوار سے پرے چپکے سے خزاں کو دیکھتی ہے۔وہ موسیقی جس

کا آغاز بہار کرتی ہے، اس کی دھن کا اختتام خزاں پر ہوتا ہے۔ جب تک بہار اور خزاں پہلو بہ پہلو موجود نہ ہوں محبت مکمل نہیں ہوتی۔

جنت تجھے کوئی دشواری تو نہیں ہوتی نا اس سڑک پر؟ نجو بچوں کو کھانا دیتے ہوئے بولی۔

نہیں اماں اتنے دن ہو گئے جاتے ہوئے، اس راہ سے مانوس ہو گئی ہوں۔ جنت مسکراتے ہوئے بولی۔

جگو اور ننھی اپنے کشکول کا موازنہ کرنے لگے۔

ننھی میرے سکے زیادہ ہیں تو نے ہیر پھیر کیا ہے، یہ دس کا نوٹ میرے کشکول سے اٹھایا ہے۔ ننھی نے جگو کے بال نوچنے شروع کر دیے اور پھر ہاتھا پائی شروع ہوئی۔ نجو نے دونوں کو ڈانٹ کر جھگی سے باہر نکال دیا۔

اماں میرا کشکول چارپائی کے نیچے پڑا ہے اس کو خالی کر لے۔ جنت نے کھانا ختم کیا اور چارپائی پر لیٹ گئی۔

نشاط کہتی تھی وہاں لوگ اتنی بھیک نہیں دیتے مگر تیرا کشکول کافی بھرا ہوتا ہے۔ نجو سکے گنتے ہوئے بولی۔

شروع کے دنوں میں میرا کشکول خالی ہوتا تھا اماں، اب آنے جانے والوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں اندھی ہوں اس لئے سب کچھ نہ کچھ ڈال دیتے ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے وہاں سے روزانہ گزرنے والے چند لوگ مجھے اندھی بھکارن پکارتے ہیں۔ انہوں نے مجھے خیرات کے ساتھ نام بھی دے دیا ہے۔

نجو یک دم بھڑک اٹھی، وہ کون ہوتے ہیں تجھے نام دینے والے — اندھی بھکارن کہنے والے! دل پہ نہ لے میری بچی۔ قدرت کے سامنے ہم سب اندھے بھکاری ہیں۔ ہر فرد اپنی مجبوریوں، تمناؤں اور ضرورتوں کے آگے اندھا ہے۔ پیدا ہونے سے مرنے تک اس کا کشکول ہے کہ بھرنے کا نام نہیں لیتا۔

نجو کی باتیں ایک بار پھر جنت کی سمجھ سے باہر تھیں۔ جنت کو دھرتی کی زبان سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

---

خالہ اس راہ گیر کی آواز کتنی دل کش ہے۔ اس کے گیتوں میں خوش بو ہے، روشنی ہے، ہر شے اس کی آواز کے ساتھ رقص کرتی ہے۔ لگتا ہے یہ بھی جنت سے آیا مسافر ہے اور وہیں کے گیت لایا ہے۔

نہیں بیٹی، جنت کا گیت دھرتی والے نہیں سن سکتے۔ خالہ جنت کی باتوں پر مسکرا دی۔

خالہ جنت کہاں ہے —؟

آکاش کے پہلو میں مست پڑی ہے۔

اماں کہتی ہے کہ آدمی نے تمام تر من گھڑت کہانیوں کا حسن جنت سے چرایا ہے۔ خالہ اسے حسن پر غرور ہو گا تب ہی تو ہر دم آکاش کے دامن میں مست رہتی ہے۔

نہیں بیٹی جو جتنا مست ہے وہ اتنے بڑے غم سے گزرا ہے۔ غم سے گزرے بغیر مستی نصیب نہیں ہوتی۔ جنت نے اس دھرتی کے سارے بڑے غم دیکھے ہیں اسی لئے قدرت نے اس کا مقام بلند رکھا ہے۔ اب وہ غم سے بے غم ہے اسی لئے جنت کہلاتی ہے۔ ہمارے حصہ کی مستی ہمیں اس وقت نصیب ہو گی جب ہم غم سے

گزر جائیں گے۔ جنت نے بند آنکھوں سے خالہ کے چہرہ پر تازگی دیکھی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا،

خالہ دنیا میں سب سے بڑا غم کیا ہے؟

سب سے بڑا دکھ محبت کا ہے۔ یوں کہہ لے کہ دنیا میں ایک محبت ہی کا دکھ ہے۔ باقی سارے رنج اس کی شاخیں ہیں۔

خالہ محبت میں اتنا ہی درد ہوتا ہوگا جتنا اس راہ گیر کی بانسری کی لَے میں ہے۔ جنت دور سے آتی ہوئی بانسری کی آواز میں مست تھی۔

چل میری بٹی شام ہونے کو ہے۔ اب یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ جنت نے کشکول سے کچھ سکے نکالے اور خالہ کے کشکول میں ڈال دیئے۔ یہ جنت کا معمول تھا وہ اپنے کشکول کے کچھ سکے روز نکال کر خالہ نشاط کے کشکول میں ڈال دیتی اور پھر یہ ثابت ہوجاتا کہ آنکھیں نہ رکھنے والوں اور اندھوں میں بڑا فرق ہے۔

محبت اس دھرتی کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ محبت کیسی ہوتی ہے — ؟ جنت کے کانوں میں ہر دم راہ گیر کا گیت رس گھولتا اور وہ رس بھرے گیتوں میں سوچتی کہ محبت کیا ہے۔ اب وہ اماں کی کہانیوں سے گزر کر محبت کے جہان میں داخل ہوگئی تھی۔ آدمی تخیل کی سطح سے نکلتا ہے اور تصورات کے شکنجہ میں پھنس جاتا ہے، ایسے تصورات جن میں حقیقت نہیں۔

ایک روز اس نے خالہ سے کہا، خالہ تم محبت کو اس دھرتی کے جھگڑوں میں کیوں لا رہی ہو؟ محبت کا دکھ سے کیا کام اور اس کا سکھ سے کیا تعلق۔

نجو بولی، تو نہ جانے کس محبت کی بات کرتی ہے۔ کہانیوں کی دنیا میں نہ رہ بیٹی۔

راہ گیر کا گیت دھیرے دھیرے مدھم ہو رہا تھا۔ صبح دوپہر میں ڈھل گئی تھی۔ جنت کو شام کا انتظار تھا جب وہ گیت پھر سے فضا کو ٹھنڈک بخشے گا۔

محبت کی پہنچ اتنی ہے کہ ایک ملاقات سے اگلی ملاقات کا راستہ دکھاتی ہے۔ جنت اور خالہ نشاط دو مختلف دنیاؤں کی محبت کا ذکر کرتے اور دونوں اپنی محبت کے جہان کو اصل سمجھتے۔

اماں محبت کیسی ہوتی ہے — ؟ جنت نے نیند کے انتظار میں ماں سے سوال کیا۔

میری بچی رات کے اس پہر یہ سوال کیوں سوجھا؟

نجو کو حیرت ہوئی۔

اماں بتا تو۔ جنت نے اصرار کیا۔

محبت جیتے جی ایک دوسرے کے لئے مرنے کا نام ہے۔ کسی کی خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا، دوسروں کے دکھ میں رونے اور ان کی خوشی میں خوش ہونا ہے، ایک دوسرے کی مجبوریوں کو سمجھنا، خطاؤں کو نظر انداز کرنا اور قربانی دینا ہے۔

نجو نے جھگی سے باہر بادلوں میں چھپے آسمان کو دیکھتے ہوئے کہا، اماں تو خالہ نشاط جیسی باتیں کرتی ہے۔ وہ

بھی محبت کو اس دھرتی سے جوڑتی ہے۔

بیٹا محبت دھرتی کی ایک حقیقت ہے۔

کیسی حقیقت اماں ـــ وہ حقیقت جس سے بھاگنے کے لئے آدمی کہانیاں بناتا ہے۔ جنت کے چہرہ پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ یہاں تو سب بے معنی ہے۔

نجو نے کہا، ہاں میری بیٹی دنیا کے رنگ بے معنی ہیں مگر یہی رنگ روشنی کا پتہ دیتے ہیں۔

آسمان پر بادل گہرے ہو رہے تھے۔ جنت اٹھ چیزیں سمیٹ میرے ساتھ ورنہ بارش میں سب بہہ جائے گا۔ ماں بیٹی نے جھگی میں دھرا خزانہ تیزی سے سمیٹنا شروع کیا۔

اماں اور نشاط خالہ کو شاید محبت کا علم نہیں۔ جنت سامان سمیٹتے ہوئے سوچنے لگی۔ محبت کی مستی میں اسے موسم بدلنے کا احساس نہیں ہوا۔ بارش شروع ہوئی اور پھر طوفان میں بدل گئی۔ وہ سردی سے ٹھٹھر رہی تھی مگر راہ گیر کے تصور نے مسکراہٹ میں پھیکے پن کو ختم کر دیا تھا۔ نجو کی کہانیاں ایک ایک کر کے جھوٹی نکلیں مگر ان کہانیوں کے کردار ایک ایک کر کے پھر سچے ہو گئے۔ محبت کا کمال ہے کہ یہ کہانیوں کے کرداروں میں جان ڈال دیتی ہے۔

محبت نے جنت کو دیکھنا سکھا دیا تھا۔ وہ تصور میں بانسری سے نکلنے والی دھنوں کو دور تک دیکھ سکتی تھی۔ راہ گیر کے گیتوں میں ابھرتے قوس قزح کے ہر رنگ کو پہچانتی تھی۔ راہ گیر کی آنکھوں کی چمک نے اس کے وجود کو روشن کر دیا تھا۔ جب کبھی وہ اندھی بھکارن کے قریب سے گزرتا تو دل کی دھڑکن قدموں کی آہٹ سے ہم آہنگ ہو جاتی۔ ہر روز وہ آتا، اس کی آہٹ سے اندھی بھکارن کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور قدموں کی چاپ غائب ہوتے ہی بھکارن پھر اندھی ہو جاتی۔

اجڑی ہوئی سڑک سے انسیت جنت کو ہر شے سے بیگانہ کرتی جا رہی تھی۔ محبت کے احساس سے زندگی محفوظ معلوم ہونے لگی، پناہ کے لئے آسرا مل گیا تھا۔

جنت کشکول لیے سارا دن ہوا کے گرم جھونکوں کا استقبال کرتی۔ سوچا کہ محبت کا ظرف بہت وسیع ہے، سارے موسموں کا ایک جیسا استقبال کرتی ہے۔ وہ محبت کی خوشی میں ہر شے سے بے پروا کشکول کو بھرنے میں مگن رہتی۔

محبت کرنے والے اپنے کشکول کو آنسوؤں اور مسکراہٹوں سے بھرتے ہیں، ان کے کشکول میں خوش بو ہوتی ہے، گیت ہوتے ہیں، یادیں ہوتی ہیں اور ان کا کشکول بھر کر بھی خالی رہتا ہے۔

بیٹا بستی میں جان لیوا وبا پھیل گئی ہے۔ لوگ اب یہاں سے نکل رہے ہیں۔ نجو نے جنت کے بالوں میں تیل کی مالش کرتے ہوئے بتایا۔

ہم کہاں جائیں گے اماں۔ جنت جھٹ سے بولی۔

سب کہتے ہیں کہ یہ وبا ویسی تباہی پھیلائے گی جو چند سال پہلے ہوئی تھی جس میں تیرا باپ چلا گیا اور تیری

آنکھیں بھی۔ کچھ دنوں میں یہاں سے جانا ہے۔

مگر اماں ہم کہاں جائیں گے؟

کسی بھی بستی میں چلے جائیں گے۔ ہر اجڑی بستی ہماری بستی ہے۔ نجو انتہائی اطمینان سے بولی۔

محبت مکمل ہو چکی تھی شاید محبت کا اصول ہے۔ جب یہ مکمل ہو جائے تو راستہ بدل لیتی ہے۔ محبت خواب نہیں دیکھتی یہ تو خود زندگی کی حقیقتوں میں ایک خواب ہے۔ جنت نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا۔

اماں خزاں آنے کو ہے نا—؟

ہاں مگر تو رو کیوں رہی ہے—؟ نجو نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔ اماں کیا محبت کے گیت، اس کی روشنیاں اور خوش بو سمیٹی جا سکتی ہیں—؟ وجود کے کشکول کو تمام تمناؤں سے خالی کر کے صرف اور صرف محبت کی خیرات سے بھرا جا سکتا ہے—؟ کیا صرف اس ایک تصور سے بندھ کر زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کیا جا سکتا ہے—؟ جنت کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔

جنت مجھے یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ اتنی مشکل باتیں کیوں کرتی ہے—؟ نجو کے چہرہ پر اکتاہٹ تھی۔

جنت راہ گیر کے گیت پر آنسو بہاتے ہوئے سوچنے لگی کہ خزاں کی آمد محبت کی کہانی کا آخری باب ہوتا ہے۔ اس باب کے بعد تا عمر یہ کہانی ہر موسم، ہر رات کے ساتھ خود کو دہراتی ہے۔ نئی راتوں میں پرانی خوش بو رچی ہوتی ہے۔ نئے گیتوں میں پرانی لے شامل ہوتی ہے۔ نئے اجالوں میں پرانی روشنیوں کا عکس ہوتا ہے۔

اس روز خالہ نے کہا، جی چاہتا ہے کہ کسی روز اس سے پوچھوں تم کہاں سے آتے ہو، کہاں جاتے ہو اور نام کیا ہے۔ خالہ نے دور سے راہ گیر کو آتے دیکھا۔

چھوڑ خالہ — کسی کو جاننے سے رابطے کم زور ہو جاتے ہیں۔ جنت نے اداس مسکراہٹ سے کہا اور سوچا کہ محبت کیسی سادہ شے ہے، یہ کسی کا پتہ نہیں پوچھتی، وعدے بھی نہیں لیتی، قربت کے لئے تڑپتی ہے اور بچھڑنے سے بھی نہیں ڈرتی۔ یہ اداسی کے پیرہن میں ملبوس ہر موسم میں صرف آنسو بہاتی ہے اور عجیب بات ہے اس کو اپنے آنسوؤں کی وجہ خود معلوم نہیں۔ بہار کے جواں نغمے سنتے ہوئے روتی ہے اور خزاں کے زخمی گیتوں پر اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔

بیٹا کیوں رو رہی ہو—؟

خالہ ایک بات بتا، جنت کے آنسو شور مچاتے ہیں کہ خاموشی سے بہتے ہیں—؟ خالہ نشاط نے کہا، جنت کے آنسو خاموشی سے گرتے رہتے ہیں۔ جوں جوں آنسو گرتے ہیں وہ بلند تر ہوتی جاتی ہے۔

راہ گیر کا گیت فضاؤں میں گونج رہا تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ جنت نے آنسوؤں سمیت تمام منظر تصور میں محفوظ کر لیے اور گھر کی طرف چل دی۔ نئی بستی — نئے لوگ — نئے دکھ — نئے سکھ — اور پرانے خواب!

(آخری قسط)

عبدالخالق

# دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو

روحانی نقطۂ نظر سے جب کوئی بچہ بطن مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال کی عمر گزارنے کے لئے روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے جس کو وہ اپنی نادانی، جھوٹے وقار اور خودنمائی کے اعمال سے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی عمر بن جاتی ہے۔

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

زندگی کیا ہے — ؟ اللہ کا چاہنا ہے۔ اللہ کی چاہت سے تجلی نور اور روشنی میں منتقل ہونے سے مادی جسم بنتا ہے تو اظہار ننھے وجود میں سانس کی آمد و شد سے ہوتا ہے۔ زمین پر موجود تمام مخلوقات کی زندگی کا دارومدار سانس پر ہے۔

عمر کا تعین دن، مہینوں اور سالوں سے کیا جاتا ہے۔ آدمی کی اوسط عمر ہر دور اور ہر خطہ زمین پر مختلف ہے۔ پہلے وقتوں میں لوگ ہزاروں سال جیتے تھے جو موجودہ دور میں گھٹ کر سو سے کم ہوگئی ہے۔

پاکستان میں اب اوسط عمر 66 سال ہے۔ جب کہ جاپان میں 84 سال تک ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو مختلف عمر (دن، مہینے اور سال) دے کر زمین پر بھیجا ہے — ؟

حامل علم لدنی حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''عمر کا تعلق سانس سے ہے اور سانس کا تعلق صحت سے ہے۔ صحت کا تعلق اچھی غذا، قلبی کارکردگی اور ذہنی سکون سے ہے۔''

آیئے غور و فکر کرتے ہیں کہ

- سانس اور عمل تنفس کا میکانزم کیا ہے؟
- صحت سانس پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟
- اور سانس کا عمر کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

مادی علوم کے مطابق پھیپھڑوں کے پھیلنے اور سکڑنے کے عمل میں آکسیجن کا جسم میں داخل (inhale) ہونا اور خلیات میں کیمیائی عمل کے نتیجہ میں بننے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کے جسم سے خارج (exhale) ہونے کو عمل تنفس (respiration) کہا جاتا ہے۔ سانس کیا ہے اور پھیپھڑوں کی حرکت کا سبب کیا ہے؟

مادی علوم جواب دینے سے قاصر ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے جوڑے جوڑے تخلیق کی ہے، اس قانون کے مطابق عمل تنفس کے دو رخ ہیں۔

۱۔ سانس کا اندر جانا (inhale)

۲۔ سانس کا خارج ہونا (exhale)

سانس اندر لینا صعودی حرکت ہے جس میں فرد لاشعور کے قریب ہوتا ہے جب کہ سانس باہر لینا نزولی حرکت ہے جس میں کشش ثقل کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ سانس کا اتار چڑھاؤ مادی جسم سے منسلک ہے یعنی اتار چڑھاؤ سانس کا مادی رخ ہے۔

سانس کا باطنی رخ یہ ہے کہ فرد کی ذات میں جو روشنیاں کام کر رہی ہیں وہ حرکت پر قائم ہیں، روشنی کی لہر ہمیشہ دائرہ میں گھومتی ہوئی سفر کرتی ہے، اور دائرہ (circle) دو حصوں (halves) پر مشتمل ہوتا ہے۔ سائنسی زبان میں روشنی sinusoidal wave form میں حرکت کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ حرکت کا آدھا چکر (+ve half cycle) کشش کہلاتا ہے، جس میں فرد اپنی بساط کی طرف کھنچ رہا ہے، جب کہ حرکت کا دوسرا آدھا چکر (-ve half cycle) گریز کہلاتا ہے، جس میں فرد زندہ رہنے کے لئے روشنیاں اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ کشش صعودی رخ ہے جب کہ گریز نزولی رخ ہے۔ روح کی یہ روشنیاں جب پھیپھڑوں کو انرجی فراہم کرتی ہیں تو پھیپھڑے پھیلتے اور سکڑتے ہیں۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''انسان کا سانس، شعور اور لاشعور کے بیچ میں گھومتا رہتا ہے۔ وہ اس طرح گھومتا ہے کہ شعور میں جاگتا ہے اور لاشعور میں جاگتا نہیں ہے۔ لاشعور کو جو علم حاصل ہے وہ شعور کو حاصل نہیں ہوتا۔ شعور اور لاشعور دونوں مسلسل ہیں۔ سانس ہمیشہ دائرہ کی شکل میں چلتا ہے سانس کا دائرہ لاشعور میں پورا ہوتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ دائرہ ٹوٹ جائے تو انسان مر جاتا ہے۔''

(قدرت کی اسپیس)

ارشاد گرامی پر تفکر سے سانس کی تعریف یہ بنی:

''سانس جسم میں روشنی کی لہریں ہیں جو حرکت پر قائم ہیں۔ حرکت کے صعودی رخ یا کشش میں آدمی کا تعلق روح سے مضبوط ہوتا ہے جب کہ نزولی رخ یعنی گریز میں سانس آدمی کا رشتہ مادی جسم سے قائم کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر سانس کی لہریں شعور اور لاشعور کے درمیان گھومتی رہتی ہیں۔ مادی طور پر روشنی کی یہ لہریں دماغی خلیات اور نروس سسٹم کے ذریعے پھیپھڑوں کو برقی رو (electric impulse) فراہم کرتی ہیں۔ روشنی جب کشش کی طرف ہو تو حرکت سے پھیپھڑے پھیلتے ہیں، ہوا اندر داخل ہوتی ہے۔ روشنی گریز میں ہو تو پھیپھڑے سکڑتے ہیں اور سانس جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ باطن سے ظاہر میں روشنیوں کا یہ عمل، عمل تنفس کہلاتا ہے اور روشنیوں

میں تعطل موت ہے۔''

سانس کے لئے عربی میں ''نفس'' کا لفظ ہے۔ یہ مادہ (rootword) وسیع المعانی اصطلاح کے طور پر شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے مجموعہ کے لئے بولا جاتا ہے۔

- نفس سے مراد وہ توانائی جس سے اشیا میں امتیاز کی صلاحیت (شعور اور احساس کی قوت) پیدا ہوتی ہے۔ عقل، علم اور قلب کے معنوں میں آتا ہے۔
- خون کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے نفاس۔
- نفس سانس کو بھی کہتے ہیں اس کی جمع انفاس ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہلکی اور نرم ہوا کے نکلنے کے ہیں۔ تنفس سانس لینے کے عمل کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال مادی جسم کے لئے ہوا ہے۔
- انسانی ذات اور خود کے لئے انفس کا لفظ استعمال ہوا ہے، یعنی شخصیت، خودی اور روح کی توانائی کے لئے بھی نفس کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ نفس جان کو بھی کہتے ہیں۔

روحانیت میں روح کے تین مدارج ہیں۔

۱۔ روح اعظم

۲۔ روح انسانی

۳۔ روح حیوانی

ان تینوں کے مجموعہ سے انسان بنتا ہے۔ ہر نفس کا اپنا دائرہ عمل اور خصوصیات ہیں۔

زمین پر زندگی کا دارومدار سانس کی لہروں پر ہے یعنی سانس وہ ڈور ہے جس کے ذریعے روح سے توانائی کی مقداریں مادی جسم کو فراہم ہوتی ہیں۔ مادی جسم میں توانائی کے خرچ ہونے کا انحصار سانس کی رفتار پر ہے۔

تصور عام ہے کہ جتنے زیادہ سانس لئے جاتے ہیں، پھیپھڑوں میں اتنی زیادہ آکسیجن جذب ہوتی اور دیگر اعضا کو فراہم ہوتی ہے۔

تحقیق سے ثابت ہے کہ زیادہ سانس لینا مرض ہے جسے hyperventilation کہتے ہیں۔ چار صحت مند آدمیوں کی خوراک اکیلا کھانے والا بدہضمی کا شکار کیوں نہ ہوگا—؟ اگر فی منٹ سانس کی تعداد اعتدال سے زیادہ ہو جائے تو آدمی معین مقداروں سے زیادہ توانائی کی مقداریں خرچ کرتا ہے۔ نتیجہ میں کم زوری اور عمر میں کمی واقع ہوتی ہے۔

ہر جان دار اور بے جان (جو بے جان نہیں ہیں) سمجھی جانے والی مخلوق سانس لیتی ہے لیکن ان کے سانس لینے کی رفتار میں فرق ہے، اسی مناسبت سے عمریں مختلف ہیں۔

مثلاً دیو قامت کچھوے ایک منٹ میں چار سانس لیتے ہیں، ان کی اوسط عمر 150 سال ہوتی ہے۔ وہیل مچھلی کے سانس کا دورانیہ طویل ہے اور اس کی عمر 80 تا 110 سال ہوتی ہے۔ زمین چوبیس گھنٹے میں ایک سانس مکمل کرتی ہے۔ پہاڑ کے سانس کا دورانیہ 15 منٹ ہے۔ آدمی کے سانس کا دورانیہ حتمی نہیں ہے لیکن عام آدمی 15 تا 20 سانس فی منٹ لیتا ہے اور مخصوص

حالتوں میں سانس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

انسان نیابت کا امین ہے لہٰذا اسے صلاحیت عطا کی گئی ہے کہ وہ سانس کا دورانیہ بڑھا کر زندگی کی مقداروں کو سینکڑوں سال تک پھیلا سکتا ہے۔ یوگی صاحبان کے جس دم یا سانس روکنے کے واقعات مشہور ہیں کہ وہ کئی گھنٹے سانس لیے بغیر گزار لیتے ہیں۔ ان کی طویل عمری یعنی 200 تا 300 سال کا سبب گیان، دھیان اور سانس کی مشقوں کو قرار دیا جاتا ہے۔

پیغمبر حضرت عزیرؑ کے واقعہ میں سانس کے قانون کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

''وقت کا تعلق حرکت سے ہے اگر شے کی حرکت کو اس کی موجودہ حرکت سے سو گنا کم کر دیا جائے تو اس حرکت کی نسبت سے ٹائم گزرنے کی رفتار سو گنا کم ہو جائے گی۔ مثلاً ہم ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لیتے ہیں، اگر ایک منٹ میں ایک سانس لیا جائے تو اٹھارہ سانس لینے کے لئے اٹھارہ منٹ درکار ہوں گے لہٰذا ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لینے میں وقت اٹھارہ گنا کم ہو جائے گا۔ حضرت عزیرؑ نے ایک سو سال میں اندازاً اتنے سانس لیے جتنے ایک دن میں لیے جاتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کتنا عرصہ سوئے تو انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے کم۔

مثال: ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں چوبیس گھنٹوں میں ایک آدمی چوبیس ہزار نو سو بیس سانسیں لیتا ہے۔ اس حساب سے اس نے سو سال سونے میں تقریباً ایک ارب سانس لیے۔ یعنی ٹائم کی رفتار ایک ارب گنا زیادہ ہوگئی۔ اس طرح کھانے کے مالیکیولز کی حرکت بھی اتنی کم ہوگئی کہ وقت ٹھہر گیا اور کھانا خراب نہیں ہوا۔ رہا گدھے کا معاملہ تو اس کے لئے وقت ایسے ہی گزرا جیسا کہ اور چیزوں کے لئے گزرتا ہے اور وہ سو سال میں مرکھپ کر ہڈیوں کا ڈھانچا رہ گیا۔''

(محمد رسول اللہؐ۔ جلد سوئم)

اللہ نے ہر عورت و مرد کو زندگی گزارنے کے لئے ایک جیسی توانائی کی مقداریں فراہم کی ہیں۔ اس قانون سے کوئی بھی بالاتر نہیں ہے۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

''روحانی نقطۂ نظر سے جب کوئی بچہ بطن مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال کی عمر گزارنے کے لئے روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنی نادانی، جھوٹے وقار اور خود نمائی کے اعمال سے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی عمر بن جاتی ہے۔ یعنی پانچ ہزار سال زندہ رہنے والا آدمی اپنی عمر کا اسراف بے جا کر کے پچاس یا ساٹھ سال میں اسے ختم کر دیتا ہے۔''

(آواز دوست)

بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ توانائی کی مقداروں کو اعتدال سے استعمال کر کے لمبی عمر جینا یا بلا ضرورت ضائع کر لینا ہر فرد کا ارادہ و اختیار ہے۔

اضافی تنفس کی وجوہات کیا ہیں—؟

صحت کا انحصار سکون، خوراک اور طرز فکر پر ہے۔

آدمی خوراک اس لئے کھاتا ہے کہ صحت کے لئے ضروری توانائی فراہم ہوتی رہے۔ مادی جسم کی میکانکی حرکت کے لئے خوراک توانائی کا ذریعہ ہے مگر خوراک کو جزو بدن بنا کر توانائی حاصل کرنے کے لئے مادی جسم روح کا محتاج ہے۔ جسمانی نظام کو صحیح طرح چلانے کے لئے توانائی کی تقسیم اس طرح ہے۔

کل توانائی کا 75 فی صد دماغ اور 25 فی صد جسم کے لئے استعمال ہونا چاہئے۔ ذہن اور دماغ کی کارکردگی کا تعلق سوچ اور مقصد حیات سے ہے۔

مقصد سے غافل آدمی کی توجہ مادی تقاضوں تک محدود رہتی ہے۔ بسیار خوری، ثقیل اور مرغن غذاؤں کے استعمال سے جسمانی نظام معمول سے زائد کام کرتا ہے۔ یعنی 25 فی صد اضافی توانائی درکار ہوتی ہے جو سانس کی رفتار کو معمول سے بڑھا کر حاصل کی جاتی ہے۔ نتیجہ میں دماغ کو درکار توانائی کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔

ثقیل غذائیں کھانے کے بعد نیند آتی ہے۔ نظام ہضم کو درکار اضافی توانائی کے لئے جب شعور کے پاس ذخائر کم ہوئے تو لاشعور نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شعور پر نیند طاری کر دی۔ دوران نیند سانس گہرا ہوتا ہے مگر ثقیل غذائیں کھانے کی وجہ سے ساری توانائی خوراک ہضم ہونے میں استعمال ہو جاتی ہے۔ بتایئے آدمی نے غذا کھائی یا خوراک نے آدمی کو کھایا—؟ زیادہ خوراک عمر میں کمی ہے۔

بسیار خوری اور گوشت خوری کے ساتھ چائے اور کافی کا زیادہ استعمال، ورزش میں کمی، ناک کی بجائے منہ سے سانس لینا، کثرت سے سونا، تمباکو اور شراب نوشی، ادویات کا زیادہ استعمال ایسے عوامل ہیں جو اضافی تنفس (HV) کا سبب بنتے ہیں۔

بیداری ہو یا نیند ہر حالت میں خیالات کی روگزرتی ہے۔ یہ آدمی کا اختیار ہے کہ وہ کس خیال پر توجہ مرکوز کر کے اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ تعمیری خیال اور غور و فکر سے ذہن صعود کرتا ہے جس سے سانس گہرا اور آہستہ چلتا ہے جب کہ تخریبی یا منفی خیال سے آدمی کی توجہ اندر کے بجائے باہر زیادہ رہتی ہے اور نتیجہ اضافی تنفس ہے۔ تعمیری کام کرنے والے آدمی بہت کم ہیں۔ تعمیر اور تخریب کیا ہے—؟

مثلاً ایک آدمی بے کار بیٹھا ہے، اس کے ذہن میں خیالات آنا شروع ہوتے ہیں کہ فلاں نے مجھ پر جادو کر دیا، فلاں میرا دشمن ہے، وہ میرے خلاف سازشیں کرتا ہے، فلاں نے مجھ سے کھانے کا نہیں پوچھا، میرا خیال نہیں رکھا، وغیرہ۔ اس قسم کے منفی خیالات کی یلغار جس میں دماغی کمپیوٹر خواہ مخواہ مصروف رہتا ہے تناؤ کہلاتی ہے۔ یہ اِس دور کی اُم الامراض ہے۔ اپنی توانائی اس نے شبہات میں خرچ کر دی اور بیمار ہو گیا

یعنی مزید ضیاع کے راستے کھل گئے۔

سانس صرف جسمانی خلیات کو آکسیجن کی فراہمی کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ لاشعور کی طرف جانے والی موٹروے بھی ہے۔ سانس کی رفتار کا تعلق ذہنی توجہ اور دل چسپیوں پر ہے۔ ذہنی یک سوئی کے دوران سانس کی رفتار اتنی آہستہ ہوتی ہے کہ لاشعوری حواس متحرک ہوجاتے ہیں۔

بچہ جب روحانی عالمین سے عالم ناسوت میں آتا ہے تو اس پر روحانی شعور کا غلبہ ہوتا ہے۔ مشاہدہ ہم بچہ کے سانس کے اتار چڑھاؤ سے کر سکتے ہیں۔ پیدائش کے بعد پانچ سال تک بچہ کی سانس کا مطالعہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ سانس اتنا گہرا اور طویل ہوتا ہے کہ پیٹ کے عضلات حرکت کرتے ہیں۔ یہ بچہ کے ذہن پر لاشعوری زندگی کے غلبہ کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص بچوں سے پیار کرتا ہے اور سینہ سے لگاتا ہے تو سکون کی لہریں داخل ہوتی ہیں اور فرد پریشانیاں بھول جاتا ہے۔ اس وقت خود اس کا سانس گہرا ہوجاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں،

''آدمی کو سانس اس قدر آہستگی سے لینے چاہئیں کہ اسے خود بھی اس کی آواز نہ آئے۔''

سانس یا نفس کا علم آدمی کو خود شناسی کے مرحلہ سے گزار کر رب شناسی کا علم عطا کرتا ہے۔ مرید اپنے مراد کی جانب سے دی گئی ہدایات پر یقین اور عجز وانکساری کے ساتھ عمل سے تزکیۂ نفس کے مراحل طے کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس مسلسل تربیت ہے جس میں مرید اپنے اندر خامیوں اور کم زوریوں پر قابو پاکر رحمانی طرز فکر اختیار کرتا ہے۔ ابدالِ حق کی رباعی میں اس تربیت کا پورا میکانزم ہے۔

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

مکتب میں ایک لڑکے کو چوری کی عادت تھی مگر استاد ہمیشہ سب کے سامنے ڈانٹنے کے بجائے تنہائی میں سمجھاتے۔ دیگر لڑکوں کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ لڑکے نے اصلاح کی کوشش کی البتہ عادت پختہ ہونے کی وجہ سے اکثر چوری کر بیٹھتا۔ ایک روز مکتب میں سے کوئی شے غائب ہوگئی، سب کا شبہ درست ثابت ہوا۔ اس بار تمام لڑکوں نے استاد سے کہا، آج یہ معاملہ حل کریں، اس لڑکے کو یا پھر ہمیں مکتب سے نکال دیں۔ استاد نے کہا، تم لوگ صحیح اور غلط میں تمیز جانتے ہو، تمہیں کہیں اور داخلہ مل جائے گا لیکن اسے صحیح اور غلط کی پہچان نہیں، اس لئے کوئی داخلہ نہیں دے گا۔ پھر اسے کیسے اکیلا چھوڑ دوں؟ تم میں سے جو جانا چاہے، جاسکتا ہے۔ جس لڑکے نے چوری کی تھی، یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ استاد کے قدموں میں جھک گیا۔

محمد علی ضیا

# رنگ اور پرزم

باغ میں رنگوں کی بہار سے ایک فرد لطف اندوز ہوتا ہے جب کہ کلر بلائنڈ شخص کو باغ مختلف رنگ میں نظر آتا ہے۔ ایسے میں سوال یہ ہے کہ کیا رنگ پھولوں میں ہیں یا ذہن معنی پہنا رہا ہے ــــ؟

دسویں جماعت میں سائنس کے طالب علموں کو پرزم کے ذریعے روشنی کے انعکاس کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پرزم شیشہ ہے۔ جب روشنی لطیف واسطہ (ہوا) سے کثیف واسطہ (شیشہ کے پرزم) میں داخل ہوتی ہے تو اس کی رفتار اور زاویہ تبدیل ہوجاتا ہے۔ نتیجہ میں روشنی سات رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

کسی فرد کو ایسے زاویہ پر کھڑا کردیا جائے کہ روشنی اور پرزم دونوں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوں تو وہ کہے گا کہ یہاں سات رنگوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اب اس شخص کو ایسے مقام پر کھڑا کردیں جہاں روشنی، پرزم اور رنگ اس کے مشاہدہ میں ہوں تو حقیقت منکشف ہوگی کہ رنگوں کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ جب تک پرزم موجود ہے، رنگوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ رنگوں کے مظاہرہ کے لئے پرزم کی حیثیت میڈیم کی ہے۔ جوں ہی پرزم کو درمیان سے ہٹائیں، مظاہرہ رک جائے گا۔

یعنی جو رنگ ہم نے دیکھے، وہ کیئر آف پرزم دیکھے۔

غور طلب ہے کہ پرزم کی وجہ سے روشنی اور رنگ میں تفریق ہوتی ہے۔ پرزم ایسا میڈیم ہے جس کے ایک طرف روشنی اور بالمقابل رنگ ہیں۔ یہ نہ ہو تو روشنی اور رنگ دونوں ایک ہیں۔ پرزم کی وجہ سے روشنی تقسیم ہوکر مختلف طول موج (wave length) کے حامل رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رنگ حقیقت نہیں، پرزم کی تشریح ہیں اور رنگوں کی بنیاد روشنی ہے۔ من وعن یہ صورت کائنات کی ہے۔ جس طرح روشنی پرزم کی وجہ سے سات رنگوں میں نظر آتی ہے، کائنات میں موجود اشیا کا اسی طرح مظاہرہ ہوتا ہے۔ تخلیق کا قانون یہ ہے:

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں میں تخلیق کیا اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ :۳-۱)

آیت میں تخلیق کے تین مراحل بیان ہیں۔

۱۔ فسوّیٰ '' یعنی مساوی تخلیق ۔ ہر شے کی اصل ایک (نور) ہے۔

۲۔ ''قدّر'' جس میں مخلوقات کی مقداریں مقرر ہوئیں۔ کائنات اور افراد کائنات وجود میں آئے، بنیاد نور ہے۔

۳۔ ''فھدیٰ'' اس مرحلہ پر مخلوقات کو ہدایت عطا ہوئی یعنی زندگی گزارنے کی طرزیں منتقل ہوئیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر کائنات اور اس میں اشیا کی بنیاد ایک ہے تو پھر شے الگ الگ کیوں نظر آتی ہے؟

مثال سے سمجھتے ہیں۔ کمہار مٹی سے بے شمار چیزیں بناتا ہے اور ہم ان اشیا کو مختلف ناموں سے جانتے ہیں۔ مثلاً برتن، ہنڈیا، صراحی، پیالا، گل دان وغیرہ۔ سب کی بنیاد مٹی ہے مگر عارضی طور پر مظاہرہ مختلف اشکال میں ہے۔ جوں ہی برتن ٹوٹتے ہیں، مٹی — مٹی میں مل جاتی ہے۔ یہی مثال سونے کی ہے جس سے متعدد اشیا مثلاً لاکٹ، انگوٹھی اور جھومر وغیرہ بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بنیاد نور کو قرار دیا ہے۔

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔'' (النور:۳۵)

آسمانوں اور زمین سے مراد آسمان اور زمین، اور ان میں مخلوقات ہیں۔ کائنات کی بنیاد نور ہے۔

جس طرح پرزم کے ایک طرف روشنی اور دوسری طرف رنگ ہیں، اسی طرح جس عالم میں ہم زندگی گزارتے ہیں وہ ایک طرف روشنی، رنگ اور مادہ ہے اور دوسری طرف ان کی اصل نور ہے۔ درمیان میں ایک چھلنی یا پردہ ہے جو نور کو ڈائی مینشن دے کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

سمجھنے کے لئے پردہ کو ذہن کہہ سکتے ہیں۔ یہ پردہ تشریح کر کے ہمیں دکھاتا ہے۔ جس طرح روشنی اپنی صفات میں رنگوں سے مختلف ہے، اسی طرح نور کی بھی صفات ہیں۔ ایک مثال سمتیں ہیں جنہیں ہم مشرق، مغرب، شمال، جنوب، اوپر، نیچے، آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں کہتے ہیں۔

سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ نور کی ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں کہ ''لاشرقیہ ولاغربیہ'' یعنی نور میں سمتوں کی نفی ہوگئی۔ البتہ جس دنیا سے ہم واقف ہیں وہاں ہر طرف سمتیں ہیں۔ جب نور میں سمتیں مغلوب ہیں تو کیا یہ ذہن ہے جو ہمیں سمتیں دکھاتا ہے؟

سادہ کاغذ پر کیوب بنائیں۔ کیوب میں لمبائی، چوڑائی، گہرائی اور اونچائی نظر آتی ہے۔ لیکن کیا درحقیقت ایسا ہے —؟ کیوں کہ کیوب جس کاغذ پر بنایا گیا ہے اس کی سطح سپاٹ ہے اور اس میں گہرائی نہیں ہے۔

تھری ڈی فلم کی مثال سامنے ہے جس کے ہر منظر میں ڈائی مینشن اور گہرائی نمایاں ہوتی ہے۔ اصل میں یہ ڈائی مینشن فلم میں نہیں، اس چشمہ کی وجہ سے نظر آتی ہے جو دیکھنے والے نے آنکھوں پر لگایا ہے کیوں کہ جس اسکرین یا دیوار پر فلم کا مظاہرہ ہو رہا ہے وہ سپاٹ ہے۔ جوں ہی چشمہ اتاریں، دیوار سپاٹ نظر آتی ہے۔

جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، پردہ یا ذہن کی وساطت سے

دیکھتے ہیں۔فرد ذہن کی وجہ سے سمتوں اور ڈائی مینشن یعنی اشیا کی لمبائی ، چوڑائی اور موٹائی وغیرہ کو محسوس کرنے کے ساتھ ان سے متاثر ہوتا ہے۔

ہم پڑھ چکے ہیں کہ دیکھنے کی دو طرزیں ہیں۔ایک حقیقت پر مبنی ہے یعنی براہ راست اور دوسری طرز فکشن ہے کیوں کہ وہ پردہ یا ذہن کے دیکھنے کو دیکھ رہی ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حقیقی اور فکشن دونوں زاویہ نگاہ کا بیان ہے۔

''تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ جمے ہوئے ہیں، یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔یہ اللہ کی قدرت ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔ وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔'' (النمل: ۸۸)

قرآن کریم کے مطابق پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ذہن انہیں جما ہوا دیکھتا ہے۔یعنی ذہن نور کو ٹھوس دکھا رہا ہے۔فکشن کی تعریف یہ ہے کہ اس میں ہر لمحہ اور ہر آن تغیر واقع ہوتا ہے۔

دنیا میں کوئی شے مستقل نہیں، مسلسل تغیر سے گزرتی ہے۔ہر شے ایک ارتعاش (وائبریشن) ہے اور ارتعاش مختلف طول موج کا مجموعہ ہے۔

دنیا رنگوں کا کھیل اور مایا جال ہے۔فرد ساری زندگی اس کھیل کا حصہ بنا رہتا ہے اور اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ کھیل کو حقیقت سمجھ لیتا ہے۔پھر فکشن اور حقیقت میں تفریق نہیں ہوتی۔

حواس بے شمار ہیں لیکن ہم اس دنیا سے پانچ حواس کے ذریعے واقف ہیں۔حس ذائقہ ختم ہو جائے تو انواع و اقسام کے لذیذ کھانے ذائقہ ہونے کے باوجود بے ذائقہ ہیں۔آنکھ میں retina متاثر ہو جائے تو کائنات کے حسین نظارے کیا ہوئے ــــ؟

کلر بلائنڈ ہونا موروثی مرض ہے جو والدین سے بچوں کو منتقل ہوتا ہے۔اس مرض میں مبتلا فرد سرخ، زرد، سبز اور نیلے رنگوں میں فرق نہیں کر سکتا۔یہ مرض مہلک نہیں لیکن ایسے فرد کے لئے دنیا بلیک اینڈ وائٹ ٹیلی وژن کی مانند ہو جاتی ہے۔

فرد باغ میں گلاب، ہری بھری گھاس، سرسبز درختوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے جب کہ کلر بلائنڈ شخص کو پھول، ہریالی اور سرسبز درختوں کا رنگ مختلف نظر آتا ہے۔ایسے میں سوال یہ ہے کہ کیا رنگ پھولوں میں ہیں یا ذہن انہیں معنی پہنا کر دکھاتا ہے؟ اسی طرح حس سماعت متاثر ہو جائے تو موسیقی ، آوازیں اور ساز ہمارے لئے بے معنی ہیں۔

بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس دنیا کی موجودگی محض حواس اور ذہن کی تشریح ہے کیوں کہ ہر فرد دنیا کو الگ دیکھتا ہے۔دنیا حقیقت میں کیا ہے، اکثریت لاعلم ہے۔ بالفاظ دیگر حقیقت روشن نہ ہو تو دنیا سے متعلق تجربات و احساسات محدود ہیں۔

یہ تغیرات کی دنیا ہے۔اوپر نیچے،اونچا نیچا، چھوٹا بڑا،خوش گوار ناخوش گوار، خوش بو بدبو، خوشی غم، درد راحت،خوب صورتی بدصورتی،سب معنی پہنانا ہے۔

دس منزلہ عمارت کا موازنہ بیس منزلہ عمارت سے کیا جائے تو دس منزلہ عمارت چھوٹی لگتی ہے۔ بیس منزلہ عمارت کا موازنہ سومنزلہ عمارت سے ہوتو اب کوئی بیس منزل عمارت کو بڑا نہیں کہے گا۔

ایک شے کسی ایک فرد کے لئے اچھی ہے، وہی دوسرے فرد کے لئے بری ہے۔ بارش اللہ کی نعمت ہے مگر فصلیں تیار ہوں یا گھر کی چھت ڈالی جائے تو فرد بارش نہ ہونے کی دعا کرتا ہے۔

حقیقت میں دورخ نہیں ہیں۔حقیقت نہ چھوٹی ہے نہ بڑی، گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے اور نہ تبدیل ہوتی ہے۔

''اللہ کی سنت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے'' (فاطر:۴۳)

خوشی میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا مگر مصیبت کا ہر لمحہ طویل محسوس ہوتا ہے۔ اسٹاپ پر بس کے انتظار میں کھڑے فرد کو پانچ منٹ پچاس منٹ لگتے ہیں۔ یہ معنی پہنانا ہے اور اہل روحانیت معنی پہنانے کو الوژن (نظر کا دھوکا) کہتے ہیں۔

صحت مند فرد کے لئے نیم کی پتیاں کڑوی ہوتی ہیں۔ کوبرا سانپ کاٹ لے تو یہی پتے میٹھے لگتے ہیں۔ میٹھا یا کڑوا پن نیم میں نہیں بلکہ انہیں استعمال کرنے والے کے ذہن کی پیداوار ہے۔

ذہن شے کو رنگ و روپ، ذائقہ اور دیگر خواص کا لبادہ پہناتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مٹھاس شکر میں نہیں، اس ذہن میں ہے جو اسے مٹھاس کے معنی دیتا ہے۔ کھانا لذیذ نہیں، ذہن لذت یا بدمزہ ہونے کے معنی پہناتا ہے۔ آدمی کم زور یا طاقت ور نہیں ہوتا، ذہن آدمی کو کم زور یا طاقت ور بناتا ہے۔

دو بھائی گاؤں سے کچھ فاصلہ پر کنوئیں سے پانی بھرنے گئے۔ بڑے بھائی کی عمر چودہ سال، چھوٹا نو سال کا تھا۔ بڑا بھائی ڈول کھینچنے کے لئے جھکا اور پیر پھسلنے کی وجہ سے کنوئیں میں جا گرا۔ چھوٹے بھائی نے ڈول کی رسی کھینچی اور بڑے بھائی کو کنوئیں سے نکال لیا۔ دونوں گاؤں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو گاؤں والوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ کس طرح نو سال کا بچہ جسامت میں اپنے سے بڑے بھائی کو کنوئیں سے نکال سکتا ہے۔ بحث ہو رہی تھی کہ گاؤں کے ایک بزرگ وہاں پہنچے اور لوگوں سے کہا، بچے ٹھیک کہہ رہے ہیں، چھوٹے نے بڑے کی جان بچائی ہے کیوں کہ وہاں اسے یہ کہنے والا کوئی نہیں تھا کہ تم چھوٹے ہو اس لئے بھائی کو کنوئیں سے نہیں نکال سکتے۔

خواب کی دنیا حقیقت سے قریب تر حالت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ جمے ہوئے

ہیں، یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' (النمل:۸۸)

بیداری کے حواس میں محسوس ہونے والا ٹھوس پن، خواب کی دنیا میں محسوس نہیں ہوتا۔ اور نہ خواب کی دنیا میں بیداری کی دنیا یاد رہتی ہے البتہ فرد کم وبیش انہی لوگوں کو خواب میں دیکھتا ہے جن سے وہ بیداری میں واقف ہے۔

آپ گھر کے ایک کمرے میں ہیں مگر دوسرے مرحلہ میں جہاز کے بغیر میل ومیل سفر کرتے ہیں۔ آنکھ کھلتی ہے تو خود کو کمرے میں دیکھتے ہیں۔

واضح ہوتا ہے کہ اصل اپنی جگہ موجود ہے صرف حالت کی تبدیلی سے ٹھوس پن یا لطافت غالب آتی ہے۔ اسی لئے باطنی علوم کے ماہرین بیداری کے حواس کو فکشن، اور خواب اور خیال کے حواس کو حقیقت سے قریب تر قرار دیتے ہیں۔

دنیا کوئی بھی ہو، آدمی اسے حواس کی محدودیت میں دیکھتا ہے۔ تقریباً ہر فرد ایسے خواب دیکھتا ہے جو مستقبل سے متعلق ہوتے ہیں اور ان کی تعبیر جلد یا بدیر سامنے آجاتی ہے یعنی جو کچھ ہو رہا ہے، وہ کہیں موجود ہے اور اس ریکارڈ میں تبدیلی نہیں۔ ہر شے معین وقت پر مظہر بن رہی ہے۔

فکشن پردہ ہے اور پردہ کے سبب ہم ریکارڈ سے ناواقف ہیں۔ پردہ مغلوب ہوتے ہی خواب، مراقبہ یا بیداری میں اصل کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور مادی دنیا نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ ذہن اس ریکارڈ کو کل پر سوں سمجھتا ہے۔

نظام زندگی کا دستور ہے کہ مستقبل حال بنتا ہے اور پھر ماضی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ سب ماضی (ریکارڈ) ہے۔

سیدنا حضور پاکؐ کا ارشاد عالی مقام ہے،

''جف القلم بما ھو کائن''

''جو کچھ ہونے والا ہے قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔''

## اسپیس کا کرشمہ

رنگ بالکل اسی طرح بنتے ہیں جیسے منشور (prism) کے سامنے کھڑے رہنے سے فرد کے کپڑوں کا رنگ مختلف نظر آتا ہے اگرچہ کپڑے سفید ہوتے ہیں۔ فرد کی شکل وصورت بھی چھوٹی بڑی نظر آتی ہے حالاں کہ اس قد کی نہیں ہوتی۔ مگر اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ جو قد ہمیں نظر آتا ہے وہی فرد کا اصل قد ہے۔ بالکل اسی طرح خلا میں جتنے عارض موجود ہیں سب مل کر ایک میدان بناتے ہیں، یہ میدان ایک پرزم یا منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب آپ اس میدان میں کھڑے رہ کر دیکھیں گے تو دور کی چیزیں چھوٹی اور نزدیک کی چیزیں بڑی نظر آئیں گی۔ اسی طرح نزدیک کی چیزوں کا رنگ الگ ہوگا اور دور کی چیزوں کے رنگوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور دیکھنے میں آئے گا۔ حقیقت میں یہ اسپیس کا کرشمہ ہے۔ (قدرت کی اسپیس)

محمد عاطف نواز

# فرد سکون سے محروم کیوں ہے ــــ؟

بتایئے ''میں'' کی صفات کیا ہیں، ملکیت جتانے سے دیگر کون سے تقاضے متحرک ہوتے ہیں ــــ؟

اگر کوئی پوچھے کہ آپ کی ہمہ وقت کی تگ و دو کا مقصد کیا ہے تو کیا آپ ایک لفظ میں جواب دے سکتے ہیں؟ جی ہاں! اور وہ لفظ ہے ''سکون۔''

تعلیم، ملازمت، شادی، کاروبار، اولاد کی پرورش، عبادات اور دیگر معاملات زندگی اسی لئے ہیں کہ ہم اپنے اور رفقا کے لئے پرسکون زندگی کی خواہش رکھتے ہیں۔ قارئین اتفاق کریں گے کہ اس تگ و دو میں بیش تر افراد جلد یا بدیر سکون حاصل کئے بغیر دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

سکون حاصل کرنے کے لئے زندگی بھر بے شمار طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ کبھی ہم دولت کو سکون کا ذریعہ سمجھتے ہیں، کبھی اقتدار و سیاست کی غلام گردش ہماری گزرگاہ ہوتی ہے اور کبھی عبادات کا سہارا لیتے ہیں۔ چوں کہ اس دنیا میں طرز فکر پر مادہ پرستی غالب ہے، اس لئے عبادت میں خالق و مالک اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ہم روزمرہ مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ کیا یہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری ہے اور کیا حاضر ہوکر بھی غیر حاضر عبادت سے سکون ملتا ہے ــــ؟

مادی تحقیق و تلاش (سائنس) ہمارے لئے پر آسائش زندگی کا دعویٰ کرتی ہے لیکن سب کا تجربہ ہے کہ وسائل و ایجادات کی بہتات نے بے سکونی اور پریشانی میں اضافہ کیا ہے۔ سائنس نے پہلے بتایا کہ ذرّہ سب سے چھوٹا یونٹ ہے اور پھر اس یونٹ کو توڑ کر اپنے نظریہ کی نفی کی اور بتایا کہ ایٹم قابل تقسیم ہے، وہ سائنس جو خلیہ کا تجزیہ کرتے ہوئے gene تک جا پہنچی اور پھر من پسند کے بے موسمی پھل سبزیوں کی کاشت شروع کردی مگر آدمی کو سکون فراہم نہ کرسکی۔

اسی طرح ایک سے ایک جدید ہتھیار کی ایجاد کو ترقی اور فلاح کا خوب صورت نام دیا گیا۔ ان ہتھیاروں کی بدولت گزشتہ اور موجودہ صدی میں ان گنت لوگ لقمہ اُجل بنے۔ ترقی کی بے مقصد دوڑ، ایجادات، پس ماندہ، ترقی پذیر اور ترقی یافتہ اقوام کی پالیسیوں نے نوع آدم کو تباہی، بے چینی اور بے سکونی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا سکون ایجادات سے منسوب ہے؟ بے سکونی کا تعلق ایجادات سے نہیں،

طرز فکر سے ہے۔ سوچ میں اخلاص نہ ہو تو اچھی سے اچھی ایجاد تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

گزشتہ اور حالیہ صدی میں جس طرح خون ریزی ہوئی ہے اس سے سب واقف ہیں، وہ درندگی کی حدود کو پار کر چکی ہے۔ جس طرح انسانی خون ارزاں گردانا گیا وہ افسوس ناک ہے اور اس نے نام نہاد ترقی اور امن کو داغ دار کر دیا ہے۔

جنگوں کے علاوہ مختلف وجوہات کی بنا پر ہلاکتوں کی تعداد تشویش ناک ہے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق دنیا بھر میں سالانہ آٹھ لاکھ لوگ خودکشی کرتے ہیں، بنیادی وجہ بے سکونی اور ڈپریشن ہے۔

الہامی کتابوں نے خالق کائنات کے عرفان کو مقصد حیات قرار دیا ہے۔

''اور یہ کہ آخر کار پہنچنا تیرے رب ہی کے پاس ہے۔'' (النجم:۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ذریعے الہامی کتب میں سکون آشنا زندگی کی تعلیم دی ہے اور خوف سے بے نیاز لوگوں کو اپنا دوست قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے،

''اور سن رکھو! اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔'' (یونس: ۶۲)

اولیاء اللہ کی زندگی انبیائے کرام کی اتباع اور اللہ کی محبت کی ترویج ہے۔ ان کی تعلیمات نوع آدم کو سکون اور مقصد حیات کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
اُو نشیند در حضور اولیا

ترجمہ: جو کوئی اللہ تعالیٰ کی قربت چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے۔

تمام برگزیدہ ہستیوں نے ایک بات سمجھائی ہے کہ فرد اپنی معاشرتی و معاشی و روحانی ذمہ داریاں قوانین الٰہی کے دائرہ میں پوری کرے۔ ارشاد باری ہے،

''کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔''
(الانعام:۱۶۲)

خواہشات کو فنا کر کے خود فنا ہو جانا زاہدانہ زندگی نہیں۔ اگر اچھا لباس پہننا ترک کر دیا جائے اور پھٹے پرانے پیوند لگے لباس کو اعلیٰ معیار قرار دیا جائے تو دنیا کے سارے کارخانے اور چھوٹی بڑی فیکٹریاں بند ہو جائیں گی، لاکھوں کروڑوں لوگ افلاس سے ہڈیوں کا ڈھانچا بن جائیں گے۔ خالق کائنات نے زمین کی کوکھ سے وسائل اس لئے نہیں پیدا کئے کہ ان کو استعمال نہ کر کے ناقدری کی جائے۔ اگر روکھا سوکھا کھانا زندگی کی معراج ہوتا تو بارش نہ برستی اور زمین بنجر ہو جاتی۔ زمین کی زیبائش کے لئے اللہ نے رنگ رنگ پھولوں، پتوں، درختوں، پھلوں، کہساروں اور آبشاروں کو بنایا اور خلق خدا کو حکم دیا کہ ان کو تسخیر کرو۔

زندگی گزارنے کے اصول آسان ہیں، بات ترجیحات

کی ہے جس سے طرز زندگی پیچیدہ یا سہل ہوتی ہے۔ جب فرد کسی شے کو خود سے وابستہ کرتا ہے تو فہم و نظر کی وسعت محدود ہو جاتی ہے۔ خود سے وابستہ کرنا محض یہ کہہ دینا نہیں ہے کہ یہ شے میری ہے یا میری خواہش و ضرورت یا میری محنت ہے۔ ''میں'' کہنے سے ''میں'' کی صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ''میں'' کہنا ملکیت کا حق جتانا ہے۔ معزز بہن بھائیو! تجربہ کیجئے اور بتایئے کہ ''میں'' کی صفات کیا ہیں — ملکیت جتانے سے دیگر کون سے تقاضے متحرک ہوتے ہیں —؟

فقیر میں اور تو سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اس کے اندر خوف اور غم نہیں ہوتا۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

''انبیائے کرام کسی چیز کے متعلق سوچتے تو اس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ براہ راست قائم نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ ان کی طرز فکر یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی چیز کا رشتہ ہم سے براہ راست نہیں ہے۔ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔''

ہر کام کیئر آف اللہ کرنا، انبیائے کرامؑ کی طرز فکر ہے اور یہی روحانیت ہے یعنی روح اور اس ہستی کا عرفان جس نے روح کو حرکت دی۔

فرد سکون سے محروم کیوں ہے —؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے یقین کو سمجھنا ضروری ہے۔ یقین مثبت اور منفی دونوں رخوں میں کام کرتا ہے۔ منفی رخ میں اس کا نام وہم اور شک جب کہ مثبت رخ میں توکل ہے۔

اس دنیا میں زندگی امتحان ہے۔ پرچہ میں سوال کبھی مشکل آتا ہے اور کبھی آسان۔ آسانی میں فرد اللہ کو بھول جاتا ہے اس لئے مشکل میں اسے اللہ پر یقین نہیں ہوتا، ایک ہی بات ذہن میں گردش کرتی ہے کہ اگر نہیں ہوا تو —؟ اگر میں ناکام ہو گیا پھر —؟ میرا کیا ہوگا —؟

جب کہ صبور و شکور اللہ کا ارشاد ہے،

''اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کم زوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (الانفال: ۴۶)

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ اور رسول اللہؐ کے حکم کی پیروی سے بندہ ایک دوسرے کی حق تلفی سے محفوظ رہتا ہے۔ جہاں تفرقہ ہو وہاں بزدلی پیدا ہوتی ہے کیوں کہ نظر انداز کرنا بہادروں کا شیوہ ہے۔ مشکل وقت میں واویلا اور جلد بازی کے بجائے کشتی کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کا انتظار کرنا چاہئے اور اس کے لئے اس بات پر یقین کہ سمندر اور کشتی جس کی دسترس میں ہیں، وہی ہمارا بھی خالق و مالک اور کفیل ہے۔

صبر کی ایک توجیہ یہ ہے کہ ہر کام معین وقت میں پورا ہوتا ہے اور فرد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے چاہنے یا نا چاہنے میں نقصان تھا یا فائدہ۔ نتیجہ وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوتا۔ بے صبری کا مظاہرہ کر کے شور مچانا اور طوفان کھڑا کر دینا جہالت ہے۔ اللہ نے راستہ بتایا ہے کہ اللہ سے ربط قائم ہو تو مشکل وقت گزر جاتا ہے۔

شک سے بندہ خود کو اللہ سے دور کر لیتا ہے جب کہ حیات کا منبع خالق کائنات ہے۔ جب فرد نے خود کو منبعِ حیات سے دور کر لیا تو اب سکون کیسے حاصل ہو؟

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے شک کو روحانیت کے راستہ کی بنیادی رکاوٹ قرار دیا ہے۔

''جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو وہ عارف کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی روح سے دور کر دیتا ہے۔ روحانی قدروں سے دوری، آدمی کے اوپر علم و آگاہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے۔''

مذہب ہمیں یقین کے اس پیٹرن میں داخل کرتا ہے جہاں شک و شبہات اور وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔ شک کا تعلق عدم مشاہدہ اور یقین کا مشاہدہ سے ہے۔ اس لئے الہامی کتابوں سے وہ لوگ ہدایت لیتے ہیں جو شک سے دور ہیں، اللہ کی قربت کو محسوس کرتے ہیں اور جو وسائل رب العالمین نے انہیں عطا کئے ہیں، اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، یہ سوچ کر کہ میرا اور سب کا رازق اللہ ہے، میں محض ایک وسیلہ ہوں۔ ایسا شخص کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، سب کو دوست رکھتا ہے۔

''جس قوم کا ایمان، کائنات کا اخلاص نہیں ہے وہ قوم کائناتی قدروں کا مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ نہ اس کی فہم کائناتی علوم تک پہنچ سکتی ہے۔ اس نے خود کو کل ذات سے منقطع کر لیا ہے۔ اس وضع کی قوم ہزاروں سال کی عمر پانے کے باوجود پالنے کا بچہ رہے گی۔''

## ابدالِ حق فرماتے ہیں،

- ہر حال اور ہر قال میں اپنا روحانی تشخص برقرار رکھیں۔
- چھوٹے اور بڑے کا امتیاز کئے بغیر سلام میں پہل کریں۔
- اللہ کی مخلوق کو دوست رکھیں۔
- سلسلہ میں رہ کر آپس میں اختلاف سے گریز کریں۔
- قرآن پاک کی تلاوت کریں، معنی و مفہوم پر غور کریں۔
- صلوٰۃ (نماز) میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم کریں۔
- ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے، نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بے شک اللہ قادر مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے، حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔
- تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا اس لئے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔
- تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔

# اللہ دیکھ رہا ہے

جو تجھے حاصل ہے اس پر قناعت کر اور اس پر زیادتی کا خواہاں مت ہو۔ جو چیز حق تعالیٰ تجھے تیرے مانگنے پر دے گا، وہ مکدر ہوگی۔ میں اس کو آزما چکا ہوں۔

**انسان کی حقیقت:** خالق کون و مکان نے انسان کو عمدہ اور بہترین صورت میں بنایا ہے۔ اس نے اس ضعیف البیان کے وجود میں اپنی کیا کیا حکمتیں دکھائی ہیں۔ اللہ کی ذات برکت والی ہے جو تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہے۔ اگر آدمی میں اپنی خواہشوں کی پیروی کی عادت نہ ہوتی تو وہ فضیلت عقل کی وجہ سے فرشتہ ہے۔ اگر اس میں تعمیل حکم ہوتی تو وہ جنت میں رہتا۔

وہ ایسا خزانہ ہے جس میں غرائب، اسرار غیب اور جمیع اصناف غیب رکھے گئے ہیں۔ اس کا وجود ایک مکان ہے جو نور و ظلمت دونوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ ایسا پردہ ہے جس میں طرح طرح کے پردوں سے روح کو اغیار کی آنکھوں سے چھپایا گیا ہے۔

فرشتوں پر اس کی فضیلت نے اسے ''ولقد کرمنا بنی اٰدم''* کا لباس پہنایا اور ''فضلنا ہم العقل''* کی مجلس میں بٹھا کر اس کے حسن جمال کو دکھایا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ عالم غیب و شہادت سے آیا ہے۔ اس کی سیپیاں ارواح کے موتیوں سے بھری ہوئی ہیں، وجود کے دریا میں علم کی کشتیوں پر لدی ہوئی ہیں اور وہ کشتیاں ہوائے روح کے ذریعے ریاضت و مجاہدہ کی طرف جارہی ہیں۔ اس کے میدان وجود میں سلطانِ ہوا (خواہش) سلطانِ عقل کے روبرو کھڑا ہے اور دونوں لشکر فضائے صدر* میں جواں مردی سے ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ سلطانِ ہوا کے لشکر کا سردار نفس اور سلطانِ عقل کے لشکر کی سردار روح ہے۔

ان دونوں شاہوں کے لشکروں کی تیاری کے بعد غیب سے صدا آئی کہ اے لشکر الٰہی کے جواں مردو! آگے بڑھو اور اے لشکر ہوا کے بہادرو! سامنے آؤ۔ حکم الٰہی کے صادر ہونے کے بعد دونوں لشکر لڑنے لگے۔

اس وقت توفیق الٰہی نے زبان غیب سے دونوں لشکروں سے کہا، میں جس کی مدد کروں، فتح کا میدان اس کے ہاتھ میں ہوگا اور دنیا و آخرت میں وہی سعید

*ولقد کرمنا بنی اٰدم (ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی)، *فضلنا ہم العقل (عقل کی بنیاد پر فضیلت)، *فضائے صدر (باطن کی وادی)

کہلائے گا۔ میں جس کے ہم راہ ہو جاؤں پھر کبھی اس کو جدا نہ کروں اور اسے مقام اعلیٰ میں پہنچا دوں۔

توفیق وتوجہ الٰہی، اللہ کے فضل وکرم کا نام ہے جس کو وہ اپنے اولیائے کرام کے شامل حال رکھتا ہے۔

اے مخاطب! حقیقی عقل کی پیروی کر تا کہ تجھے ابدی سعادت حاصل ہو اور نفس کی پیروی کو چھوڑ۔ قدرت الٰہی پر غور کر کہ روح کو جو سماوی عالم غیب سے ہے اور نفس کو جو عالم شہود سے ہے، اکٹھا کر دیا ہے۔ چاہئے کہ یہ طائر* لطیف، عنایت الٰہی کے بازو سے کثیف پنجرہ کو چھوڑ کر مقدس شجر پر آشیانہ بنائے، تقرب الٰہی کی شاخوں پر بیٹھ کر لسانِ شوق سے چہچہائے اور معارف کے میدان سے جواہراتِ حقائق چنے۔

پھر جب اجسام خاکی فنا ہو کر اسرار قلوب باقی رہ جائیں گے اور توفیق الٰہی لمحہ بھر کے لئے بھی تیرے شامل حال ہو جائے تو اس کی ایک نظر تجھے عرش تک پہنچا دے گی اور تیرے دل میں حقائق بھر کر اسے اسرار معرفت کا خزینہ بنا دے گی۔ اس وقت تجھے معرفت کی آنکھوں سے جمال ازل نظر آئے گا۔ اور تو ہر ایک شے کو جو عارضی صفات سے متصف ہو گی، نظر انداز کرے گا۔ تقربِ الٰہی کے آئینہ میں مقامِ سر کی آنکھوں سے عالم ملکوت تجھ کو نظر آئے گا اور کشف کی مجالس میں دل کی آنکھوں سے فتح کے جھنڈے نظر آنے لگیں گے اور آثارِ اکوان* تیرے دل کی لوح سے محو ہو جائیں گے۔

اے مخاطب! محبوب کے دیکھنے کے اشتیاق میں اپنی جان کو بیچ ڈال۔ مطلوب کے حصول کے عشق اور محبوب کے دیکھنے کے شوق میں پختہ ارادہ سے منازل کے قطع کرنے میں جلدی کر، حرمت کے حرم میں داخل ہو، عبودیت کے مقام میں کھڑا ہو، عشق وسوزش کی بزرگی کا قصد کر پھر جلد تو نیک ارواح کے برابر کھڑا ہو گا۔ پھر اگر تیرے پاس اس کی طرف سے ایسی خوش بو آئے جو اس کے جمال کے نور سے روح کے سانس کو معطر کر دے تو اس خوش بو سے مست ہو جا اور اس کے وصل کے لوٹنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈال۔ واللہ اپنے نفس کو ایک نظرِ محبوب کے عوض بیچنے والا ناکام نہیں ہوتا۔

**پہلے خود کو نصیحت کر پھر دوسرے کو:** صاحب زادہ! اول اپنے نفس کو نصیحت کر، اس کے بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کر۔ خاص طور پر اپنے نفس کی اصلاح اپنے ذمہ لازم سمجھ اور جب تک تیرے اندر کچھ بھی اصلاح کی ضرورت باقی ہے دوسروں کی طرف مت جھک۔

افسوس ہے کہ خود ڈوب رہا ہے پھر دوسرے کو کیوں کر بچائے گا—؟ تو خود اندھا ہے، دوسرے کا ہاتھ کس طرح تھامے گا—؟ لوگوں کا ہاتھ وہی پکڑتا ہے جو سوا آنکھا* ہو۔ ڈوبنے والے کو دریا سے وہی

---

*طائر (پرندہ)، *آثارِ اکوان (تخلیقات کا ظاہری رخ)، *سوا آنکھا (سوآنکھوں والا)

نکال سکتا ہے جو خود تیرنا جانتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تک لوگوں کو وہی پہنچا سکتا ہے جو اس کی معرفت حاصل کر چکا ہے۔ جاہل کیوں کر راستہ بتا سکتا ہے—؟

صاحب زادہ! تجھ کو خلوت میں ایسے تقویٰ کی حاجت ہے جو تجھ کو گناہوں اور لغزشوں سے نکالے۔ اور ایسے مراقبہ کی ضرورت ہے جو تجھے یاد دلاتا رہے کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ تو حاجت مند ہے کہ خلوت میں یہ حالت تیری ساتھی ہو۔ اس کے بعد تجھے نفس، خودغرضی اور شیطان کے ساتھ جنگ کرنی ہے۔ عام لوگوں کی بربادی لغزشوں سے ہے۔ زاہدوں کی بربادی خواہشات نفس سے۔ ابدال کی ہلاکت خلوتوں میں خطرات* سے اور صدیقین کی بربادی ادھر ادھر توجہ کرنے سے کہ ان کا شغل صرف اپنے قلوب کی حفاظت میں رہنا ہے۔

صاحب زادے! ہر خواہش پوری کرنے والی ذات اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے توقع نہ رکھ — پس ایسا خزانہ پائے گا جو کبھی فنا نہ ہوگا اور حق تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت آئے گی جس کے بعد گم راہی نہ ہوگی۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر اور اللہ عزوجل کی طرف بھاگ اور جب تو توبہ کرے تو تجھے چاہئے کہ تیرا ظاہر بھی توبہ کرے اور باطن بھی۔

**کسی بات کی تمنا نہ رکھ:** اے فقیر! غنی بننے کی تمنا مت کر، کیا عجب ہے کہ وہ تیری بربادی کا سبب ہو۔ اے مریض! تن درستی کی آرزو مت کر، شاید یہ تیری ہلاکت کا باعث ہو۔ صاحبِ عقل* بن، اپنے ثمر کو محفوظ رکھ — انجام محمود ہوگا۔

جو تجھے حاصل ہے اس پر قناعت کر اور اس پر زیادتی کا خواہاں مت ہو۔ جو چیز حق تعالیٰ تجھے تیرے مانگنے پر دے گا، وہ مکدر* ہوگی۔ میں اس کو آزما چکا ہوں۔ البتہ اگر بندہ کو قلب کے اعتبار سے مانگنے کا حکم کیا جائے تو سوال میں مضائقہ نہیں کہ حکم کے وقت جو مانگے گا اس میں برکت دی جائے گی اور گندگیاں اس سے دور کر دی جائیں گی۔ مناسب ہے کہ عفو جرائم و عافیت دارین اور دنیا میں دائمی معافی، تیرا اکثر سوال رہے اور تو فقط اس سوال پر قناعت کر۔

صاحبو! خوش ہو جاؤ اور زندگی کے دروازہ کو غنیمت سمجھو کہ جب تک وہ کھلا ہے — وہ عن قریب بند کر دیا جائے گا۔ نیک کاموں کو غنیمت سمجھو، جب تک تم ان کے کرنے پر قادر ہو۔ توبہ کے دروازہ کو غنیمت سمجھو اور اس میں داخل ہو جاؤ۔ غنیمت سمجھو اپنے دین دار بھائیوں کی روک ٹوک کے دروازہ کو کہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔ لوگو! بنا لو جو کچھ توڑ چکے ہو اور لوٹا دو جو کچھ لے چکے ہو۔ اپنے فرار اور بھاگنے سے تائب ہو کر لوٹ آؤ اپنے خالق عزوجل کی طرف۔

---

*خطرات (وسوسے)، *صاحبِ عقل (اولی الالباب)، * مکدر (ملول کرنے والی)

صاحب زادہ ! یہاں بجز خالقِ عزوجل کے کوئی نہیں۔ پس اگر تو خالق کے ساتھ رہے تو تو اللہ کا بندہ ہے اور مخلوق کے ساتھ رہے تو تو ان کا بندہ ہے۔

تجھے واعظ بننا زیبا نہیں جب تک کہ اپنے قلب کی حیثیت سے بیابان اور جنگل و میدان قطع نہ کرے اور باطن کے اعتبار سے سب سے توقع نہ ہٹالے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کا طالب کسی سے توقع نہیں رکھتا—؟ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق میں سے ہر چیز بندہ اور اللہ کے درمیان حجاب ہے۔ پس وہ جس چیز پر بھی ٹھہرے گا وہ حجاب بن کر اس کو چھپالے گی۔

**علم و عمل:** پہلے علم پڑھ اس کے بعد گوشہ نشین بن۔ جو شخص علم کے بغیر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے اس کے جملہ کام سدھرنے کے بجائے زیادہ تر بگڑتے ہیں۔ پہلے اپنے ساتھ شریعت الٰہی کا چراغ لے، پھر عبادات الٰہی میں مشغول ہو جا۔ جو شخص علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے علم کو وسیع کرتا ہے اور اسے علم لدنّی* سے نوازتا ہے۔

اسباب اور خلق سے توقعات ہٹالے۔ اللہ سے توقع قائم کر۔ وہ تیرے دل کو مضبوط اور عبادت و پرہیز گاری کی طرف اس کا میلان کر دے گا۔ ماسوائے اللہ سے جدا رہ۔ اپنا چراغِ شریعت گل ہونے سے ڈر۔ اللہ تعالیٰ سے نیک نیتی رکھ۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں،

اے بندہ! تو اللہ کو شوق و اشتیاق سے یاد کر۔ اس کی حمد و ثنا کر، وہ تجھے انعامات عطا کرے گا۔ تو اسے توبہ سے یاد کر، وہ تجھے بخشش و مغفرت سے یاد کرے گا۔ تو اسے ندامت سے یاد کر، وہ تجھے کرامت و بزرگی سے یاد کرے گا۔ تو اسے تعظیم سے یاد کر، وہ تجھے تکریم سے یاد کرے گا۔ ہر حال میں اس کا ''ذکر'' کر کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی سب سے بڑا ہے۔

اگر تو اللہ کی یاد میں چالیس روز بیٹھے تو دل سے راہ حکمت کے چشمے پھوٹیں گے اور تیرا دل اس وقت موسیٰؑ کی طرح محبت الٰہی کی آگ دیکھے گا اور آتش محبت دیکھ کر تیرا نفس، تیری خواہش، تیری طبیعت، تیرے اسباب اور وجود سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ! میں نے آگ دیکھی ہے۔ مقامِ سِر سے اس کو ندا ہو گی کہ میں تیرا رب ہوں تو میرے غیر سے تعلق نہ رکھ۔ مجھے پہچان لے اور میرے ماسوا کو بھول جا۔ میرے علم سے میرا تقرب حاصل کر۔

پھر جب دیدار عطا ہو جائے گا تو کدورتیں دور ہو جائیں گی۔ سرکش نفس ساکن ہو گا اور حجاب زائل ہو جائیں گے۔

*علم لدنّی (تخلیقی فارمولوں کا علم)

سید اسد علی

# چار سوال ــــ؟

خواب میں کسی نے کہا، اے نادان! اصل خزانہ تیرے دل میں ہے۔ تیرا ارادہ اور کمان تیرا دل ہے۔
شہر سے باہر مقام کے معنی ذاتی مفاد سے بالاتر ہونا ہے۔

ملک کمالستان کے بادشاہ نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ رعایا اس کے عجیب وغریب قوانین کی پاس داری پر مجبور تھے۔ معیشت کی شہ رگ زراعت تھی اس لئے بیش تر افراد کھیتی باڑی سے وابستہ تھے اور انہیں منہ مانگا لگان (ٹیکس) دینا پڑتا تھا۔

کمالستان کا محنتی کسان فائق، والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ ماں کے انتقال کے بعد اس نے ہر طرح سے باپ کی خدمت کی اور ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اس کا باپ ذہین وفہیم تھا، لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے اس کے پاس آتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ باپ کے ماتھے پر جب جھریوں میں اضافہ ہوا تو یہ بات فائق کے لئے قابل تشویش تھی۔ مملکت کے رسم ورواج کی پاس داری کا وہ پابند تھا اور یہی فکر اسے کھا رہی تھی کہ کیا اس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ یہ سب کر گزرے ــــ؟

ضعف کے سبب اس کے باپ کے لئے چلنا مشکل ہو گیا تھا اور یہ بات بادشاہ کے اہل کاروں سے چھپی نہ رہ سکی۔ انہوں نے تنبیہ کی کہ ہمیں زحمت دینے کے بجائے بہتر ہوگا کہ تم خود قانون کا احترام کرو۔

فائق مرتا کیا نہ کرتا، اگلی صبح ضعیف باپ کو کندھوں پر بٹھا کر جنگل کی طرف چل دیا۔ اس کے باپ کو تیز بخار تھا لیکن بیٹے کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ سارے راستے سوچتا رہا کہ کیا باپ کی شفقت کا یہ صلہ ہے ــــ؟

پچھتاوے اور ندامت میں مبتلا، بیمار باپ کو کندھوں پر بٹھائے گھنے جنگل سے گزر رہا تھا، اس کی منزل دور پہاڑی سلسلہ تھا جہاں بے شمار غار تھے۔

گھر سے نکلتے ہوئے ضعیف باپ نے تھیلا اٹھایا جس میں لکڑیوں کے ٹکڑے اور پھول تھے۔ وہ انہیں ہر تھوڑے فاصلہ پر پھینکتا گیا۔ پریشانی میں مبتلا فائق نے توجہ نہیں دی کہ اس کا باپ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ آخر گرتے پڑتے پگ ڈنڈیوں، میدان اور جنگل عبور کر کے وہ پہاڑوں تک پہنچ گئے۔ ایک غار کا انتخاب کر کے بخار میں تپتے باپ کو لٹایا اور کچھ کہے بغیر خاموشی سے مڑ گیا۔ باپ نے تقدیر کا لکھا سمجھ کر خاموشی

سے آنکھیں موند لیں۔تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تو دیکھا کہ بیٹا واپس آ گیا ہے۔ حیرت ہوئی اور ناتوانی کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ملک کمالستان میں بوڑھے افراد کو جان بوجھ کر دور افتادہ مقام پر چھوڑ دیا جاتا تھا جہاں وہ بھوک پیاس سے مرجاتے یا جانوروں کی خوراک بن جاتے۔ موجودہ بادشاہ نے ظلم یہ کیا کہ اس روایت کو قانون کا حصہ بنا دیا۔

جانتا ہوں کہ تو بھی مجبور ہے۔ باپ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ واپس چلا جا کہیں میری وجہ سے مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے۔ فائق کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے کہا، آپ جانتے ہیں کہ یہ میرے لئے کس قدر تکلیف دہ ہے۔ آپ کو یہاں چھوڑ کر میں خود گھر جانے کا راستہ بھول گیا۔

میں نے راستہ میں جگہ جگہ چھوٹی ٹہنیاں اور پھول پھینکے ہیں۔ان کی مدد سے تم گھر پہنچ جاؤ گے۔

باپ کی محبت دیکھ کر بیٹا شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اس لمحہ فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے میں یہ گناہ نہیں کر سکتا۔ آگے بڑھ کر ایک بار پھر باپ کو کندھوں پر بٹھایا اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔ باپ سارے راستے کہتا رہا کہ میرے لئے کیوں خود کو مصیبت میں ڈالتے ہو لیکن اس مرتبہ فائق کے قدم مضبوط تھے۔

بستی کے قریب پہنچا تو رات ہو چکی تھی، گھپ اندھیرا تھا۔ وہاں ایک جھونپڑی میں باپ کو چھپا دیا۔ جھونپڑی جس علاقہ میں تھی وہ قدرتی حسن سے مالا مال تھا۔ فائق اور اس کے والد نے جھونپڑی سیر و تفریح کے دوران قیام کی غرض سے تعمیر کی تھی۔ باپ کو وہاں چھوڑ کر گھر واپس آ گیا۔ ہر پوچھنے والے کو یہی بتایا کہ بابا کو غار میں چھوڑ آیا ہوں۔

بادشاہ کو دن رات خزانہ بھرنے کی فکر رہتی جس کی وجہ سے رعایا کی زندگی عذاب ہو گئی تھی۔ وزیر خاص عیار آدمی تھا۔ بادشاہ کو مال جمع کرنے کی ترکیب بتائی۔

ایک دن کہا، بادشاہ سلامت کا اقبال بلند ہو۔ ملک کمالستان آپ کے تصرف میں ہے لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جس پر آپ کی مکمل حاکمیت نہیں۔

بادشاہ نے پوچھا، کون سا شعبہ ــــ؟

عیار وزیر نے بادشاہ کے تجسس کو مزید ابھارا۔

کیوں نہ ملک کمالستان کے کھیتوں اور باغات کو ملکیت میں لے لیں اس طرح کثیر مال و دولت ہاتھ آئے گی اور ان کے مالکان ہمارے ماتحت ہوں گے۔

بادشاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں بغاوت ہو جائے۔

وزیر نے مکاری سے کہا، ہم ان پر اس طرح ہاتھ ڈالیں گے کہ وہ خود کو الزام دیتے نظر آئیں گے۔

بادشاہ نے حیرت سے پوچھا، کیا کہنا چاہتے ہو؟

وزیر بولا، ہم کسانوں سے چار سوال کریں گے اور جواب نہ دینے پر زمینیں ضبط کر لیں گے۔ جاہل لوگ

ہیں اوران کی جہالت ہمارے لئے فائدہ مند ہے۔

بادشاہ نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر کسی نے جواب دے دیا تو—؟ وزیر فاتحانہ مسکراہٹ سے بولا، شرط رکھی جائے کہ جواب عملی اور مشاہداتی ہو۔

بادشاہ خوش ہو گیا اور پوچھا، پہلا سوال کیا ہے؟

وزیر نے سرگوشی کی اور بادشاہ نے سر ہلا دیا۔

اگلی صبح اونٹوں اور ہاتھیوں پر سوار شاہی نقارے ملک کمالستان کے طول وعرض میں پھیلے اور اعلان کیا کہ بادشاہ نے کھیتوں اور باغات کے مالکان سے سوال کیا ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے—؟ جواب نہ دینے والے کی زمینیں ضبط کر لی جائیں گی۔

کسانوں میں بے چینی پھیل گئی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ فائق سب سے چھپ کر رات کی تاریکی میں اپنے باپ سے ملنے گیا اور صورت حال بتائی۔

باپ نے کہا، بیٹا! دنیا فریب نظر ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے۔

بابا، جواب کو عملی طور پر ثابت کرنا ہے۔

انہوں نے تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کیں اور پھر فائق سے کچھ کہا۔ وہ مسکراتا ہوا واپس آیا۔

اگلے روز فائق محل میں حاضر ہوا۔

بادشاہ سلامت! دنیا فانی ہے اور سونے چاندی کا ڈھیر فانی دنیا میں دل لگانے کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ سے پہلے کئی لوگ اس تخت پر بیٹھ چکے ہیں، انہوں نے زر وجواہرات کے ڈھیر جمع کر کے خود کو محفوظ سمجھا، جواہرات موجود ہیں لیکن وہ لوگ نہیں ہیں۔ جس شے کو ہم دیکھتے ہیں، وہ اگلے لمحہ بدل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مزاج اور موسم بھی ایک سے نہیں رہتے۔

وزیر خاص نے فائق کی بات کاٹی اور کہا، شرط بتا دی گئی ہے کہ عملی یا مشاہداتی طرز میں ثابت کرو۔

فائق نے پانی سے بھرا شیشہ کا گلاس مانگا۔

گلاس آیا جسے فائق نے بادشاہ کے سامنے رکھا، جیب سے چھوٹی لکڑی نکالی اور پوچھا کہ لکڑی کیسی نظر آ رہی ہے—؟ بادشاہ نے کہا، سیدھی۔ اس نے لکڑی گلاس میں ڈالی جو آدھی اندر اور آدھی پانی سے باہر تھی۔

پھر بادشاہ سے کہا، یہ ہے دنیا کی حقیقت!

سیدھی لکڑی کو نظر نے پانی میں ٹیڑھا دکھایا۔

وزیر نے غصہ سے کہا، یہ نظر کا اختلاف ہے۔

فائق بولا، پھر ہر شخص لکڑی کو پانی میں ٹیڑھا کیوں دیکھ رہا ہے۔ کوئی تو یہاں ایسا ہو جو سیدھا دیکھے۔ کیا کوئی ہے—؟ سب خاموش تھے اور بادشاہ سوچ میں گم۔

بادشاہ نے شرمندگی سے بچنے کے لئے فائق کو سراہا اور انعام دے کر رخصت کیا۔

دربار برخاست ہونے کے بعد چالاک وزیر نے پھر بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے اور تلملا کر بولا، کسانوں کی شعبدہ بازی کام آ گئی لیکن اگلے سوال کا جواب یہ نہیں دے سکتے۔

بادشاہ نے پوچھا، وہ کیا ہے؟

وزیر نے بادشاہ کو سوال بتایا۔

اگلے دن شاہی اہلکاروں نے اعلان کیا کہ بادشاہ سلامت کا سوال ہے، سورج کی حقیقت کیا ہے؟ جواب کی شرائط وہی ہیں۔

کئی افراد محل میں حاضر ہوئے اور اپنے تئیں جواب دینے کی کوشش کی لیکن مطمئن نہ کر سکے۔ قید خانہ میں ڈلوا دیا گیا اور زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ کسانوں کا خوف بڑھ گیا۔ فائق اب کی بار صبح سویرے کھیت میں جانے سے پہلے والد بزرگوار کے پاس پہنچا۔

باپ نے کہا، سورج تو سیاہ توا ہے۔

فائق بولا، بابا! مشاہدہ سے کیسے ثابت ہو، بادشاہ زبانی کلامی پر یقین نہیں کرے گا اور میرے پاس ثابت کرنے کے لئے ماورائی صلاحیت نہیں۔ پہلے ہی کئی افراد جیل جا چکے ہیں۔

باپ نے ایک بار پھر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کیں۔ واپس آتے ہوئے فائق کے چہرہ پر اطمینان تھا۔ اگلے روز محل میں حاضر ہونا تھا۔

فائق نے کہا، بادشاہ کا اقبال بلند ہو۔ جواب کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ۱۔ وقت ۲۔ مقام، ہمیں سورج نکلنے سے پہلے ایسی جگہ پہنچنا ہے جہاں سے طلوع آفتاب کا نظارہ ہو سکے۔

بادشاہ نے درخواست قبول کی اور شہر میں موجود سب سے بلند عمارت میں بلایا۔ سب مقررہ وقت سے پہلے پہنچے۔ سورج مشرق سے نمودار ہوا تو اس کی چمک میں شدت نہیں تھی۔ فائق نے سب سے کہا کہ پانچ سیکنڈ دیکھیں، اس سے زیادہ نہیں دیکھنا ورنہ بینائی متاثر ہو سکتی ہے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

فائق نے پوچھا، آپ کو کیا نظر آتا ہے؟

بادشاہ نے جواباً کہا، سیاہ ٹکیا نظر آتی ہے۔

فائق بولا، یہی سورج کی حقیقت ہے۔ سورج سیاہ توا ہے، روشنی یا توانائی زمین کے باطن سے آتی ہے سورج صرف زمین کی روشنی منعکس کرنے کا ذریعہ ہے۔

بادشاہ نے اشرفیوں کی تھیلی انعام میں دی۔

محل پہنچ کر وزیر نے شرمندگی چھپانے کے لئے کہا، جناب عالی! یہ تو حد ہو گئی۔ جاہل کسان جواب دینے لگے ہیں۔ اب کی بار ایسا سوال ہو گا کہ کسان کیا، طبیب لاجواب ہو جائیں گے۔

بادشاہ نے ناگواری سے وزیر کو دیکھا۔

وزیر نے سوال بتایا اور بادشاہ مسکرا دیا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ خمار آمیز اشیا کے استعمال کے بغیر سکون کیسے حاصل کیا جائے۔ جواب دینے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا ورنہ زمینیں ضبط ہوں گی۔

اس بار وزیر کے حکم پر ہرکاروں نے فائق پر نظر رکھی جسے فائق نے محسوس کر لیا۔ وہ چند روز خاموش رہا اور باقاعدگی سے کھیتوں میں کام کرتا رہا، اس دوران آرام کی غرض سے تھوڑی دیر سائے میں بیٹھ جاتا اور

ظاہر کرتا کہ جیسے کچھ سوچ رہا ہے۔ شاہی اہلکار مطمئن ہو گئے کہ کسان اپنے جواب خود دیتا ہے۔ انہوں نے نگرانی کرنا چھوڑ دی۔

رات کو فائق بوڑھے اور دانا والد کے پاس پہنچا اور سوال بتایا۔ والد نے کہا کہ سکون حاصل کرنے کا طریقہ من کی دنیا میں دیکھنا اور اس سے واقف ہونا ہے۔

فائق بولا، مگر ظالم بادشاہ کو یہ کون سمجھائے۔

بوڑھا باپ بولا، تم سمجھاؤ گے۔

آج محل میں لوگ زیادہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دانا کسان آئے گا اور اس بار بھی بازی لے جائے گا۔ جب کہ وزیر اس خدشہ کو رد کر کے خود کو تسلیاں دے رہا تھا۔

فائق صبح محل میں پہنچا۔ ذی احترام شاہ کمالستان کی خدمت میں آداب! بادشاہ تعریف پر خوش ہوا۔ فائق نے درخواست کی کہ اگر بادشاہ سلامت گوارا کریں تو ناچیز ان کے ساتھ کچھ دیر باغ میں ٹہلنا چاہتا ہے۔ بادشاہ اس کی دانائی سے متاثر تھا، ہامی بھر لی۔

باغ میں پہنچ کر فائق کی ہدایت پر بادشاہ نے چہرہ آسمان کی طرف کر کے آنکھیں بند کیں پھر سانس آہستہ آہستہ اندر لیا اور چند ثانیوں کے لئے روک دیا۔ اس کے بعد آہستہ سے سانس خارج کر دیا۔ اس طرح دس چکر مکمل کئے۔

جب بادشاہ یہ کر چکا تو فائق نے کہا، عالی جاہ! کیا اس دوران آپ کے ذہن میں کوئی سوال آیا؟

بادشاہ نے کہا، حیرت کی بات ہے ذہن میں خیالات کی یلغار ہوتی ہے لیکن اس مشق میں یک سو رہا۔

کیا آپ نے سکون محسوس کیا؟

بادشاہ بولا، بہت خوب لڑکے تم صحیح کہتے ہو میں پرسکون اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ تم نے تو میری مشکل آسان کر دی ہے۔

بادشاہ نے ایک بار پھر انعامات سے نوازا۔

وزیر سے پوچھا، ہاں بھئی! چوتھا سوال کیا ہے؟

بادشاہ سلامت میرے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ فائق کوئی عالم نہیں ہے، عام سا لڑکا ہے، یقیناً اس کے پیچھے کوئی ہے۔ ہم جلد اس تک پہنچ جائیں گے۔ ہمارا چوتھا سوال ایسا ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکے گا۔

سوال: ماضی اور مستقبل میں کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟

اب کی بار فائق جواب معلوم کر کے جھونپڑی سے نکلا تو جھاڑیوں میں چھپے جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا۔

فائق محل میں حاضر ہوا اور عرض کیا، خواب اور بیداری زندگی کے دو رخ ہیں۔ خواب میں مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی اور ماضی میں کی گئی غلطیوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ خواب کی زندگی بتاتی ہے کہ اگر ہم بیداری میں اس صلاحیت کو متحرک کر لیں تو حال میں رہ کر بآسانی ماضی و مستقبل میں جا سکتے ہیں۔

وزیر نے بات کاٹتے ہوئے کہا، بات کو گھمانے کی کوشش مت کرو اور سیدھا جواب دو۔

فائق نے بات جاری رکھی۔

جناب عالی! خواب کی زندگی کا مشاہدہ ہم سب کو ہے۔ صلاحیت کو بیدار کرنے کا طریقہ ذکر الٰہی اور شب بیداری کی مشق ہے تاکہ ہم رات کے حواس میں سوتے ہوئے داخل ہونے کے بجائے جاگتے ہوئے داخل ہوں۔ بادشاہ جواب سن کر لاجواب ہوگیا اور فائق کو جانے کی اجازت دے دی۔

اگلے دن فائق اور اس کے ضعیف باپ کو زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں پیش کیا گیا۔ شاہی قانون کی خلاف ورزی کا الزام تھا۔

فائق نے کہا، اے بادشاہ! آپ کا وقار سلامت رہے۔ سچ یہ ہے کہ سوالات کے جوابات میں نے نہیں، میرے بوڑھے باپ نے دیئے تھے۔ اگر ہم بزرگوں کو ویرانہ میں چھوڑ دیں تو اس سے ملک ویران اور ذہن بنجر ہوجائیں گے۔ جن کو زندگی کا تجربہ ہے، کیا ان کو اپنی زندگیوں سے نکال کر جینا دانائی ہے؟ یہ ہمارے ماں باپ ہیں۔ میں اپنے باپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا کہ جو ماں باپ کا نہ ہو، وہ اپنے ملک کا کیسے ہوسکتا ہے!

بادشاہ کے چہرہ پر سنجیدگی گہری ہوگئی۔

فائق کے ضعیف باپ نے کہا، حضور والا! آپ کو خزانہ جمع کرنے کا شوق ہے۔ اجازت ہو تو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا، اجازت ہے۔

کہانی سنائی کہ ایک شخص نے اللہ سے دعا کی کہ اس کے ہاتھ بہت خزانہ آجائے۔ اسے خواب میں بتایا گیا کہ کسی پہاڑ میں خزانہ کا نقشہ ہے اور پہاڑ تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھایا گیا۔ وہ ہدایت کے مطابق پہاڑ پر پہنچا جہاں غاروں میں سے ایک غار میں نقشہ مل گیا۔

نقشہ میں لکھا تھا کہ شہر سے باہر ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچ کر تیر کو کمان میں رکھو جہاں تیر لگے گا، وہاں خزانہ ہے۔ وہ خوشی سے نہال ہوگیا اور اسی وقت تیر کمان لے کر نقشہ میں بتائی گئی جگہ پر پہنچا۔ تیر جہاں گرا وہاں خزانہ تلاش کیا لیکن بے سود۔ تیر پر تیر برسائے مگر وہاں کوئی خزانہ نہیں تھا۔ ہمت نہیں ہاری، ہر روز جاتا اور مایوس واپس آتا اس طرح چھ ماہ گزر گئے۔

خواب میں کسی نے کہا، اے نادان! اصل خزانہ تیرے دل میں ہے۔ تیرا ارادہ اور کمان تیرا دل ہے۔ شہر سے باہر مقام کے معنی ذاتی مفاد سے بالاتر ہونا ہے۔ اگر تو حکمت و معرفت سے واقف ہوتا تو تیر کو باہر استعمال کرنے کے بجائے اندر استعمال کرتا اور مفاد عامہ کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتا۔ تو اندر کے خزانہ سے ناواقف ہے اور باہر کے خزانہ کو ترجیح دیتا ہے۔ مشق نے تجھے سکھا دیا کہ باہر کا خزانہ مایا ہے۔ اندر رجوع کر!

کہانی سن کر بادشاہ بہت متاثر ہوا اور ضعیفوں کو ویرانہ میں چھوڑنے کا قانون منسوخ کرنے کا حکم دیا۔ زمین کو کسانوں کی ملکیت رہنے دیا اور کمالستان کے ہر فرد پر حقیقت کا علم حاصل کرنا لازم کردیا۔

نسرین ضیا

# لاشمار عالمین اور انسان

ہمارا ذہن ریڈیو ریسیور کی طرح مخصوص فریکوئنسی پر سیٹ ہے جس سے ہم کائنات کے مادی رخ کو دیکھتے ہیں۔ ہر دنیا کی فریکوئنسی علیحدہ ہے لیکن ہمارا ذہن ان سے ہم آہنگ نہیں۔

آنکھ بند کر کے تصور کریں کہ ہمارے کہکشانی نظام کی طرح ایک کہکشاں ہے جہاں متعدد سیاروں میں ہو بہو زمین کی مانند ایک سیارہ ہے۔ اس سیارہ میں ایک گھر آپ کے گھر جیسا ہے، اس گھر میں آپ کا ہم شکل آپ ہی کا پرت اس وقت رسالہ میں یہ مضمون پڑھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے کہ کیا واقعی میں دوسری دنیا میں موجود ہوں اور من وعن مضمون کی وہی سطور پڑھ رہا ہوں جو یہاں پڑھ رہا ہوں — ؟ اور کیا ایسا بھی کوئی عالم ہے جہاں میں یہ مضمون پہلے پڑھ چکا ہوں — ؟

کوانٹم فزکس کے ماہرین ان کے جوابات تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرح کی دنیائیں موجود ہیں مگر ان کی ساخت اور وہاں انسانوں کی موجودگی سے متعلق مشاہدہ یا ثبوت نہیں دیا جا سکا۔

باطنی علوم کے ماہرین فرماتے ہیں کہ اُس دنیا میں داخل ہونے سے پہلے فرد کو اِس دنیا سے نکلنا ہوگا اور اِس دنیا سے نکلنا ''سلطان'' کے بغیر ممکن نہیں۔

محققین نے ان دنیاؤں کو Multiverse کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک سے زائد دنیاؤں کو الیکٹران کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں۔

الیکٹران ہر لمحہ مادہ (matter) سے لہر اور لہر سے مادہ میں تبدیل ہو رہا ہے۔ سی ڈی یا chip میں موجود ڈیٹا اور کمپیوٹر اسکرین پر ظاہر ہونے والے نقوش، انٹرنیٹ، موبائل فون پر بات چیت اور فضا میں پھیلی برقی مقناطیسی لہریں سب اس اصول کے تحت کام کرتی ہیں یعنی مادہ سے لہر اور لہر سے مادہ میں تبدیل ہونا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مادہ اور روشنی کے باہمی تعلق کی بات کی جائے تو دونوں کی خصوصیات الگ ہیں مگر یہ سکہ کے دو رخوں کی طرح متصل ہیں۔ الیکٹران ہمہ وقت مذکورہ دو حالتوں (مادہ اور روشنی) میں ردوبدل نہ ہو تو جسم کے سالمات (مالیکیول) حتیٰ کہ نظام کائنات معطل ہو جائے گا۔

الیکٹران کے ٹھوس پن کا مظاہرہ بیداری کے حواس میں ہوتا ہے۔ میز پر گلاس ہے۔ گلاس جن الیکٹرانوں

سے بنا ہے ان کا باطنی رخ روشنی ہے اور روشنی کے مقام کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح جسم مٹی کے ذرّات سے مرکب ہے اور جسم کا باطنی رخ روشنی ہے۔ جسم نظر آتا ہے لیکن روشنی نظر نہیں آتی۔ اگر ریاضت سے نظر آجائے تو بتایا نہیں جاسکتا کہ یہ کہاں سے شروع ہورہی ہے اور کہاں پر ختم! ختم ہو بھی رہی ہے یا نہیں—؟

کوانٹم فزکس میں بتایا جاتا ہے کہ الیکٹران مخصوص مقام کے بجائے مرکزہ کے گرد روشنی کی رفتار سے گردش کرتا ہے۔ الیکٹرانوں کے مسلسل حرکت میں ہونے کے باعث ان کی گردش کے تاثر کو دھوئیں یا بادل کی صورت میں موجود تسلیم کیا جاتا ہے، سائنسی اصطلاح میں اسے electron cloud کہتے ہیں۔

آسان الفاظ میں کہیں گے کہ الیکٹران ہمہ وقت ایٹم میں کئی مقامات پر بیک وقت موجود ہے۔ یہ موجودگی کیمیا کی بنیاد ہے کیوں کہ الیکٹران اس صلاحیت کے سبب تمام عناصر کے سالمات (مالیکول) کو آپس میں منسلک رکھتے ہیں۔

**مثال:** محقق پانی کو ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب مانتے ہیں۔ پانی میں ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایٹم، الیکٹرانوں کے ہجوم کی وجہ سے باہم جڑے ہوئے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ایٹموں کو باہم ملانے والا الیکٹران کلاؤڈ ختم ہوجائے تو پانی گیس بن کر اڑ جائے گا۔

الیکٹران کی اصل یا بنیاد روشنی ہے۔ روشنی رنگوں میں تبدیل ہوکر matter بنتی ہے۔

جس دنیا کو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ الیکٹران کے مادی رخ کا مظاہرہ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ مادی ذرّات سے بنی یہ دنیا جس سے ہم شعوری طور پر واقف ہیں، دراصل نقل ہے۔ نقل کی اصل روشنی ہے یعنی الیکٹران کا مخفی رخ جسے موجودہ سائنس لہر یا روشنی کہتی ہے۔ جدید سائنس نے اسے Parallel Universe یا Multiverse کا نام دیا ہے۔

سنیما اسکرین پر شعاعیں بکھرتی ہیں اور مختلف کرداروں کا روپ اختیار کرلیتی ہیں۔ ہم اسکرین پر کرداروں کو اصل سمجھتے ہیں۔ اوپر دیکھیں تو روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں جو پردۂ اسکرین پر بکھرتے ہی شکل و صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ خدوخال کہاں سے آئے—؟ روشنی میں موجود ہیں اور اسکرین پر بکھرنے سے پہلے مادی آنکھوں سے مخفی ہیں۔ روشنی اسکرین پر بکھرتی ہے تو رنگ ظاہر ہوجاتے ہیں۔

پروجیکٹر سے روشنی کا نزول منقطع ہوجائے تو اسکرین توے کی مانند سیاہ دکھائی دیتی ہے۔ فلم کے کردار روشنی میں موجود ہیں اور بکھرنے کے بعد رنگ بنتے ہیں۔ مادی شعور ٹکڑوں میں دیکھنے کا عادی ہے جب کہ روشنی تقسیم نہیں ہے۔ فرد روشنی کو نہیں، مظاہرہ کو دیکھتا ہے اور معنی پہناتا ہے۔

اگر الیکٹران ہمہ وقت دو حالتوں یعنی مادہ اور روشنی کی حالت میں موجود ہے تو کائنات اور افراد کائنات بیک وقت دو حالتوں میں موجود کیوں نہیں ہو سکتے ــــ؟

ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ کائنات ہمہ وقت کئی حالتوں میں موجود ہے۔ ہماری دنیا کے علاوہ بھی دنیائیں ہیں اور ہم عالم ناسوت کے ساتھ تمام عالمین میں بیک وقت موجود ہیں۔

خواب کی کیفیت سے ہر فرد واقف ہے۔ ہم اس شے کو حقیقت سمجھتے ہیں جسے آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور چھو کر محسوس کرتے ہیں۔ خواب کی دنیا میں ہم چیزوں کو چھوتے ہیں، دیکھتے ہیں اور تمام تقاضے پورے کرتے ہیں۔ خوشی اور غم، سکون اور خوف محسوس ہوتا ہے اور بیداری کے بعد جسم پر اثرات قائم ہوتے ہیں یعنی ہم بیک وقت ایک سے زائد دنیاؤں میں ہیں۔

نوبل انعام یافتہ محقق Steven Weinberg لاشمار دنیاؤں کے نظریہ کا حامی ہے اور اس نے اس نظریہ کو ریڈیو کی مثال سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

ریڈیو اسٹیشن سے ریڈیائی لہریں نشر ہوتی ہیں۔ اس طرح کی سینکڑوں لہریں ہر وقت ہمارے کمرے، آفس اور اطراف میں موجود ہیں۔ ہر لہر کی فریکوئنسی الگ ہے۔ ریڈیو کو مخصوص فریکوئنسی پر سیٹ کرتے ہیں تو ریڈیو ان لہروں کو آواز میں تبدیل کر کے ہم تک پہنچاتا ہے اور ہم ایک وقت میں کسی ایک چینل کی نشریات سنتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماحول میں دوسرے چینلوں کی لہریں موجود نہیں ہیں۔ لہریں موجود ہیں ــــ جو فریکوئنسی سیٹ کی گئی ہے، اس کی حدود سے باہر ہیں۔

ہمارا ذہن ریڈیو ریسیور کی طرح مخصوص فریکوئنسی پر سیٹ ہے جس سے ہم کائنات کے مادی رخ کو دیکھتے ہیں۔ ہر دنیا کی فریکوئنسی علیحدہ ہے لیکن ہمارا ذہن ان سے ہم آہنگ نہیں۔

''نبی کریمؐ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا، السلام علیکم یا اہل القبور! اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے پہلے پہنچے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پہنچنے والے ہیں۔ جب صحابہ کرام نے استفسار کیا کہ کیا یہ ہماری باتوں کو سنتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔''

(صحیح مسلم، صحیح بخاری)

ہم جن کو مردہ سمجھتے ہیں وہ دوسری دنیا میں زندہ ہیں، ہماری طرح خوشی، غم اور دیگر کیفیات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کے تمام تقاضے موجود ہیں۔ مادی شعور مرنے کے بعد کی زندگی سے واقف نہیں اس لئے عظیم الشان نظام کا بڑا حصہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی

زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔'' (البقرۃ: ۱۵۴)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔'' (اٰل عمرٰن: ۱۶۹)

مفہوم واضح ہے کہ شہید روشنی یا نور کے زون میں زندہ ہیں اور انہیں پروردگار کی جانب سے تمام وسائل فراہم ہوتے ہیں۔ اسی طرح واقعہ معراج ایک سے زائد عالمین کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضور پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے، ''مرجاؤ مرنے سے پہلے''

انسان کے اندر عالم ناسوت میں رہتے ہوئے مرنے کے بعد کی دنیا سے واقف ہونے کی صلاحیت ہے۔

ایک سے زائد عالمین کا تذکرہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔''

(الفاتحہ: ۱)

آیت میں عالمین کہہ کر نا قابل شمار دنیاؤں کی نشان دہی کی گئی ہے اور ہر عالم میں ضروریات کا کفیل اللہ رب العالمین ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے لاشمار عالمین کی تفصیل مختصراً تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں رباعیات میں بھی ایک سے زائد عالمین یا اس دنیا کے علاوہ دنیاؤں اور ان میں حیات کا ذکر ہے۔ اسرار و رموز سے پُر ان رباعیات میں سے چند پیش ہیں۔

ہے زیر زمین بھی شہر کی آبادی
مٹی کے صنم سے ہے وہاں آزادی
ہے موت کا سایہ بھی وہاں پر ممنوع
ممکن ہی نہیں حیات کی بربادی

کل عمر گزر گئی زمین پر ناشاد
افلاک نے ہر سانس کیا ہے برباد
شاید کہ وہاں خوشی میسر ہو عظیمؔ
ہے زیر زمین بھی ایک دنیا آباد

معلوم نہیں کہاں سے آنا ہے مرا
معلوم نہیں کہاں پہ جانا ہے مرا
یہ علم کہ کچھ علم نہیں ہے مجھ کو
کیا علم کہ کھونا ہے کہ پانا ہے مرا

انجان ہی جسم میں بسایا مجھ کو
انجان ہی دنیا میں بلایا مجھ کو
انجان جہاں سے ہی مجھے بھیجا تھا
انجان جہاں میں ہی اٹھایا مجھ کو

جب آنکھ شبہ کرے شبہ کس کا ہے
انساں جو نہ سمجھے تو گلہ کس کا ہے
اک نور کی دنیا ہے کہیں پر آباد
کچھ علم نہیں ہے وہ صلہ کس کا ہے

ایک ملک سما ہے کہ بلائیں ہیں جہاں
ایک ملک بقا ہے کہ جفائیں ہیں جہاں
ایک ملک فنا زیر زمین ہے آباد
اس ملک کے اندر نہ زمین ہے نہ زماں

شاگرد رشید اس کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ،

''ہر انسان کے اندر بیک وقت دو دنیائیں آباد ہیں، ایک شعوری دنیا اور دوسری لاشعوری دنیا۔ شعوری دنیا محدود ہے اور لاشعوری دنیا لامحدود ہے۔ لامحدود دنیا میں لاکھوں کہکشائیں اور کہکشاؤں میں کروڑوں دنیائیں آباد ہیں۔ ماہرین اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر دنیا میں آدم زاد برادری موجود ہے۔ زمانیت کی درجہ بندی کی وجہ سے اس انسانی برادری کے خدوخال میں تو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی البتہ تخلیقی فارمولے میں یہ فرق ہو جاتا ہے کہ کسی دنیا کی مخلوق transparent ہے، کسی دنیا کی مخلوق سنہری ہے اور کسی دنیا کی مخلوق مرکری ہے۔ لیکن ہر دنیا میں دوسری مخلوقات کے علاوہ آدم زاد یا انسان یقینی طور پر موجود ہے۔'' (نظریہ رنگ و نور)

حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ بیک وقت لاشمار دنیاؤں میں موجود ہے مگر وہ اپنی موجودگی سے واقف نہیں۔ دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ مخلوق پرتوں کا مجموعہ ہے۔ اگر وہ اپنے اندر غور کر کے ان پرتوں سے واقف ہونے کی کوشش کرے تو فرد خود کو ہر جگہ موجود دیکھ سکتا ہے۔ اس کے لئے اسے ایسی حالت میں داخل ہونا ہوگا جہاں وہ پرتوں کا نہیں بلکہ پرت اس کے پابند ہیں۔

یہی کائنات میں انسان کا امتیاز ہے اور یہی جنت کی زندگی میں حاصل وہ نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

''جہاں سے جی چاہے، خوش ہو کر کھاؤ پیو۔''

## اسرارِ کتاب

افلاک* سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر
احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب* اول، سوز و تب و تاب آخر
میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں *اول، طاؤس و رباب *آخر
میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول، دیتے ہیں شراب آخر
کیا دبدبۂ نادر، کیا شوکتِ تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر
خلوت* کی گھڑی گزری، جلوت* کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر
تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر
افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

(کلام: حضرت علامہ محمد اقبالؒ)

*افلاک (آسمان)، *سوز و تب و تاب (عشق کی تپش و بے قراری)، *شمشیر و سناں (تلوار و نیزہ)، *طاؤس و رباب (باجا و سارنگی)، *خلوت (تنہائی)، *جلوت (محفل)

# بچوں کے لئے لکھنا

مضمون کا عنوان ہونا چاہئے تھا ''بچوں کا ادب''۔ دوسروں نے یہی عنوان رکھا ہے لیکن خاکسار ناچیز کو خیال آیا کہ ''بچوں کا ادب'' کا مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ ایک نہیں دو مضمون لکھو، ۱۔ بچوں کا ادب، ۲۔ بڑوں کا ادب۔ یعنی بچے کس طرح ادب کرتے ہیں اور بڑوں کا کس طرح ادب کرنا چاہئے۔ میں کیوں ایسا عنوان دوں جس کا وہ مطلب نکلتا ہو جو لکھنے والا نہیں نکالنا چاہتا۔ لکھنے والا صرف اتنا کہنا چاہتا ہے کہ بچوں کے لئے کیسے لکھنا چاہئے، کیا اور کیوں لکھنا چاہئے اور کسے لکھنا چاہئے۔

قلم دوات، انگلیاں، کاغذ اور میز جھاڑ پونچھ کر سیدھے سادے سوالوں کا جواب لکھنے بیٹھا تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ بھائی، جواب تو میری جیب میں دھرے ہیں۔ قلم اٹھایا تو پتہ چلا کہ دوسروں نے برسوں پہلے ان معاملات پر سر کھپایا اور ہم جیسوں کو راستہ بتایا ہے۔

خود لکھنے سے پہلے، ہمیشہ وہ پڑھ لینا چاہئے جو ہم سے پہلے کے لکھنے والے لکھ گئے۔ باپ کے کندھے پر بیٹھنے سے بیٹے کا قد اونچا ہوتا ہے۔ اکیلے اپنے آپ اچھلتے رہنے سے وہ باپ کے گھٹنے تک پہنچتا ہے، بہت ہوا تو کندھے تک۔

دل نے کان میں کہا کہ بھلے آدمی! لکھنے سے پہلے اگلوں کا لکھا پڑھ لو۔ پڑھنے بیٹھے تو چودہ طبق روشن ہوگئے۔ ایک ڈھیر ہے سوچ بچار کا، علم اور تجربہ کا، برسوں لگ جائیں تمام نہ ہو۔

خیر جی، ''پیام تعلیم'' والوں کا ''ذاکر نمبر'' نکلنا تھا ہم کو اس میں لکھنا تھا۔ ہم نے آسانی کی خاطر پانچ کتابیں چن لیں۔ انگریزی زبان کی نظموں کا مجموعہ، ایک سے ایک بڑھیا نظم، گیت اور ترانے، پھر ان پر عمدہ دیباچہ، روسی رسالہ ''بچوں کا ادب'' جو ابھی 1966ء سے روسی زبان میں ماسکو سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ کیا کیا بحثیلے* مضمون چھپے ہیں اس میں۔

پھر جامعہ ملیہ کی نیک دل خاتون مشیر فاطمہ کی ''بچوں کے ادب کی خصوصیات'' معلومات بھری کتاب ہے اور لکھنے والوں کے کام کی ہے۔ پھر کراچی والے ''ساقی'' رسالہ کے جوبلی نمبر میں مضمون ''بچوں کا ادب'' اور اس کے بڑی عمر کے نہایت سمجھ دار بچے مجتبیٰ حسین کا مضمون ''اردو میں بچوں کا ادب۔''

پوچھو، کیوں انگریزی، روسی، پاکستانی اور ہندوستانی

---

* بحثیلے (دلائل اور بحث سے بھرپور)

مضمون کو پڑھنے کے لئے چنا؟ تو میرے بھائی راز کی بات بتادیں۔ علامہ اقبالؒ کا ایک شعر ہم نے تعویذ بنا کر گلے میں ڈال رکھا ہے۔ مرحوم نے فرمایا تھا:

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

جہاں بھی اندھیرا ہو، اس میں اجالا کرو۔ کرن جہاں سے ملتی ہو، لے آؤ کیا مشرق اور کیا مغرب۔ اگر ایک طرف سے بھی نفرت کی تو پورا ایک بازار بند کرلو گے۔

حضرت علیؓ کیسے کمال کے آدمی تھے، انہوں نے اس سے بھی اونچی بات کہی کہ برخوردار! عقل کی ہر بات کو یوں جانو جیسے ایمان دار آدمی کی کھوئی ہوئی چیز ہو۔ جہاں جب اور جس کے پاس مل جائے لے آؤ۔

○ ○ ○

انگریزی زبان اور روسی زبان بولنے والی قوموں کی آپس میں کھٹکتی ہے، دل بھی صاف نہیں ہیں معاملات میں بھی گرہ پڑی ہے لیکن بچے سب کے ہاں ایک سے معصوم اور پیارے ہوتے ہیں۔

سب اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی فکر میں ہیں۔ تو ہمیں دونوں طرف کی بات سننی چاہئے تاکہ کان کھلیں اور آنکھیں روشن ہوں۔ ایک ہی طرف کی سنیں اور دیکھیں تو پھر وہی خطرہ ایک کان بہرا اور ایک بازار بند رہ جائے گا۔ علم اور خبر کے سارے بازار کھلے رکھنے ضروری ہیں۔

اچھا صاحب! تھوڑا بہت پڑھ بھی لیا۔ پڑھنے کے بعد سوچا بھی، کان بھی کھجایا کہ لو، یہ علم بھی دریاؤ نکلا۔ جتنا پڑھو اور سوچو خیال آتا ہے کہ دریا میں سے چلو چلو پانی لے رہے ہیں، جب ذرا ٹانکی * بھر لی تو چلے اس میں نلکا لگانے کہ دوسروں تک بھی پہنچے۔ نلکا ہوا ہمارا قلم کہ ہماری جمع پونجی دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ جتنا ٹانکی میں بھرا ہے اگر سب بوند بوند کر کے رس گیا تو ہمارے پاس کیا بچے گا؟

اس لئے اپنے قلم سے بڑھ کر بھاری قلم، ٹانکی کے اوپر لگے رہنے ضروری ہیں کہ ادھر سے جائے تو ادھر سے آتا رہے۔ ہم سے اگلوں نے جو کچھ لکھا اِن ٹانکیوں سے ملتا ہے تو تھوڑا بہت چھن چھنا کر آگے چلتا ہے۔

○ ○ ○

لطیفہ: استاد نے کلاس میں سوال کیا، اے بچو! یہ بتاؤ بچوں کے ادب اور بچوں کے ادیب میں کیا فرق ہے؟

تیز طرار لڑکے نے جواب دیا، فرق یہ کہ بچے تو پڑھ لکھ کر بڑے ہو جاتے ہیں — بچوں کے ادیب لکھ لکھ کر ختم ہو جاتے ہیں کبھی بڑے نہیں ہوتے۔

لڑکے نے بات سچ کہی۔ لوگ یہ سوچ کر لکھتے ہیں کہ میاں بچہ کو بہلانا کون سی مشکل بات ہے، وہ عمر بھر بچے کے بچے رہتے ہیں، ان کی ٹنکیاں خالی رہ جاتی ہیں۔

بچوں کا ادب لکھنے کو خود بچہ بننا پڑتا ہے لیکن کیسا بچہ —؟ وہ جس کو مشکل سے مشکل بات مزہ مزہ میں

---

*ٹانکی (ٹنکی)

کہنا آتی ہو۔تم جانو، یہ خود بڑا مشکل کام ہے۔ بہت سا پڑھو، بہت سا سوچو، خود اپنا لکھا ہوا کاٹ کاٹ کر پھینکو تب کہیں جا کر آسانی ہوتی ہے۔

جب ہم نے بچوں کے لئے لکھنا چاہا تو خیال آیا کہ بچہ آدمی کا باپ ہوتا ہے۔ جب ہم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوں گے تو وہ دیس دیس چوکڑیاں بھرتا پھرے گا۔ بچوں کے لئے لکھنا آدمی کے مستقبل سے بات کرنا ہے، مستقبل کے مزاج کا اندازہ لگانا ہے۔

یہ تو میاں دانش وروں کے کام ہیں کہ ایک طرف تو یہ دھیان میں رکھو کہ ہم بھی بچے تھے اور ایسی ایسی شرارتیں کیا کرتے تھے، ہمیں ایسی ایسی چیزوں کی تلاش رہا کرتی تھی۔ یعنی ہر قدم پر پچھلے دنوں کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے جاؤ اور آگے بھی چلتے جاؤ۔ اوپر سے شرط کہ دائیں بائیں کا خیال رہے یعنی جو بات کہنی ہے آس پاس کی چیزوں میں سے چنو اور زبان بھی اپنے زمانہ کی رکھو۔ خیال تو کہے کہ کہیں دور بادلوں میں سے آواز آرہی ہے۔ زبان کہے کہ ارے میں تو تمہاری ہم جولی ہوں — پہچانتے نہیں ہو کیا میاں صاحب زادے؟

بچوں کے لئے لکھنا بوڑھوں کا کام ہے۔ پوچھو، کون سی وضع کے بوڑھے؟ تو ایسے بڈھے جو بہت کھانستے کھنکھارتے نہ ہوں، مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے ہوں۔ قصے کہانی سناتے ہوں اور اُس دنیا کی سیر کراتے ہوں جہاں بچے نہیں، بچوں کے خیال جاتے ہیں۔ ویسے بوڑھے جو بچوں میں بچے بن سکتے ہوں اور بچوں کا تماشا بننے سے شرماتے نہ ہوں۔

انجانی دنیا کے سیر سپاٹے کا شوق آدمی کے لہو میں بھرا ہے۔ بچہ کے لہو میں اوسط سے کچھ زیادہ تیزی ہوتی ہے۔ وہ تلاش کا دیوانہ رہتا ہے۔ ''بالک بندر ایک سمان'' دونوں کو آم گننے سے زیادہ آم کی ڈال پر چڑھنا اچھا لگتا ہے، سپاٹ میدان سے زیادہ ٹیلوں پر اچھلنا کودنا پسند ہے، رنگارنگی اور نیرنگی* پسند ہے تو لکھنے والے کا فرض ہے (یہ میں نہیں بتا رہا، روس کے ایک درد بھرے بچے میکسم گورکی نے لکھا ہے) کہ باتیں اہم ہوں، بھاری بھرکم ہوں، زندگی کے راز کھولتی ہوں، پر ان کی زبان، ان کا ڈھب کچھ ایسا ہو کہ پڑھنے میں مزا آئے۔ خوشی ہو اور خیال آگے کو جائے۔ خیال آگے کو تو وہی لے جائے گا جس کا خیال خود بھی قلانچ* بھرتا ہو۔ تھکے ہارے خیال کو زبان مزہ کی مل بھی گئی تو کس کام کی؟ دھوبیوں کی برات نکل جائے گی۔ ایک سے ایک ستھرا چمکیلا کپڑا، لیکن صاف دکھائی دے گا کہ فٹ نہیں بیٹھا، ان کے بدن پر نہیں جچا، اوپر سے ڈال لیا ہے۔

اچھی زبان سکھانا بھی بچوں کے ادب کا ایک مقصد ہے۔ جن کتابوں، کتابچوں کو وہ بچپن یا لڑکپن میں

---

*نیرنگی (شعبدہ سازی، جادوگری)، *قلانچ (چھلانگ)

شوق سے پڑھ لیں گے ان کی زبان کا ذائقہ پکے بالوں کی عمر تک یاد رہے گا۔

زبان کی خوب صورتی ماں کی مامتا کا ٹکڑا سمجھو۔ زبان ایسی لکھی جائے جو بہت کچھ تو جانی پہچانی ہو اور کسی قدر انجانی کہ پڑھنے میں مزا ملے تو آگے جاننے کا شوق بھی لگا رہے۔ جانی پہچانی نرم اور رواں زبان اگر ماں کا لاڈ ہے تو انجانے لفظ اور محاورے ماں کی گھرکی* ہیں لیکن اس گھرکی میں بھی ایک چاؤ ہوتا ہے۔ اسے زبان کا رچاؤ کہتے ہیں۔

اسماعیلؔ میرٹھی اور اقبالؒ نے بچوں کے لئے جو یاد رکھنے کے قابل نظمیں لکھی ہیں ان میں بعض ایسے لفظ بھی رکھ دیئے ہیں جنہیں استاد اور بزرگوں سے مدد لیے بغیر بچے نہیں جانتے۔ یہ نظمیں بچوں کو یاد ہیں۔ بچوں کے باپ دادا تک کو یاد ہیں۔ کیوں؟ کیوں؟

کیوں کہ جب وہ خود بچہ تھے تو انہیں ان پڑھ بچہ نہیں سمجھا گیا تھا۔ لکھنے والے کا فرض ہے کہ بچہ کو بہت بچہ نہ سمجھے۔ مجتبیٰ حسین نے اچھی بات کہی،

''اقبالؒ بچوں کی بزرگی سے پوری طرح واقف تھے اسی وجہ سے ان کا کلام بچوں کو پوری طرح اپنا سکا ہے۔ نظیرؔ کی نظمیں بچوں کو پسند ہیں کیوں کہ وہ خود بھی خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی خوش کرنا جانتے ہیں۔ اسماعیلؔ میرٹھی میں تازگی اور بچپن ہے اسی لئے بچوں کے دل کو بھاتے ہیں۔''

واقعی میرے دل سے پوچھو تو ''بچوں کا ادب'' وہی سب سے اچھا ہے جسے بچوں کے باپ دادا بھی پڑھ کر لطف لیں جس طرح موسم کے پھل، تہوار کی جلیبی اور برفی کہ بچے بوڑھے دونوں خوش۔ مزہ کا مزہ۔ غذا کی غذا۔

○ ○ ○

''بچوں کا ادب'' اسکول کے سبق کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ جی نہ لگے لیکن پڑھنا ہی ہے۔ یہ جان کر پڑھا جاتا ہے کہ ہمیں پڑھایا جا رہا ہے۔

**لطیفہ:** دو بھائی اسکول سے بستہ بغل میں دبائے چلے آ رہے تھے۔ آخری گھنٹا جغرافیہ کا تھا۔ وہ روز اسکول سے بھاگ لیتے اور بازاروں میں کھیل کود کر، کپڑے گندے کر کے گھر آتے۔

چچا جان ایک جلاد! انہیں معلوم ہوا تو فچی* لے کر آنگن میں بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیسے نہیں پڑھتے جغرافیہ۔

دونوں کو دیکھتے ہی پوچھا: بولو کہاں سے آ رہے ہو؟

دونوں بھائی بولے: اسکول سے۔

اتنی جلدی کیسے آ گئے ابھی تو چھٹی نہیں ہوئی۔

آج جلدی چھٹی ہوگئی، جغرافیہ کے ماسٹر بیمار ہیں۔

کس ضلع کے ہیں تمہارے ماسٹر؟

پھپھوند پور کے۔

پھپھوند پور کس صوبہ میں ہے؟

اتر پردیش میں۔

کون سا دریا بہتا ہے پھپھوند پور سے بنارس کی

---

* گھرکی (جھڑکی، ڈانٹ ڈپٹ)، *فچی (چاقو، ہنٹر)

طرف؟ دونوں بھائی چپ رہے۔ ایک نے دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

پھر ایک نے جواب دیا: پھپھوندر یا۔

ابے نالائق دنیا میں کوئی پھپھوندر یا بھی ہے کیا؟

دوسرے نے بستہ پھینکا اور باہر کی طرف بھاگا اور وہاں سے پکارا — بھائی جان بھاگو — چچا تو آج جغرافیہ پڑھا رہے ہیں۔ چچا جان منہ تکتے رہ گئے اور دونوں بھائی بھاگ لیے۔

بچوں کے ادب میں سبق پڑھانے اور فیچی لے کر یا قہقہہ لگا کر ادب تمیز سکھانے کی بو باس نہیں آنی چاہئے۔ نہیں تو ایسے بھی بچے ہوتے ہیں جو اسے جغرافیہ کا سبق سمجھ کر بستہ پھینک پھانک بھاگ لیتے ہیں۔

دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر جغادری* ادیب اور خرانٹ شاعر نے بچوں کے لئے لکھا ہے۔ Daniel Defoe کو ''رابن سن کروسو'' لکھے ہوئے دو صدیاں بیت گئیں۔ روسی شاعر پوشکن نے بچوں کے لئے اس وقت قلم اٹھایا جب وہ معرکہ کی نظمیں لکھ چکا تھا۔ آج ڈیڑھ سو برس ہونے کو آرہے ہیں، اب بھی تازہ ہیں اس کی وہ کہانیاں۔ ٹالسٹائی جو گاندھی جی کے بھی استاد تھے انہوں نے قلم سنبھال کر جی لگا کر بچوں کے لئے کہانیاں لکھیں، اب بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ Samuil Marshak اول درجہ کے شاعر ہیں، بچوں کے لئے خاص کر لکھتے ہیں۔

انگریزی زبان میں درجنوں کتابیں ہیں بچوں کی نظموں اور کہانیوں کی، اعلیٰ درجہ کے لکھاریوں کی اور ایسی بنی ٹھنی جیسے بچے میلے میں جانے کو نکلے ہوں۔

ارے تم ''پنچ تنتر'' اور ''انوارِ سہیلی'' کو دیکھ لو۔ جانوروں کی زبان میں آدمی کی روزمرہ کی داستان ہے۔ برہمن دور کی کوڑی لاتا ہے۔ جو خود کہنا چاہتا ہے وہ چرندوں پرندوں کی زبان سے کہلواتا ہے تاکہ پکڑ میں نہ آئے اور عقل کی بات بھی بانٹ دے۔

بچپن سے مجھے کٹھ پتلی کا تماشا دیکھنے کا شوق ہے۔ آدھی دنیا کی کٹھ پتلیاں دیکھی ہیں۔ انہیں تماشے کرتے اور بچوں کی آواز میں بڑے بڑوں کے کان کاٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ کسی استاد یا بزرگ کی نصیحت کا ایسا اثر نہیں ہوتا جتنا کٹھ پتلی کی بات کا۔ جب بچوں کا ادب لکھنے والے انہیں شاعری یا مضمون میں نصیحتیں فرماتے تو ایسا لگتا ہے جیسے نو سو چوہے کھا کے بلی — ؟

لیکن جب کٹھ پتلی کی خرگوشنی دیوار پر سے اچک کر گردن ہلا کر آنکھیں گھما کر خرکوش کے بچے کو آواز دیتی ہے — ''بیٹے مٹو کہاں ہو؟ دھوپ نکل آئی جلدی سے اٹھو۔ چرن سنگھ کے کھیت سے ہری ہری دوب* لائی ہوں چلو ناشتا کرلو۔''

مٹو دیوار پر ہاتھ رکھ کر خوشی سے کہتا ہے، ''ماں ذرا ٹھہرنا

---

*جغادری (گھاگ، تجربہ کار)، *دوب (باریک نرم گھاس)

منہ دھولوں کلی کرلوں، ابھی آتا ہوں ناشتا کرنے۔''

ہال میں بیٹھے ہوئے بچے نصیحت کو نصیحت جانے بغیر، دل سے قبول کر لیتے ہیں۔ دل میں سوچتے ہیں کہ ہاں خرگوش کا بچہ تو منہ ہاتھ دھوئے بغیر ناشتا نہ کرے اور میں اتنا بڑا، *ڈِھینگ کا ڈِھینگ ـــ توبہ توبہ ـــ میں بھلا۔

بچے ایسے خرگوش ہوتے ہیں کہ ماں کی نصیحت اس کان سنتے ، اس کان اڑا دیتے ہیں لیکن کاٹھ کے خرگوشوں کی بات کا اثر لیتے ہیں۔

اور بچوں کا کیا دوش ، بزرگوار، جگت چچا شیخ سعدی نے اپنی گلستان میں بچپن کی بدتمیزی کے کئی واقعے لکھے ہیں۔ کچھ اس انداز سے لکھے ہیں کہ جس عمر میں پڑھو، اور ہی لطف آتا ہے۔ آدمی تمیز سیکھتا ہے۔ فارسی زبان کی خوب صورتی کا جواب نہیں اور اس میں بھی شیخ سعدی کا جواب نہیں کہ عقل کی بات یوں سادگی سے کرتے ہیں جیسے بچے آپس میں بات کر رہے ہوں۔

بچوں کی سادگی میں شفق کی سی رنگینی ہوتی ہے تو ان کے ادب میں بھی ہونی چاہئے۔ وہ مشہور لطیفہ ہے نا،

''ابا ابا مجھے ڈھول لے دیجئے، جی چاہ رہا ہے۔''

''نا بیٹے! تم ڈھول بجاؤ گے تو دن بھر کان پڑی آواز نہیں سنائی دے گی۔''

''نہیں ابا دن میں نہیں بجاؤں گا رات کو بجاؤں گا جب آپ سو جائیں گے۔''

اس لطیفہ کی سادگی میں جو منطق ہے وہ بچوں کے اکثر سوالوں میں چھپی ہوتی ہے۔ اور یہ سادہ سی معصوم سی منطق بچوں کے ادب میں بھی چھپی ہونی چاہئے۔ صرف چٹکلوں کی مثال اچار چٹنی کی سی ہے۔ بچوں کے ادب میں زندگی کے معاملات کی پرکھ بھی دینی چاہئے شیخ سعدی کی طرح سادگی کے ساتھ۔ جو چیزیں بے وجہ، بے ضرورت، بے مقصد اور بے منطق لکھی جائیں گی وہ کاغذ کے علاوہ بچوں کا ذوق بھی برباد کریں گی۔

بچے عین فطرت ہیں، انہیں ابھی زمانہ کے چھل کپٹ * سے واسطہ نہیں پڑا ہوتا اس لئے وہ نہیں جانتے کہ بہت سی نامعقول باتوں پر اس لئے داد دینا پڑتی ہے کہ داد نہ دینے میں اپنی خیریت نہیں۔ بچوں کی زبان سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جنہیں منہ پر لاتے ہوئے بڑے بڑے ڈرتے ہیں اس لئے تو کہا ہے کہ فطرت بچہ کی زبان میں ہم کلام ہوتی ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ ناچیز خاکسار اتنا سمجھ پایا اگر بچوں کے لئے لکھنا ہے تو فطرت اور بچہ دونوں سے ہم کلام ہونا ہے، وضو کر لیا جائے۔

ناصاحب اپنے بس کی بات نہیں ہے بچوں کے ادب پر مضمون لکھنا۔ آدمی بہت سا بچوں کا ادب لکھ لے، تب جانے کہ بچوں کا ادب کیا ہوتا ہے ـــ اور کیوں ہوتا ہے؟ کیوں کا جواب نہیں دیں گے تو بچے جان کو آجائیں گے۔

---

*ڈھینگ (لمبی ٹانگوں والا آبی پرندہ)، * چھل کپٹ (دھوکا، فریب)

محمد الدین فوق

# شہنشاہ ظرافت ـــــ ملا دوپیازہ

لطافت وظرافت کے شہنشاہ، والی ملک زندہ دلی وخوش طبعی، بذلہ سنجی وحاضر جوابی، سریر آرائے سلطنت شوخی ودل لگی ـــــ ابوالحسن ملا دوپیازہ کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ قارئین کی خوش طبعی کے لئے ابوالحسن دوپیازہ کی سوانح عمری پیش خدمت ہے جو مؤلف ''محمد الدین فوق'' نے 1911ء میں ترتیب دے کر شائع کی۔

ابوالحسن کو خبر نہیں تھی کہ شرارت کا نتیجہ خاندان کے حق میں زہریلا ہوگا۔ مدعا صرف یہ تھا کہ خصمیہ کو جلا ستا کر دل کا بخار نکالے مگر یہاں لینے کے دینے پڑ گئے۔ باپ کے جانے کے بعد خاوند کش عورت مال واسباب لے کر میکے چلی گئی اور ابوالحسن باپ کی تلاش میں گردش ایام کے زیر سایہ ہو کر خراب وخستہ ہونے لگا۔

گردش ایام سے بے خطر رہنے والو! سوچو اور غور کرو وہ ابوالحسن جو والدین کی گود میں نہایت ناز سے پلا تھا، جس کے آرام وآسائش کے لئے وافر سامان موجود تھا، جس کا بچپن بادشاہی زمانہ تھا، اب وہ شہر بہ شہر اور در بدر خراب وخستہ ہو رہا تھا۔ بدن پر میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے، کھانے کو پھوٹی کوڑی نہیں۔ کسی نے ترس کھا کر دے دیا تو کھالیا ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔

سب سے پہلے مکہ جا کر باپ کو تلاش کیا مگر گوہر مقصود دامنِ امید میں نہ آیا۔ آوارہ گردی کے دوران ایرانی قافلہ ملا، قافلہ والے اس کی زبان سے ناواقف مگر سپہ سالار قافلہ عربی جانتا تھا۔ ابوالحسن کی کہانی سنی تو دل میں ایرانی مہمان نوازی اور شیرازی دعوت نے جوش مارا۔ اس نے لڑکے کے کپڑے بدلوائے، کھانے کو دیا اور اپنے ہم راہ لے کر ایران کے شہر تہران پہنچا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کا شہنشاہ ہمایوں، بھائیوں اور جان لیوا دشمنوں سے تنگ آ کر سلطنت کو خیر باد کہہ چکا تھا اور جان بچا کر ایران آیا تھا۔

ادھر شیر شاہ سوری اور اس کی اولاد سمجھتی ہوگی کہ اب خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہو گیا، اور ہندوستان کی حکومت ہمیشہ کے لئے ہمارے ہاتھوں میں آ گئی مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ ہمایوں کی دربدری کے وقت اس کی اہلیہ امید سے تھی۔ جلاوطنی کے دوران بیٹے کی ولادت ہوئی، بچہ کا نام جلال الدین اکبر رکھا گیا۔

شاہ ایران نے بے ملک بادشاہ (ہمایوں) کی نہایت خاطرداری کی اور کئی سال تک بے سروسامان مہمان کو شاہی مہمان بنا کر رکھا۔ ہمایوں کے پانچ دس گنتی کے نمک حلال وفاداروں میں سے ایک مرزا اللہ بخش خان تھے جو بادشاہت کے زمانہ میں فوج کے سپہ سالار تھے۔

امیر قافلہ جو ابوالحسن کو مکہ مکرمہ سے ساتھ لائے تھے، جرنیل اکبر علی خان سے ان کی اچھی دوستی تھی۔ مرزا اللہ بخش خان، ابوالحسن کے لطائف وظرافت سن کر خوش ہوتے تھے۔ ہمایوں ایران سے مدد لے کر ہندوستان واپس ہوا تو ابوالحسن کو بھی مرزا نے ساتھ لے لیا۔

مغلیہ خاندان کا بے ملک بادشاہ ایران سے واپسی کے وقت یاوری اقبال اور بخت بیدار بھی ساتھ لایا۔ پہلے ہرات کو سنبھالا اس کے بعد کابل پر سکہ جمایا، پھر تینوں بھائیوں کو جو اس کی بے وطنی، مصیبت اور تباہی کا باعث تھے، قید کر کے پورے افغانستان کا اقتدار سنبھالا۔ اب ہر طرف اس کا دور دورہ تھا۔

اب شیر شاہی اور سلیم شاہی زمانہ نہیں تھا کہ ہمایوں کی ہندوستان میں دال نہ گلتی۔ طوائف الملوکی نے ہمایوں کو جرأت دلائی کہ وہ ہندوستان پر قبضہ کر لے چناں چہ خفیف لڑائیوں کے بعد ہمایوں پھر اس تخت پر بیٹھا جس پر دس پندرہ سال پہلے براجمان تھا۔

مرزا اللہ بخش خان ایک جنگ کے دوران کابل میں قتل ہو گئے تھے۔ ابوالحسن پریشان ہو گیا مگر اس قدر دان امیر نے مرنے سے پہلے اسے بادشاہی فوج ظفر موج کے ساتھ ہندوستان پہنچا دیا تھا۔ گھر میں سوتیلی ماں کی لڑائی روز دیکھتا تھا— خوں ریز جنگ کا نظارہ جنگ چھپواڑہ میں نصیب ہوا۔

دلّی آ کر مسجد کی امامت کی۔ عربی وضع کے آدمی، اس پر ظریف طبیعت، خوش مذاق اور پھر خوش آوازی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ دلّی والوں کو ابوالحسن کی اتنی قدر ہوئی کہ وہ ضیافت اور مجلس جو ابوالحسن کی شمولیت سے محروم تھی اور پھیکی سمجھی جاتی تھی اب ظرافت میں تبدیل ہو گئی۔ شہرت اور قدر دانی عوام اور غربا سے گزر کر خواص اور امرا کے کانوں تک پہنچی اور تھوڑے دنوں میں ابوالحسن شاہی دعوتوں اور مجلسوں میں نظر آنے لگا اور شاہی دربار میں جانے کی راہ ہموار ہوئی۔

جلال الدین اکبر تخت شاہی پر براجمان تھا۔ اس نے منتخب روزگار اور اہل ہنر اشخاص دارالسلطنت میں اکٹھے کئے۔ مجلس میں ابوالفضل علامی کا بھائی ملک الشعرا شیخ ابوالفضل فیضی بھی تھا۔ فیضی نے ابوالحسن کو دعوت میں بلایا اور دو پیازہ جو اس زمانہ میں نہایت لذیذ اور نفیس کھانا سمجھا جاتا تھا، خاص ابوالحسن کے لئے تیار کروایا۔

ابوالحسن نے شوق اور رغبت سے دو پیازہ کھایا، اتنا پسند آیا کہ دیگر کھانوں کو بھول گیا۔

بے چین ہو کر پوچھا، اس کھانے کا نام کیا ہے؟

فیضی نے کہا، دو پیازہ۔

ابوالحسن نے عہد کیا کہ جس دعوت میں دو پیازہ نہ ہو،

بندہ کے لیے وہ دعوت ـــ عداوت ہو جائے گی۔

ابوالحسن صاحب بات کے پکے نکلے۔ جس طرح دعوت اور ابوالحسن لازم اور ملزوم ہو گئے تھے اسی طرح دعوت اور دو پیازہ بھی علت و معلول تھے۔

بات دلّی میں یہاں تک مشہور ہو گئی کہ عوام نے خود بخود بغیر کسی تحریک و تائید کے ابوالحسن کو ملا دو پیازہ کا خطاب دے دیا۔ نام ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام فراموش ہو گیا۔ اب بھی کم لوگ ہیں جو ان کے اصل نام سے واقف ہیں۔ پچھلے دنوں ''ملا دو پیازہ'' کے نام سے لاہور سے اخبار بھی نکلتا تھا۔

ملا ابوالحسن صاحب نے مکتب قائم کیا اور لڑکوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ عبدالجبار نامی شاگرد لطائف اور شوخی و شرارت میں ان کا فرزند معنوی تھا۔ طبیعت ذرا موزوں تھی۔

عرض کیا، استاد جی! غزل کہنے کو جی چاہتا ہے کوئی مصرع طرح دیجئے۔ انہوں نے مصرع طرح دیا،

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

ترجمہ: ''کچھ عجب نہیں کہ بادشاہ ایک گدا کو نواز دیں''

''سعادت مند شاگرد'' نے مندرجہ ذیل اشعار لکھے:

استاد کو میدان میں آج ہم نے پچھاڑا
چھاتی پہ چڑھے، کود کے بالوں کو اکھاڑا
استاد کے مصرع پہ لگاتے ہیں گرہ ہم
شاعر ہمیں کر دیجئے یا پیر بخارا
یہ طرفہ غزل ہم نے کہی مولوی صاحب
اصلاح سے دل کیجئے خورسند ہمارا
اپنی ہی غزل پر میں ہوا داد کا خواہاں
''شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را''

استاد غزل سن کر چیں بہ جبیں (تیوری پر بل آنا) ہوئے۔ بظاہر کچھ نہ کہا مگر دل میں کہتے تھے، واقعی جائے استاد خالی است۔

استاد صاحب نے سوچا کہ اب ہمارے کان کترنے لگا ہے۔ آخر غصہ ضبط کیا اور فرمایا، غزل بہت اچھی کہی۔ اصلاح کی ضرورت نہیں مگر ایک شعر کی کمی ہے، وہ ہم خود لکھے دیتے ہیں۔ قلم دوات لے کر چار شعر غزل میں اس شعر کا اضافہ کر دیا،

یہ طرفہ غزل لائے ہو استاد کے آگے
صد لعنت و پھٹکار چنیں ذہن رسا را

ملا دو پیازہ کس طرح اکبر کے دربار میں داخل ہوئے، اس کی نسبت دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

**پہلی روایت:** کہتے ہیں کہ ایک نہایت بدمزاج عورت نے دربار شاہی میں استغاثہ پیش کیا کہ اس کے ساتھ ایک شخص نے زبردستی کی ہے۔ اہل دربار نے بات کو قابل اعتبار نہ جان کر ہنسی میں اڑا دینا چاہا مگر بادشاہ کا دل جو رنگا رنگ کا نمونہ تھا، اس بات پر مائل ہوا کہ تحقیقات ہونی چاہئے۔ مجرم کا پتہ لگا کر اسے سزا دی جائے یا عورت کے استغاثہ کی وجہ معلوم ہو۔ چناں چہ حکم دیا کہ مجرم کا پتہ لگانے والے کو انعام دیا جائے گا۔ حکم سن کر انعام کے شائق افراد نے بدصورت اور

بدشکل آدمیوں کو پکڑ کر دربار میں پیش کیا۔ جو آدمی پیش ہوتا عورت کہہ دیتی کہ یہ نہیں ہے۔

حصول انعام کے شوق نے ملا دوپیازہ کو بھی مجرم کی تلاش کی طرف مائل کیا۔ آخر کار وہ ایک شکیل وحسین نوجوان کو پکڑ کر دربار شاہی میں لے پہنچے۔ لوگ متحیر ہوئے کہ بھولے بھالے خوب صورت اور قد آور جوان سے ایسا فعل وقوع میں آنا بظاہر ناممکن ہے۔ عورت کی اس جوان پر نظر پڑی تو کہنے لگی کہ ہاں فی الواقع یہی شخص ہے۔ بادشاہ نے کہا اس کو پیش کرو جو اس کو پکڑ کر لایا ہے۔ ابوالحسن صاحب حاضر ہوئے تو اکبر نے پوچھا، تمہیں نوجوان پر کیوں کر شک ہوا۔

انہوں نے کہا، جناب عالی میں نے دیکھا کہ یہ شخص بہ ایں شکل وصورت نالے کے نیچے بیٹھا ہاتھ دھو اور کلیاں کر رہا تھا، سوچا کہ جسے نالے سے ہاتھ منہ دھونے میں مسئلہ نہیں، اسے خوش مزاجی و بدمزاجی سے کیا مطلب! اس کی غرض مقصد حاصل کرنا ہے۔ غالباً مجرم یہی ہے۔

بادشاہ نے ان کے ذہن رسا کی داد دی اور بیش قیمت انعامات سے نوازا۔ کہا کہ آج سے ہر روز دربارِ عام ہو یا دربارِ خاص، بے تکلف آیا کرو۔

**دوسری روایت :** ان دنوں لاہور میں ایک قاضی صاحب بڑے اہل علم میں شمار ہوتے تھے مگر تکبر وغرور کے نشہ میں سرمست تھے۔ ابوالفضل علامی اور فیضی سے ہمیشہ علمی چھیڑ چھاڑ رہا کرتی۔ بعض معاملات میں وہ دونوں بھائیوں پر فوقیت لے جاتے تھے مگر صرف ونحو میں مہارت نہ تھی۔

فیضی نے ایک روز دوپیازہ سے ان کی شکایت کی۔ پھر موقع پا کر اکبر سے ابوالحسن کی حاضر جوابی اور ظریفانہ گفتگو کا تذکرہ کیا۔ اکبر نے حاضر ہونے کا حکم دیا۔

دوسرے روز ابوالفضل علامی اور فیضی کے علاوہ قاضی صاحب بھی دربار میں موجود تھے۔ ابوالحسن کا انتظار تھا۔

دوپیازہ صاحب سوگز کا عمامہ سر پر باندھے اور پچاس گز کا شملہ پس پشت چھوڑے، جس کو ایک طشت کلاں (بڑے تھال) میں دھر کے نوکر لا رہا تھا۔ غرض بایں ہیئت کذائی دربار میں داخل ہوئے۔

بادشاہ یہ منظر دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

حاضرین آداب مجلس اور رعب شاہی کی وجہ سے ہنس نہ سکے۔ سب نے منہ میں رومال ٹھونس لیے۔

ابوالحسن عرف دوپیازہ آداب شاہی بجا لائے اور قاضی صاحب کے پہلو میں جا بیٹھے۔

قاضی صاحب نے ان سے پوچھا، آپ کا ملازم طشت میں کیا چیز اٹھائے کھڑا ہے۔

دوپیازہ نے کمال برجستگی سے جواب دیا، شملہ۔

قاضی صاحب نے کہا، شملہ اور اس قدر۔

جواب دیا، شاید آپ نے نہیں سنا کہ شملہ بمقدار علم۔

حاضرین دربار ہنس پڑے، بادشاہ بھی ضبط نہ کر سکا۔

تعجب اور حیرانی کی بات ہے کہ ملا دوپیازہ کا ذکر کسی معتبر تاریخ میں نہیں ملتا۔ ایسا مشہور شخص کہ بچہ بچہ اس

کے نام سے واقف ہو اور مؤرخ اس کا نام تک نہ لکھیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی اور دیگر مؤرخین نے بھی نہ لکھا۔ اور موجودہ زمانہ کے زبردست اہل قلم پروفیسر آزاد نے بھی ان کے حالات سے اغماض (نظر انداز) کیا۔

راقم الحروف (محمد الدین فوق) نے دربار اکبری اور قصص ہند کا ایک ایک ورق چھان مارا، مگر ابوالحسن دوپیازہ کا نام کہیں دکھائی نہیں دیا۔

غالباً وجہ یہ ہوگی کہ پروفیسر آزاد نے چوں کہ ملا عبدالقادر اور لتھرج صاحب وغیرہ کی تتبیع (پیروی) کی ہے، ان دونوں نے ملا دوپیازہ کے حالات نہیں لکھے اس لئے انہوں نے بھی نہ لکھے ہوں گے۔

ہر چند ملا دوپیازہ دربار اکبری کے دل بہلاؤ کا ایک مشغلہ تھے مگر روزانہ حاضر باشوں میں تھے، اس لیے اس قدر بخل ناروا تھا کہ ان کا نام ہی لکھا نہ جاتا۔

مختلف کتابوں اور روایتوں سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ابوالفضل علامی اور فیضی، ملا دوپیازہ کی شوخ طبع اور ظرافت سے بہت خوش رہتے تھے اور جب کبھی دورۂ ملکی پر جاتے تو خط و کتابت سے دل بہلایا کرتے۔

اکبری دربار کے دیگر رتنوں میں عبدالرحمٰن خان خانان، مرزا کوکلتاش، حکیم ہمام، حکیم ابوالفتح، ابوالفضل فیضی، راجہ مان سنگھ وغیرہ لطافت و ظرافت میں ملا کے قریب بھی نہیں تھے۔ مگر راجا بیربل ان کے مقابلہ کا تھا اور ان میں باہم چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ (قسط: ۲)

## افلاک بھی ہوں گے کہیں افلاک سے باہر

در کھول کے دیکھیں ذرا ادراک سے باہر
یہ شور سا کیسا ہے مری خاک سے باہر

خوش آیا عجب عشق کو یہ جامۂ زیبا
نکلا نہیں پھر ہجر کی پوشاک سے باہر

چاہا تھا مفر دل نے مگر زلف گرہ گیر
پیچاک بناتی رہی پیچاک سے باہر

آتا نہیں کچھ یاد کہ اے ساعت نسیاں
کیا رکھا ترے طاق پہ کیا طاق سے باہر

سنتا ہوں کہیں دور سے نقارہ صبا کا
اتری ہے بہار اب کے بھی خاشاک سے باہر

کچھ دیر ٹھہر اور ذرا دیکھ تماشا
ناپید ہیں یہ رونقیں اس خاک سے باہر

موجود خلا میں ہیں اگر اور زمینیں
افلاک بھی ہوں گے کہیں افلاک سے باہر

در کھول کے دیکھیں ذرا ادراک سے باہر
یہ شور سا کیسا ہے مری خاک سے باہر

خوش آیا عجب عشق کو یہ جامۂ زیبا
نکلا نہیں پھر ہجر کی پوشاک سے باہر

(کلام: اعجاز گل)

عائشہ خان

# مرشد کی باتیں

دل میں محسوس ہونے والا جھما کا دماغ میں محسوس ہو تو فرد الوژن میں ہے۔

فرد جملوں پر غور کرتا ہے جس سے لفظ نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ چاہئے یہ کہ لفظوں پر غور کرے تا کہ جملے سمجھ میں آئیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اس سے ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرّہ سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی۔ سب کتاب مبین میں درج ہے۔'' (سبا: ۳)

صاحب طریقت نے جس انداز سے ذرّہ کی روحانی تشریح بیان کی، پڑھ کر بند دریچے کھلے۔ اندر نے متوجہ کیا کہ یہ طریقہ کار قرآن کریم میں تفکر کے لئے بہترین راہ نمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

''سورہ سبا کی اس آیت میں تین قسم کے ذرّات کا بیان ہوا ہے۔ ۱۔ رتّی برابر ذرّہ ۲۔ اس سے چھوٹا ۳۔ نسبتاً اس سے بڑا۔

تخلیق میں تین قسم کے ذرّات پائے جاتے ہیں۔ ایک ایٹم، دوسرے ایٹم کے اندرونی اجزا اور سوم ایٹم کے مرکبات۔

۱۔ ''مثقال ذرّہ'' یعنی وہ رتّی برابر ہے جس میں وزن پایا جاتا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ رتّی چھوٹے سے وزن کا تشخص ہے۔ ذرّہ برابر چیز کا مطلب یہ ہوا جس میں کوئی وزن ہو اور معین مقدار یا مقداریں ہوں۔ ایٹم چوں کہ ایک ایسی اکائی ہے جس کے اندر الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران موجود ہیں اس لئے اس میں وزن اور مقدار دونوں ہیں۔

۲۔ اس سے چھوٹا یعنی ایٹم سے نسبتاً چھوٹا الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران وغیرہ اور ایٹموں کے مرکزوں سے خارج ہونے والی الفا، بیٹا اور گاما شعاعیں۔

۳۔ اور اس سے بڑا (ایٹم سے بڑا) یعنی قیامت تک دریافت ہونے والے ہر ایٹم کے ذرّات اور اجزا خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ہوں اور کتنے ہی بڑے ہوں۔''

آیت کے ہر لفظ میں رموز ہیں۔ اس سے قبل جب بھی اس نے اس آیت کی روحانی تشریح پڑھی، ہر بار محسوس ہوتا کہ جو لکھا گیا ہے، اس کو جس طریقہ سے وہ سمجھ رہا ہے، درست نہیں۔ سمجھنے کا طریقہ اور ہے۔ اور پھر ایک روز جھما کا ہوا اور لفظ صف بستہ ہو گئے۔

مثقال ذرّہ — یعنی ذرّہ کے ہم وزن۔ بالفاظ دیگر ذرّہ وزن رکھتا ہے۔ وزن شے یا اشیا کا ہوتا ہے اور اس کا تعلق مقدار سے ہے۔ جو شے مقدار یا مقداروں

کا مجموعہ ہو، وہ چھوٹی نہیں ہوتی البتہ وہ جس اسپیس میں ہے، وہ اسپیس چھوٹی ہوسکتی ہے۔ ذرّہ ایک طرح سے اسپیس یا وقت کے سمٹنے کو بیان کرتا ہے کیوں کہ ذرّہ چاہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، بذات خود کچھ نہیں، اشیا کا مجموعہ ہے۔

بندہ الفاظ پڑھ کر آگے بڑھ جاتا ہے جب کہ صاحب شہود نے بتایا کہ مثقال سے ذرّہ میں موجود عناصر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ آیت کی روحانی تشریح پڑھی تو ''مثقال ذرّہ'' کے الفاظ نے بار بار اپنی طرف متوجہ کیا۔ اندر میں کسی نے کہا، الفاظ کی صفات کو سمجھ کر اور الفاظ کے ساتھ جو صفات بیان کی گئی ہیں، اس کی روشنی میں لفظ کو سمجھنا چاہئے تاکہ ذات سے تعارف ہو۔

اس طریق پر قرآن پڑھنے سے بہت مدد ملی۔ جیسے سورہ رعد میں ہے کہ ''السحاب الثقال''، یعنی ثقل والے بادل۔ ثقال — ثقل کی جمع ہے اور ثقل وزن ہے۔ وزن کا تعلق شے یا اشیا کی تعداد اور مقدار، اور مقداروں میں ثقل سے ہے۔ ثقال سے وضاحت ہوتی ہے کہ بادل ایک سے زائد عناصر کا مجموعہ ہے اور ان تمام عناصر میں ثقل ہے۔

مادی اشیا پر غور کریں تو وہ پانی سے شروع ہوتی ہیں اور پانی پر ختم۔ زمین پر جتنے عناصر ہیں وہ بادل سے پانی کی شکل میں برستے ہیں اور پانی کی مختلف حالتوں (ٹھوس، مائع، گیس) سے گزرتے ہیں۔ یعنی پانی سے پیدا ہونے والی ہر شے میں ثقل ہے کیوں کہ ان اشیا کی بنیاد جس مادہ سے ہے وہ پانی ہے اور پانی، ثقیل ہے۔ عالم ناسوت میں ثقل کا قانون پانی کی تخلیق سے شروع ہوتا ہے۔ اندر میں کسی نے پوچھا، پانی کیا ہے؟ سوال کی طرف متوجہ ہونے سے جواب منکشف ہوا کہ پانی روشنی کی مادی شکل ہے۔

جن دنوں تفہیم کی یہ طرز اس پر منکشف ہوئی، وہ سورہ بقرۃ پڑھ رہا تھا اور یہ آیت زیر غور تھی۔

''وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کی چھت بنائی۔'' (البقرۃ: ۲۲)

''الارض فراشاً'' پر ذہن میں جھماکا ہوا۔

اندر میں کسی نے وقتاً فوقتاً متوجہ کرنا شروع کیا ہے کہ اسپارک یا جھماکا دل میں ہوتا ہے لیکن ذہن ذہن کہہ کر ہم اس کو دماغ میں محسوس کرتے ہیں۔

خیال نے کہا، یہ غور کرو کہ ذہن کیا ہے — ؟

اندر میں سے آواز آئی، ذہن دل سے بنتا ہے۔ جس کو تم ذہن کہتے ہو، وہ دراصل دل ہے لیکن ''میں'' اور ''تو'' کے فرق کی وجہ سے فرد دل کو اور دماغ کو اور سمجھتا ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ایک ہیں۔

اس نے سوچا کہ کتنی اہم بات ہے کہ محسوسات کی دنیا چیزوں کو طرز فکر کے مطابق دکھاتی ہے۔ دل میں محسوس ہونے والا جھماکا دماغ میں محسوس ہو تو فرد الوژن میں ہے۔

آواز آئی ، یہی صورت دیگر اعضا کی ہے۔ خیال دل کے مرکز ''فواد'' میں پیدا ہوتا ہے مگر اسے دل میں محسوس کرنے کے بجائے فرد اس کی تحریک کو ہاتھ، پیر، کان ، آنکھ وغیرہ میں محسوس کرے تو زندگی الوژن ہے۔ یہ خیال کو ابتدائی سطح کے بجائے آخری سطح پر محسوس کرنا ہے۔ یہی اسفل سافلین ہے۔

یہ تفکر سن کر مرشد کریم نے فرمایا، قرآن کریم نے دل کے دیکھنے کو سند عطا کی ہے۔

لکھتے ہوئے دل میں جو ترتیب بنتی ہے، خود کو اس کے تابع کر دینا چاہئے پھر بات سے بات نکلتی ہے اور فرد کو ایسے مقام پر چھوڑ دیتی ہے کہ جہاں ڈائی مینشن مغلوب ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔

''الارض فراشاً'' کے الفاظ سن کر پہلا خیال یہ آیا کہ فرش کیا ہوتا ہے — ؟ دل کے آئینہ میں تصویریں بنیں اور اس نے آئینہ کے دیکھنے کو دیکھا کہ فرش ہمیشہ تہ در تہ بنتا ہے اور ہر تہ میں پانی لازمی عنصر ہے۔ بندہ ظاہری سطح کو فرش سمجھتا ہے جب کہ تعمیر بتاتی ہے کہ فرش کسی ایک چیز یا پرت کا نام نہیں، تہ در تہ ملتی ہیں تو فرش بنتا ہے۔ ان دو الفاظ میں زمین کی ساخت اور پرتوں کا ذکر ہے۔ فرش کی ایک تعریف پرت ہیں اور ہر پرت اپنے اندر بہت سارے پرت کا مجموعہ ہے۔

فرش کے ایک معنی پھیلاؤ ہے۔ روحانیت میں اسے اسپیس کہا جاتا ہے۔ پھیلنے کا دوسرا رخ سمٹنا ہے۔ کوئی شے اس وقت پھیلتی ہے جب وہ سمٹی ہوئی ہو۔ ''الارض فراشاً'' میں پنہاں مفہوم یہ ہے کہ پھیلنا اور سمٹنا ارض کے دو رخ ہیں۔ اللہ نے درجہ بندی کی مناسبت سے ہر زون میں پھیلنے کو غالب رکھا ہے۔ جب زمین کی بات ہوتی ہے تو اسپیس کی بات ہوتی ہے چاہے اسپیس چھوٹی ہو یا بڑی، تجلی کی ہو، روشنی کی ہو یا مادہ کی۔

آیت میں اگلے الفاظ ہیں، ''والسماء بناء''، آسمان کو چھت بنایا۔ چھت سائبان کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور سائبان کا کام کفالت ہے۔ وسائل آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور زمین سے واپس آسمان کا رخ کرتے ہیں۔ آسمان کے ایک معنی وقت کے ہیں۔ یعنی وقت جب اسپیس میں داخل ہوتا ہے تو اسپیس زیر بحث آتی ہے۔

مرشد کریم ہمیشہ باریکیوں کا خیال رکھتے ہیں، کیوں کہ باریکی میں گہرائی ہے — نظر انداز کرنے والے پر شرح صدر نہیں ہوتا۔

ایک بار صاحب شہود نے سفید چارٹ پر دائرہ میں مثلث در مثلث بنانے کی مشق دی اور فرمایا کہ دائرہ کو مثلث سے بھرنے کے بعد تین فٹ کے فاصلہ سے دیکھیں یہاں تک کہ پلک جھپکنے کا عمل کم سے کم ہو جائے۔ دائرہ میں تصاویر نظر آئیں گی۔ لوگوں نے مشق کی اور چارٹ سمیت حاصل مشاہدہ ارسال کیا۔

کسی کو بادل نظر آئے، کسی کو اونٹ، بیل، ہاتھی اور

چیونٹی، کسی کو پھل پھول، کسی کو پہاڑ، کسی کو جیومیٹریکل اشکال اور کسی نے روشنیوں کے ہالے دیکھے۔ غرض ہر ایک نے وہی کچھ دیکھا جو وہ اس دنیا میں دیکھ چکا ہے۔

مرشد کریم چارٹ اور حاصل مشاہدہ دیکھ کر مطمئن نہیں ہوئے اور فرمایا، مشق صحیح نہیں ہوئی۔

اس نے پوچھا، حضور! اس چارٹ سے کیسے معلوم ہورہا ہے کہ مشق صحیح نہیں ہوئی جب کہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے مشق کے دوران روشنیوں کے ہالے دیکھے۔ مشاہدہ کیا ہونا چاہئے تھا، کمی کیوں رہ گئی؟

فرمایا، دائرہ میں جو خانے لوگوں نے بنائے اس میں توازن نہیں ہے اور پھر خانے خالی ہیں۔ دوسرا جو شکل نظر آئی اس میں تغیر نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ایک ہی تصویر رہتی اور وہی تصویر کھلتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک چھوٹے خانے میں چیونٹی بھی نظر آ گئی اور اونٹ بھی۔ اونٹ چھوٹے خانے میں کیسے آ گیا ــــ؟ اونٹ دیکھا، اور اگلے لمحہ بدل کر دوسری شے بن گئی، یہ تغیر ہے۔ اللہ کے پاس سے جو شے آتی ہے اس میں تغیر نہیں، آدمی جس نظر سے دیکھ رہا ہے وہ تغیر ہے۔

عرض کیا، تصویریں کیوں بدلیں ــــ؟

فرمایا، خانوں میں توازن نہ ہونے کی وجہ سے تصویریں بدلیں، کبھی کچھ بنتا گیا اور کبھی کچھ۔ جو ایک چیز دیکھی، وہی کھلنی چاہئے تھی کہ آخر یہ ہے کیا۔ وہ کھلی نہیں اور اگلی تصویر آ گئی ــــ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کی دو طرزیں ہیں۔ ایک یقین اور ایک گمان۔ گمان بھی یقین کا ایک درجہ ہے، بہرحال یقین سے الگ ہے۔

جب وہ سمجھا رہے تھے تو دل میں آیا کہ یہ تو جنت میں شجر ممنوعہ والی بات ہوگئی کہ وہاں رنگ بدلتا گیا، یہاں چیزیں بدلتی گئیں۔ اندر میں سے آواز آئی، چیزوں پر رنگ غالب ہیں۔

سوال اس لئے پوچھا تھا کہ ایک بار یہ مشق اس نے بھی کی تھی۔ جاننا چاہتا تھا کہ کمی کہاں اور کیوں رہ گئی۔

مرشد کریم کی بات جاری تھی۔ یقین اور گمان کے حوالہ سے انہوں نے حضرت یوسفؑ کی مثال دی۔

فرمایا، بادشاہ کو یقین تھا کہ خواب سچا ہے، اس نے تعبیر جاننا چاہی۔ کیوں ــــ؟ اس لئے کہ جو خواب میں ہوتا ہے وہ زندگی کا حصہ ہے۔ پھر فرمایا، اب حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے واقعہ پر غور کرو۔ ملکہ کو کیوں یقین نہیں آیا کہ یہ تخت اسی کا ہے ــــ؟ اس نے یہ کیوں کہا کہ لگتا ہے کہ ویسا ہی ہے۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ وہی ہے ــــ؟ کیوں کہ اس کے ذہن میں شک تھا۔ ملکہ سبا نے سوچا کہ تقریباً 15 سو میل سے تخت کیسے آ سکتا ہے ــــ؟ لیکن ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی عظمت کا اعتراف ضرور کیا۔

شیخ طریقت نے فرمایا، ہمیں ایک ایک لفظ پر غور کر کے قرآن پڑھنا چاہئے کہ یہ لفظ ہے کیا۔ ہم الفاظ کو سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ خالق کائنات کا ارشاد ہے،

''ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا'' (القمر: ۱۷)

محمد عاصم بیگ

# زندگی کیا ہے، سفر کی بات ہے

پنکھ حرکت کرتے ہیں تو بلب جلتے ہیں اور مخصوص رفتار کے بعد LED بلب کے جلنے بجھنے کے عمل سے ڈیجیٹل گھڑی ظاہر ہوتی ہے۔ اس گھڑی میں گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کے ہند سے ہوتے ہیں اور یہ ہند سے تبدیل بھی ہوتے ہیں۔ بتایئے اس گھڑی کو دیکھنے والا کیا دیکھ رہا ہے ــــ؟

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

خانے جو دماغ کے ہیں خالی ہیں سب
چیزیں جو نظر آتی ہیں جعلی ہیں سب
ہر لمحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر
نظارے بھی آنکھوں کے خیالی ہیں سب

دل دھڑکنا، جسم میں خون کا بہاؤ، دماغ میں نئے خلیوں (cells) کی پیدائش اور پرانے خلیوں کا مرنا۔ بھوک پیاس کے تقاضا کا احساس اور تسکین کے لئے غذا اور پانی کا استعمال۔ غصہ کی کیفیت اور محبت کے جذبات وغیرہ سب حرکت کے زمرہ میں آتے ہیں اور حرکت زندگی کا اظہار ہے۔

حرکت کی موجودگی کو زندگی اور غیر موجودگی کو موت سمجھا جاتا ہے جب کہ موت بھی زندگی ہے۔

آئے، ٹھہرے اور روانہ ہوگئے
زندگی کیا ہے، سفر کی بات ہے

حرکت کا آغاز کب ہوا؟ الہامی کتابیں راہ نمائی کرتی ہیں کہ خالق و مالک ہستی اللہ تعالیٰ نے ''کُن'' فرمایا اور کائنات، جن فارمولوں اور خدوخال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے، اس کا مظاہرہ ہوگیا۔ لفظ ''کُن'' دو حروف ک اور ن سے مرکب ہے۔ یہ دو حروف، زندگی کے دو رخ ہیں اور کائنات میں موجود ہر شے کی تخلیق ان دو رخوں پر ہے۔

احسن الخالقین اللہ فرماتے ہیں،

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم اس سے سبق لو۔'' (الذّٰریٰت:۴۹)

دو رخوں کے بغیر حرکت زیر بحث نہیں آتی۔ دل کا دھڑکنا دو رخوں پر ہے۔ دل پھیلتا ہے تو خون دل میں آتا ہے اور جب دل سکڑتا ہے تو خون تمام جسم کو فراہم ہوتا ہے۔ پھیلنے اور سکڑنے سے حرکت مظہر بنتی ہے اور یہ حرکت زندگی ہے۔ حرکت رک جائے، زندگی دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتی ہے۔

تخلیق کے ہر رخ کی مقدار معین ہے۔قرآن کریم میں اس قانون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

''اللہ ہر حاملہ کے پیٹ سے واقف ہے۔ جو کچھ اس میں بنتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اس میں کمی یا بیشی ہوتی ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ ہر چیز کے لئے اس کے ہاں مقدار مقرر ہے۔'' (الرعد: ۸)

گھٹنا اور بڑھنا مقدار پر قائم ہے۔ شے گھٹتی اور بڑھتی ہے۔ گھٹنے اور بڑھنے میں عدم توازن نقصان دہ ہے۔

ٹائم اور اسپیس کے ایک رخ کو دن اور دوسرے کو رات کہتے ہیں۔ رات دن مل کر 24 گھنٹے بنتے ہیں۔ سورج نکلتا ہے اور دنیا روشن ہوتی ہے تو اس کو دن کا طلوع ہونا یا صبح کہتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ تمازت بڑھتی ہے یہاں تک کہ سورج ایسے مقام پر آتا ہے جسے آدھا دن یا نصف النہار کہتے ہیں۔ اس کیفیت کو دوپہر کا نام دیا جاتا ہے۔ شام میں سورج غروب ہوتا ہے اور دن رات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رات کے مراحل ہیں۔

دن کے مذکورہ درجات پر غور کیا جائے تو صبح، دوپہر، شام ہر درجہ مکمل کیفیت ہے اور کیفیت مقدار ہے۔ ایک مقدار کے مظاہرہ کے بعد دوسری مقدار مظہر بنتی ہے۔ یوں مقداروں کے ردوبدل سے دن اور رات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یعنی دن ہو یا رات، مخصوص مقداریں ہیں۔ نظام زندگی مقداروں میں رہ کر آگے بڑھتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور مثال پر غور کرتے ہیں۔

مظہر بننے کے مراحل مخصوص اور ہر نوع میں ایک ہیں۔ درخت ہو، پہاڑ ہو، دریا ہو، پرندے ہوں یا چوپائے — پیدائش، بچپن، لڑکپن، جوانی اور انحطاط سب ان سے گزرتے ہیں۔

آدمی پیدا ہوتا ہے۔ پہلے دن کا بچہ — ایک مخصوص مقدار ہے۔ دو دن کا ہوتا ہے تو پہلی مقدار مغلوب ہو جاتی ہے۔ دوسرا دن ایک الگ مقدار ہے جس کے پردہ بننے سے تیسرا دن مظہر بنتا ہے۔ بچپن غائب ہوتے ہی لڑکپن اور لڑکپن مغلوب ہونے سے جوانی مظہر بنتی ہے۔ بڑھاپا، جوانی پہ غالب آتا ہے اور پھر آدمی مکمل طور پر غائب ہو جاتا ہے۔ بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، موت — سب مقداریں ہیں۔

پہلے دن کے بچہ اور بڑھاپے کا موازنہ کیا جائے تو کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک جیسی ہو۔ ہر عضو، نقش اور خدوخال الگ ہیں۔ یہ مقداروں کا ردوبدل ہے جسے حرکت یا تغیر کہتے ہیں۔

حرکت پر غور کریں تو ہر لحہ تغیر ہے۔ آم کی گٹھلی کو بویا جاتا ہے۔ گٹھلی میں تغیر سے پودا بنتا ہے اور پودا درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح اسپرم سے آدمی کی شروعات ہوتی ہے۔ اسپرم مسلسل تغیر ہے۔ نو مہینے تغیر کے بعد پیدائش ہوتی ہے۔ بعد کے ادوار بھی تغیر ہیں۔ اس تغیر کو ہم دنوں، مہینوں اور سالوں سے ناپتے ہیں۔

اسپرم سے جس شے کی ابتدا ہوئی وہ 25 ہزار پانچ سو 50 دن اور 25 ہزار پانچ سو 50 راتوں کے تغیر در تغیر سے گزر کر دنیا سے رخصت ہوا۔ اس تغیر کو ہم اس شخص کی عمر کہتے ہیں۔ حضرت سید محمد عظیم برخیاؔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں،

اک روز میں ہم ضعیف ہوجائیں گے
اک روز میں ہم جاں ہی کھو جائیں گے
یہ عمر طبعی ہے مگر ہے کتنی
جاگے تھے صبح شام کو سو جائیں گے

تغیر کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک مقدار میں دوسری مقدار اس طرح شامل کردی جائے کہ دونوں مقداروں کی اصل شکل وصورت مغلوب ہوجائے۔ چائے کے اجزا کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا کہ چینی کھولتے پانی میں گھل جاتی ہے۔ چائے میں دودھ ڈالنے کے بعد دودھ کا رنگ پتی کے رنگ میں مل جاتا ہے۔ پانی، جس میں ان اجزا کو شامل کیا گیا وہ ہر جز میں شامل ہوجاتا ہے۔ ہر شے اس عمل سے گزرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسی شے جو بہت ساری اشیا کا مجموعہ ہو، کیا اس کے ظاہری رخ کو حقیقت کہہ سکتے ہیں ــــ؟ جس شے کو ہم چائے کہتے ہیں وہ تغیر ہے جو پانی، پتی، چینی، دودھ اور حرارت کے ملنے سے بنی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری زینت ہے۔ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے پھر وہ کھیتی پکتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوش نودی ہے۔ دنیا کی زندگی دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔'' (الحدید:۲۰)

آج کل ایسی ڈیجیٹل گھڑیاں دست یاب ہیں جو چھوٹے پنکھے پر مشتمل ہیں۔ پنکھے کے پروں پر چھوٹے LED بلب لگے ہوتے ہیں۔ پنکھے کو بیٹری یا بجلی کے ذریعے حرکت دی جاتی ہے تو پروں کی حرکت کے ساتھ LED بلب جلنا بجھنا شروع کردیتے ہیں۔

LED بلب کے جلنے اور بجھنے کو سرکٹ کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ سرکٹ میں پروگرامنگ کی ہوتی ہے کہ بلب کب جلیں گے اور کب نہیں۔

پنکھ حرکت کرتے ہیں تو بلب جلتے ہیں اور مخصوص رفتار کے بعد LED بلب کے جلنے بجھنے کے عمل سے ڈیجیٹل گھڑی ظاہر ہوتی ہے۔ اس گھڑی میں گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ کے ہند سے ہوتے ہیں اور یہ ہند سے تبدیل بھی ہوتے ہیں۔

بتایئے اس گھڑی کو دیکھنے والا کیا دیکھ رہا ہے ــــ؟

دیکھنے والے کو صرف گھڑی میں ہند سے نظر آ رہے ہیں۔ وہ گھڑی کے پیچھے پروں کی حرکت کو دیکھ رہا ہے نہ سرکٹ سے واقف ہے جو LED بلب کو جلا بجھا رہا ہے۔ یہ illusion ہے کہ دیکھی جانے والی شے کی حقیقت سے ناواقف ہو کر اس کے مظاہرہ کو اصل سمجھیں اور پھر نام رکھ دیں۔

تجربہ ہے کہ ہر نظر آنے والی شے مسلسل تغیر سے گزر رہی ہے جب کہ پس پردہ طاقت اور حرکت نظروں سے اوجھل ہے۔ اشیا کی حرکت اور مقداروں کا ردوبدل، خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی منشا سے ہے۔

''وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ گردش لیل و نہار اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟'' (المؤمنون :۸۰)

زندگی جب تک تغیر کے زیر اثر گزرتی ہے، فرد شک اور وسوسوں میں مبتلا رہتا ہے۔ تغیر کی بنیاد سے واقف ہو کر وہ یقین میں داخل ہوتا ہے۔

---

تغیر کا تعلق ظاہر سے ہے۔ علم شے تغیر سے ماورا ہے۔ ابدالِ حق نے لفظ ''کُن'' سے شروع ہونے والے تغیر کو رباعی میں بیان فرمایا ہے،

اک لفظ تھا، اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا، اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

بابا صاحبؒ کی رباعی متوجہ کرتی ہے کہ یہاں دکھائی دینے والی ہر شے ایک لفظ کا عکس ہے۔ وہ لفظ جب عکس در عکس منتقل ہوا تو افسانہ بن گیا۔ عکس چوں کہ اصل نہیں اس لئے اسے illusion کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا یعنی.....

## اندر کی آواز

درویش شاگردوں کو مظاہر کی حکمت سمجھا رہے تھے کہ محفل میں ایک اجنبی شریک ہوا۔ اس نے پوچھا ''جذبات کے بغیر اور بنا کوئی لفظ کہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے ــــ؟'' درویش نے سر کو جنبش دی اور خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے سر کو تعظیم سے جھکایا اور کہا، آپ کی محبت اور شفقت سے میں الوژن کی حقیقت سے واقف ہو گیا ہوں''۔ درویش نے اس کا ماتھا چوما ــــ وہ اجازت لے کر رخصت ہوا۔ یہ دیکھ کر شاگردوں کے چہرے اتر گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا، ''ہم سالوں سے آپ کے پاس ہیں مگر حقیقت کا ادراک آپ نے اجنبی کو کروا دیا۔ درویش نے فرمایا، ''اچھا گھوڑا چابک کے سایہ کو دیکھ کر ہی دوڑنے لگتا ہے۔''

عابد محمود

# ادھورا

میں اللہ کے نام پر اپنا لخت جگر تمہارے حوالہ کر رہی ہوں۔ اس کا دھیان رکھنا۔ اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤ۔ اتنی دور کہ ناصریا میں اس کی دھول کو بھی نہ پا سکیں۔ ماں کے لہجہ میں کرب تھا۔

وہ تماشا بنایا گیا تھا یا بنائی گئی تھی، اس کا جواب چنبیلی کے پاس نہیں تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے بے وقعت اور ادھورے وجود کی داستان کیوں رقم کی گئی تھی۔ وہ ادھورا پیدا کیا گیا تھا۔

ماں نے اسے لباس کے پردہ میں چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن لچکتی چال اور بل کھاتی اداؤں نے اس کے اندر زنخے کو دنیا کے سامنے اجاگر کر کے اس ادھورے پن کو تماشا بنا دیا۔

مکمل وجود کے دعوے داروں نے اس کے ادھورے وجود کو ہمیشہ تمسخر کی نگاہ سے دیکھا حتیٰ کہ نامکمل وجود کے حامل اندھے اور لولے لنگڑوں نے بھی چنبیلی کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔

شادی بیاہ، بچہ کی پیدائش اور لوگوں کی خوشیوں میں اس کی شرکت ان کی خوشیوں کو دوبالا کر دیتی۔ اس کی اداؤں اور رقص پر لوگ پیسے لٹاتے اور خوش ہوتے تھے۔ جانے کھسروں کے رقص اور چال میں لوگوں کے لئے کیا تسکین تھی۔

اس روز محفل میں رقص کے ساتھ لوگوں کے دل خراش جملوں سے زخمی دل کی حالت چنبیلی کی مسکراہٹ سے میل نہیں کھا رہی تھی۔ مرید شاہ کی طرف دیکھا، وہ ڈھولکی پر بیٹھا گانے سے ڈھولکی کی تھاپ ملا رہا تھا۔

مرید شاہ نہ جانے کون تھا — مگر وہ کھسرا، زنخا یا ہیجڑا نہیں تھا۔ اس کا رکھ رکھاؤ اور چلنا پھرنا مردوں والا تھا البتہ وہ خود کو مخنث کہتا تھا۔ کبھی کبھی باتوں کے دوران اکثر کہہ دیتا کہ جو اپنے گرو کے راستہ کو چھوڑ دے، وہ مخنث ہوتا ہے۔

کوئی چھ ماہ پہلے چھمیا نے اس (مرید شاہ) کو چنبیلی کے حوالہ کیا تھا۔ مرید شاہ بہت تابع دار و فرماں بردار تھا۔ صرف ''جی حضور'' سے واقف تھا اور عقیدت مندوں کی طرح چنبیلی کی عزت کرتا۔

چنبیلی اندر سے بہت زخمی تھا۔ جب بانسری کی دھن پر گانے کی کوئی لے چھڑتی تو نہ جانے کیوں اس کے زخم ہرے ہو جاتے۔

اوئے کھسرے، ذرا کھل کر رقص کر، بدھائیاں نہیں

لینی ہیں کیا—؟ محفل سے کسی من چلے نے آواز کسنے کے ساتھ چنبیلی کو چٹکی لی۔ پیر تیزی سے تھرکنے لگے۔ لوگ چنبیلی پر نوٹوں کی بارش برسانے لگے۔ اس روز مسلسل تین گھنٹے رقص کیا۔ سانس اکھڑنے لگا تھا۔

ڈھولکی بجاتے ہوئے مرید شاہ بے چین ہوگیا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ وہ چنبیلی کی حالت سمجھ سکتا تھا۔

نادر اپنے وجود سے سخت نالاں تھا۔ نہیں جانتا تھا کہ وہ اسکول میں ہر کسی کے مذاق کا ہدف کیوں بنتا ہے۔ جہاں سے گزرتا بچے طنزیہ جملے کستے۔ حتیٰ کہ دوست بھی اس کو چھیڑتے رہتے۔ ہاتھوں کو نزاکت سے حرکت دینا کب اس کی شخصیت کا حصہ بنا، یاد نہیں۔ اس کے اندر کی عورت بہت طاقت ور تھی جس سے اس کے مادی جسم کی ہیئت بدل گئی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا وجود عام لڑکوں جیسا نہیں۔

حیرت سے سوچتا کہ وہ سب سے الگ کیوں ہے اور لوگ اس کو دیکھ کر ہنستے کیوں ہیں۔ جانے لوگ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے تھے کہ پیدائش پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ جس طرح بنانے والے نے لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کو مرد و عورت پیدا کیا، وہ بھی اپنی مرضی کے بغیر زنخا پیدا کیا گیا تھا۔

پانچویں کے بعد اسکول میں داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی۔ ہیڈ ماسٹر کا موقف تھا کہ لڑکیوں کے اسکول میں داخل کروایا جائے جب کہ لڑکیوں کے اسکول والوں کا موقف تھا کہ اسے لڑکوں کے اسکول میں ہونا چاہئے۔ گرلز اسکول نے تو سختی سے منع کردیا البتہ اس کی ماں نے بہت منت سماجت کے بعد لڑکوں کے اسکول میں داخل کروادیا۔

یہ لڑکا ہے یا لڑکی —؟ بریک میں شرارتی لڑکوں نے نادر کو گھیرے میں لے لیا۔

چال تو لڑکیوں والی ہے، کپڑے لڑکوں کے پہنے ہیں۔ ایک لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا۔

نادر کی آنکھیں بھر آئیں۔ گھبرا کر رونا شروع کردیا۔

اسکول میں اس کا رہنا دشوار ہوگیا۔

دسویں جماعت کے لڑکوں کو نادر کی شکل میں کھلونا مل گیا تھا۔ بچے کلاس میں اور کلاس سے باہر اس کا مذاق اڑاتے۔ ہر طرف اس کے نامکمل وجود کو کھسرا، ہیجڑا اور جانے کیا کیا کہہ کر طنز کیا جاتا۔ اسکول کے لڑکے تو خیر بچے تھے ماسٹر صاحب بھی موقع محل دیکھ کر یا پھر سب کی نظر بچا کر چٹکی لے لیتے۔ اب اسکول کا نام سنتے ہی وہ خوف زدہ ہوجاتا۔

صبح اماں نے اسکول کے لئے اٹھایا تو وہ خاموشی سے تیار ہوکر ناشتہ کرتا رہا۔ آنکھیں نم تھیں۔ ناشتہ کرتے ہوئے اچانک اماں کے آگے ہاتھ جوڑ لیے اور روہانسے لہجہ میں بولا، اماں میں اسکول نہیں جاؤں گا۔

کیوں بیٹا کیا ہوا —؟ ماں نے بے قرار ہوکر دھڑکتے دل سے پوچھا۔

اماں لڑکے مجھے مارتے ہیں۔ میری کمر دیکھ لو۔

ماں نے بے بسی اور کرب سے کمر پر نیل زدہ نشانات دیکھے تو جیسے دل کسی نے کچل دیا اور آنکھوں میں نمی چھپاتے ہوئے بولی، بیٹا ماسٹر صاحب کو نہیں بتایا—؟

ماسٹر صاحب خود میرا مذاق اڑاتے ہیں۔ کیا میں اتنا برا ہوں، اللہ نے مجھے ایسا کیوں بنایا ہے—؟ اماں کیا میں ٹھیک نہیں ہوسکتا—؟ نادر نے روتے ہوئے کہا۔

اماں نے شدت کرب سے آسمان کی طرف دیکھا اور نادر کو گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

ماں جانتی تھی کہ نادر پیدائشی زنخا تھا۔ دائی نے پہلے دن بتا دیا تھا کہ اس کی کوکھ سے ایک زنخے نے جنم لیا ہے۔ نادر کے ابا اس کی پیدائش سے ایک ہفتہ قبل دوسرے عالم میں چلے گئے۔ اماں نے اسے دنیا سے چھپا کر رکھا لیکن کب تک—؟ اس کی عادات واطوار نے بھید عیاں کر دیا تھا۔ لباس بھی اس کے اندر نسوانیت کو چھپا نہیں پایا۔

نادر کوئی گانا سنتا تو پیر خود بخود تھرکنے لگتے۔ اپنے اندر بھونچال محسوس ہوتا۔ خالہ نسیمہ کی شادی پر سارے ناچ گانا کر رہے تھے۔ لڑکیوں کو شادی پر رقص کرتا دیکھ کر اس نے بھی سب کے ساتھ رقص شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے تمام لڑکیاں ایک طرف ہوگئیں اور وہ اکیلا معلوم نہیں کب تک رقص کرتا رہا۔

لڑکے دائرہ بنا کر زنانہ رقص پر مذاق اڑاتے رہے۔

پوری شادی میں وہ سب کی شرارتوں کا محور بنا رہا۔ نادر کی اماں کو معلوم ہوا تو بڑے بیٹے ناصر کے خوف سے شادی چھوڑ دی اور نادر کو لے کر گھر آ گئی۔

ناصر اپنے بھائی سے نفرت کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ نادر گھر سے کہیں دور چلا جائے۔

شادی میں موجود شموکھسرے نے غور سے نادر کی طرف دیکھا۔ گھاگ نگاہیں جان گئیں کہ نادر عام لوگوں جیسا نہیں۔ گھر تک ان کا پیچھا کیا اور واپس آ کر گرو کو اطلاع دی۔ گرو، نادر کے گھر پہنچ گئی۔

آئے ہائے، اماں یہ تم میں سے نہیں ہے۔ اس کو ہمارے حوالہ کر دو گی تو اذیت ناک زندگی سے بچ سکتا ہے ورنہ تمہارے لوگ اس کو روز موت سے ہم کنار کرتے رہیں گے۔ تمہارا معاشرہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ یہ ہم میں رہ کر ہی خوش رہ سکتا ہے۔ گرو نے نادر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ میرا بچہ ہے میں اسے خود سے جدا نہیں کر سکتی، یہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماں نے سسکتے ہوئے نادر کو گلے سے لگایا اور خوف زدہ لہجہ میں کہا، اسے کوئی چھین کر نہ لے جائے۔

نادر نے شوق سے گرو کے رنگ روپ کو دیکھا۔ کلائی میں لال رنگ کی چوڑیاں اور کانوں میں جھمکے اچھے لگے۔ جب وہ ادا سے گردن جھٹکتی تو جھمکے جھولے کی طرح کانوں میں جھولنے لگتے۔

اماں تم اس کو ہر وقت گھر میں نہیں رکھ سکتی ہو۔ اس کا حق ہے کہ یہ دنیا دیکھے۔ یہ معاشرہ ہمیں قبول نہیں کرتا۔ زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ تمہارا بچہ ہمارے ساتھ رہے گا تو اسے تحفظ ملے گا نہیں تو نفسیاتی مریض بن جائے گا۔

گرو نے اماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں، کیا ماں اپنے بیٹے کو کسی کے حوالہ کر سکتی ہے، کسی ماں میں اتنا حوصلہ نہیں۔

گرو جانتی تھی کہ نادر کو ایک دن اس کے پاس آنا ہے۔ ہر ایک دو ماہ بعد نادر کی ماں سے ملتی اور نادر کو ساتھ لے جانے کی ضد کرتی۔

آئے ہائے شمو! اس جگر کے ٹکڑے کو کہاں سے پکڑ لائی ہو۔ گرو نے نادر کو دیکھ کر اس کا ماتھا چوما۔

نادر کی نظر جھمکوں پر گئی۔ گرو نے نادر کو پیار سے قریب کرتے ہوئے کہا، جانتی ہوں تمہیں جھمکے پسند ہیں۔ کانوں سے جھمکے نکالے اور ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولا، اپنی اماں کو چھوڑ کر میرے پاس آ جا۔ مکمل وجود کی دنیا میں تیرے لیے کچھ بھی نہیں۔ تو ہماری طرح ادھورا ہے اور ہمارے ساتھ رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

نادر کو یہ بات پسند نہیں آئی، جھمکے واپس کرتے اور ہاتھوں کو مٹکاتے ہوئے کہا، میں اماں کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ جھمکے اپنے پاس رکھو ــــ ہاں!

شمو کھسرے نے مسکرا کر نادر کو دیکھا اور بولا، اوئے میری دھی، سوہنی چنبیلی! تو اپنی ماں کے پاس ہی رہ لیکن گرو کے دیئے ہوئے جھمکے رکھ لے۔ یہ تجھے یاد دلائیں گے کہ تمہاری ایک ماں اور ہے۔ تو اپنی اماں کے پاس رہنے کا شوق پورا کر لے لیکن میٹھے پانی کی مچھلی نمکین پانی میں نہیں رہتی۔ جب ضرورت ہو ہمارے پاس آ جانا۔

شمو کھسرے نے مخصوص انداز سے ہاتھوں کی تالی بجائی اور ایک ادا سے مڑ کر باہر نکل گیا۔

نادر آئینہ کے سامنے بیٹھا اماں کی چوڑیاں گوری کلائیوں میں ڈال رہا تھا۔ گوری رنگت اور گھنے بال اور نسوانیت بھرا معصوم چہرہ دیکھ کر لڑکی کا گمان ہوتا تھا۔ اسے لڑکیوں کی طرح چوڑیاں اور میک اپ اچھا لگتا تھا۔ گرو کے جھمکے کانوں سے لگائے۔ خوب صورت جھمکوں کو دیکھ کر دل چاہا کہ کان چھدوا لے۔ جب کبھی گھر میں اکیلا ہوتا تو اماں کی چوڑیاں پہن کر، ہونٹوں پر سرخی لگا کر، اماں کا دوپٹا سر پر لیتا اور آئینہ کے سامنے خود کو دیکھتا رہتا۔

اس روز خود میں مگن خود کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ کمر میں کوئی شے کوڑے کی طرح لگتے ہوئے محسوس کی۔ بلبلا کر پیچھے دیکھا تو اس کا بھائی ناصر خوں خوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نادر کو جان نکلتی محسوس ہوئی۔

تمہاری انہی حرکتوں نے جینا حرام کر دیا ہے۔ اس نے دھاڑتے ہوئے نادر کے بالوں کو مٹھی میں پکڑا۔ ان عادتوں اور کھسروں والے شوق نے ہماری زندگی

اجیرن کردی ہے۔ اگر یہ عادتیں نہ بدلیں اور چال درست نہیں کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔تمہاری وجہ سے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، جہاں جاتا ہوں لوگ تمہارے نام کا طعنہ دیتے ہیں۔

شدت کرب سے بھائی کو دیکھا کہ میرا قصور کیا ہے۔ وہ تو خود اپنے ادھورے وجود کی وجہ سے اذیت میں مبتلا تھا۔سسکتے ہوئے خونی رشتہ کو دیکھا۔نادر نے سوچا کہ یہ وہ بھائی ہے جن پر بہنیں مان کرتی ہیں۔ بھائی اپنے بھائیوں کے لئے جان دیتے ہیں لیکن وہ نہ اس کی بہن تھی نہ بھائی۔ وہ زندگی کے اس ابتدائی سفر میں خود سوال بن کر رہ گیا تھا کہ آخر وہ ہے کون—؟

ہائے ناصر بھائی تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے چھوڑ دو۔ سسکتے ہوئے خالصتاً زنانہ لہجہ میں فریاد کی۔

زنانہ لہجہ نے ناصر کا غصہ دوچند کر دیا۔چھوٹے بھائی پر تھپڑوں،مکوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔نہ جانے کب تک نا کردہ جرم میں روئی کی طرح دھنکتا رہا۔

اماں گھر میں داخل ہوئی، ہاتھوں سے تر کاری چھوٹی اور تیزی سے ناصر کو پیچھے ہٹایا۔ ناصر! اللہ کا خوف کرو یہ بے چارہ تو پہلے ہی قسمت کی ستم ظریفی کا شکار ہے۔ ظلم کر کے کیوں اس کی زندگی اجیرن کرتے ہو۔

اماں نے بچاتے ہوئے کہا۔

اور اس کی وجہ سے جو ہماری زندگی اجیرن ہو گئی ہے اس کا کیا—؟ دوستوں میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔سارا معاشرہ مجھ پر ہنستا ہے۔ناصر مارنے کے لئے دوبارہ آگے بڑھا تو اماں نے سختی سے بازو پکڑ لیا۔

چھوڑ دو اس بے چارے کو۔تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ جینے دو اس کو اپنی زندگی۔اماں نے سسکتے ہوئے کہا۔

اماں اس کو کہیں بھیج دو نہیں تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔اسے دیکھتا ہوں تو نفرت ہوتی ہے۔اس گھر میں یہ رہے گا یا میں۔ناصر نے زہر بھرے لہجہ میں کہا اور پیر پٹختے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

اماں زخموں پر ہلدی کا لیپ کرنے لگی۔ چہرہ پر نیل پڑ گئے تھے۔ وہ بے ہوشی میں اماں اماں پکار رہا تھا۔ ماں جذبات کو قابو میں کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی پھر گلا رندھ گیا۔ وہ نادر کے ادھورے وجود سے لپٹ کر سسکنے لگی۔اماں نے اس لمحہ فیصلہ کر لیا کہ نادر کو گرو کی دنیا میں بھیج دے گی۔ یہاں رہا تو ناصر اس کو جان سے مار دے گا۔

---

ماں نے کانپتے ہاتھوں سے نادر کا ہاتھ گرو کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا، میں اللہ کے نام پر اپنا لخت جگر تمہارے حوالہ کر رہی ہوں۔اس کا دھیان رکھنا۔اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤ۔اتنی دور کہ ناصر یا میں اس کی دھول کو بھی نہ پا سکیں۔ماں کے لہجہ میں کرب تھا۔

نادر سے نظریں ملائے بغیر گرو کے ڈیرے سے تیزی سے نکل آئی، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔اپنا آپ مجرم لگا۔

گرو نادر کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کی

ماں کی خواہش پر اپنے گرو چھمیا کے پاس دوسرے شہر بھیج دیا۔ رنگ روپ اور خوب صورتی کی وجہ سے گرو نے اس کا نام چنبیلی رکھا اور وہ چنبیلی کھسرے کے نام سے جانا جانے لگا۔

یہاں کوئی اس پر تنقید نہیں کرتا تھا، سب ایک سے تھے۔ دکھ درد سانجھے تھے البتہ زندگی کا پہیہ چلانے کے تمام راستے ان کے لئے بند تھے۔ کسی کاروبار زندگی میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی، سوائے اس کے کہ لوگوں کی خوشیوں میں رقص کی محفلیں سجائیں یا چوراہے پر کھڑے ہوکر بھیک مانگیں یا مکمل وجود کے حامل لوگوں کے ادھورے پن کو تسکین دینے کا سبب بن جائیں۔

اس کے گروہ میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ ایسے بھی جو شوقیہ ان میں شامل ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے کھسروں کو بدنام کر دیا تھا۔

چنبیلی خواجہ سرا، زنخا، مخنث، ہیجڑا اور کھسرے میں فرق نہیں جانتا تھا۔ واسطہ محض اپنے ادھورے وجود سے پڑا تھا۔ آہستہ آہستہ معلوم ہوا کہ خواجہ سرا وہ ہوتا ہے جو جنسی لحاظ سے معذور ہو۔ جو لوگ نفسیاتی اور جسمانی ساخت میں عورت کے قریب ہوں انہیں زنخا کہتے ہیں۔ نامکمل مرد کو مخنث کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو شوقیہ یا سزا کے طور پر مخصوص عضو سے محروم کر دیئے جائیں، ہیجڑے کہلاتے ہیں۔ اور وہ جو عورتوں کی جسمانی و نفسیاتی ساخت رکھتے ہوں انہیں کھسرا کہا جاتا ہے۔

> حضور قلندر بابا اولیاؒ ہر فرد کے جذبات کا احترام کرتے تھے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی۔ ایک صاحب نے سویٹر تحفہ میں پیش کیا۔ سویٹر جسامت سے دگنا تھا۔ ایک مرید نے کچھ کہنا چاہا لیکن انہوں نے اشارہ سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ جب وہ صاحب گئے تو فرمایا، ان کے ذہن میں جو میرا تصور تھا وہ اس تصور کے مطابق سویٹر لائے۔ اگر آپ کچھ کہہ دیتے تو ان کا دل برا ہو جاتا۔ اب ان کے ذہن میں یہ بات آئے گی بھی نہیں کہ سویٹر بڑا ہے۔

ہر کھسرا اپنے لئے گریا چنتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے خواتین شوہر کا انتخاب کرتی ہیں۔ گریا کی حیثیت مرد کی ہوتی ہے اور کھسرا سمجھتا ہے کہ یہ میری حفاظت کرے گا۔ وہ اپنے گریا کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ جس کا گریا جتنا جواں مرد اور خوب صورت ہوتا ہے، اسی مناسبت سے وہ حلقۂ احباب میں قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔

چنبیلی کو یہ باتیں بڑی عجیب لگتی تھیں۔ اس نے ابھی تک گریا کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ چنبیلی کے حلقۂ احباب میں شانو ہیجڑا بھی شامل تھا۔ شانو کے اطوار اچھے نہیں سمجھے جاتے تھے۔

گرو نے ایک دن شانو کے کہنے پر چنبیلی کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ کسی محفل میں رقص کے لئے جائے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی گرو کے کہنے پر وہ راضی ہو گیا۔

(قسط: ۱)

ایم رحمان شیخ

# ہیبت ناک گرج

کرا گانو نے چٹانوں پر چڑھنے کا اشارہ کیا۔ شیر زور زور سے دھاڑ رہا تھا اور مضطرب ہو کر دائیں بائیں فرار کی تلاش میں تھا۔ بھاگنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

ہم الٹے پاؤں بھاگے۔ کوئی سو گز دور جانے کے بعد درخت کی ٹوٹی ہوئی موٹی شاخ نظر آئی جس پر خون کے خشک دھبے تھے۔ شاخ سے چند فٹ کے فاصلہ پر گھاس میں ایبا کی رائفل تھی۔ رائفل کے چیمبر میں ایک کارتوس تھا اور ایک کارتوس کا خول گھاس پر تھا۔

اردگرد کے معائنہ سے واضح ہوا کہ ایبا کو کسی آدمی نے نہیں، اسی بھینسے نے مارا تھا کیوں کہ یہاں ایبا کے اور جنگلی بھینسے کے قدموں کے نشان آس پاس موجود تھے۔ کڑیاں اس طرح ملیں کہ ایبا نے گڑھے کے پاس کھڑے ہو کر جنگلی بھینسے پر گولی چلائی۔ گولی نشانہ پر لگی اور بھینسا بھاگ نکلا۔ ایبا نے تعاقب کیا۔ بھینسا جھاڑیوں میں چھپ کر انتظار کرنے لگا۔

ایبا وہاں آیا تو موقع دیکھ کر بھینسے نے حملہ کر دیا۔ ایبا کو دوسری گولی چلانے کی مہلت نہیں ملی۔ بھینسے نے سینگ مار کر فضا میں پھینکا، وہ درخت کی ٹوٹی شاخ سے ٹکرایا جو ایبا کے ساتھ نیچے آن گری اور وہ شاخ میں دب گیا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے کھودے ہوئے گڑھے کی طرف رینگنے لگا مگر وہاں پہنچتے پہنچتے اس کا دم نکل گیا۔ تلاش کے بعد ادھر ادھر گرے کارتوس بھی مل گئے۔

---

ایبا جیسے بہادر شخص کی دردناک موت کا غم تازہ تھا کہ ایک اور بڑا حادثہ پیش آیا۔ خیمہ میں قہوہ پی رہا تھا کہ کپتان کے آنے کی اطلاع ملی۔ ماتھا ٹھنکا کہ وہ یک لخت پروگرام کے بغیر کس طرح آ گیا۔ ہم بغل گیر ہوئے۔ اس نے کہا، بھائی قصہ یہ ہے کہ ایک شہزادہ اس علاقہ میں شکار کے لئے آ رہا ہے۔ اس کی راہ نمائی کے لئے تجربہ کار مشاق شکاری کے انتظام کی ہدایت ملی ہے۔ نظر انتخاب تم پر پڑی ہے۔ معاوضہ معقول ملے گا۔ ارادہ ہو تو شہزادہ کو اطلاع بھیج دوں؟

میں نے کہا، اس شرط پر شہزادہ کے ساتھ شکار پر جا سکتا ہوں کہ وہ چون و چرا کئے بغیر بات مانے گا۔ میں اسے جنگل میں ہرگز شہزادہ نہیں سمجھوں گا۔ اس قسم کے لوگ حماقت اور اناڑی پن کا خوب مظاہرہ کرتے

ہیں۔ کپتان رضامندی پر خوش ہوگیا۔

میں نے یہ بھی کہا کہ شہزادہ کے ساتھ ایک دو آدمی جنگل میں جاسکتے ہیں، زیادہ آدمی نہیں!

قصہ مختصر ایک ہفتہ بعد شہزادہ صاحب تشریف لائے۔ مصلحت کی بنا پر یہ نہیں بتاؤں گا کہ ان کا تعلق کس ملک سے تھا۔ اللہ جانے کس نے انہیں افریقہ کے جنگلوں میں شیروں اور ہاتھیوں کا شکار کھیلنے کا مشورہ دیا۔ شکار کی ابجد سے وہ نا واقف تھے البتہ ہلکے پھلکے اسلحہ کی ریل پیل تھی۔ بیک وقت چار چار بندوقیں، پستول، پتھر اور رائفلیں موجود ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ کئی لوگ تھے مگر انہیں شرط بتادی گئی تھی، باقی لوگ کیمپ میں رہے۔

---

شہزادہ کا ایک افریقی ملازم خود کو بڑا شکاری سمجھتا لیکن وہ بھی مالک کی طرح کورا تھا۔ اعشاریہ 416 رائفل لیے شہزادہ کے آگے پیچھے پھرتا۔ بلاشبہ شیر کے لئے یہ رائفل مناسب تھی لیکن گینڈے یا جنگلی بھینسے کے سامنے، اس کی وقعت کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔

شہزادہ سے کہا، رائفل ہلکی ہے، آپ کو اعشاریہ پانچ سو کی رائفلیں رکھنی چاہئے تھیں۔

جواب ملا، ہم نے ان سے ہزاروں شیر، گینڈے اور ہاتھی مارے ہیں، جنگلی بھینسے کی کیا حیثیت ہے!

جل کر کہا، جناب! پھر تو آپ کی شاگردی اختیار کرنی چاہئے۔ وہ مسکرائے اور مزید تعریفوں سے باز رہے۔

رات کو جب ہم شہزادہ صاحب کے کارناموں کی تفصیل ان کی زبانی سن رہے تھے تو دفعتہً جنگل شیر کی گرج سے گونج اٹھا۔ شہزادہ نے چونک کر آواز بغور سنی اور کہا، شیر کہیں قریب گھوم رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ رات کو ہم سو رہے ہوں اور وہ ہم پر آن پڑے۔

میں ہنسی نہ روک سکا۔ اس سے پیش تر کہ کچھ کہتا میرا عزیز ترین افریقی دوست ''کراگانو'' جو قبیلہ ماسائی کا معروف نیزہ باز تھا اس نے کہا، بوانا (جناب)! شیر اس وقت بہت دور ہے۔ اطمینان سے سو جائیں۔ شیر جنگلی بھینسوں کے علاقہ میں نہیں آتا۔

یہ کون ہے؟ اس نے کراگانو کے بارے میں پوچھا۔

جناب! اس کا تعلق ماسائی قبیلہ سے ہے۔ یہ لوگ صرف نیزہ سے شیر کو مار ڈالتے ہیں اور کراگانو اب تک کئی شیر مار چکا ہے۔

نیزہ سے—؟ شہزادہ چلایا، میں نہیں مانتا۔

میں نے کہا، میں آپ کو ماننے پر مجبور کرنے کا حق نہیں رکھتا البتہ حقیقت یہی ہے۔

شہزادہ صاحب بولے، ٹھیک ہے کل اس کا امتحان ہوگا۔ کامیاب ہوا تو اپنی رائفل انعام میں دیں گے۔

---

علی الصبح چار افراد پر مشتمل گروہ شیر کی تلاش میں نکلا۔ جنگل کے جنوبی حصہ میں شیر آباد تھے، وہاں تک پہنچنے کے لئے سات میل طویل چکر کاٹنا پڑا۔ کراگانو حسب معمول نیزہ سے مسلح تھا۔ میرے پاس اعشاریہ پانچ سو کی رائفل اور شہزادہ اور افریقی ملازم کے پاس وہی

اعشاریہ 416 کی تین رائفلیں تھیں۔ طے تھا کہ شیر پر اس وقت فائر کیا جائے جب بچنے کی امید نہ ہو۔

سہ پہر تین بجے جنگل کے جنوبی حصہ میں پہنچے۔ تھکن چہروں سے عیاں تھی۔ شہزادہ کی حالت ابتر تھی۔ ہم شیروں کی حدود میں داخل ہو چکے تھے، اب ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ کراگانو نیزہ سنبھالے اور ڈھال بائیں کندھے سے لٹکائے آگے چل رہا تھا۔ اس کا چہرہ مقابلہ کے تصور سے تانبے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ گہرے سیاہ رنگ کے اندر سے ابھرتی ہوئی یہ سرخی خوف ناک معلوم ہوتی تھی۔

تیز دھوپ کا اس جنگل میں گزر نہ تھا۔ لمبی لمبی گھاس کے ایک وسیع و عریض علاقہ کو طے کرتے ہوئے یکا یک کراگانو رک گیا اور نیزہ بلند کر کے سب کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظریں پچاس گز دور کسی مقام پر رک گئیں۔ شہزادہ اور اس کے افریقی ملازم چوکنے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

میں نے کراگانو سے پوچھا، رک کیوں گئے؟

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جنگل کے بادشاہ کی مخصوص خوش بو یہاں پھیلی ہوئی ہے —؟ یہ کہہ کر اس نے چاقو نکالا اور اس کا دستہ زور زور سے ڈھال پر مارتا ہوا وحشیانہ جوش سے آگے بڑھا۔ شہزادہ نے حواس باختہ ہو کر مجھ سے کہا اس پاگل کو روکو، اگر گھاس میں شیر چھپا ہو تو حملہ کر دے گا، یہاں تو بھاگنے کی بھی جگہ نہیں۔

جواب دیا، جناب آپ بھاگنے آئے ہیں یا شیر کا شکار کھیلنے —؟ حوصلہ سے کام لیجئے ورنہ نقصان کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ کراگانو شیر سے نمٹنا جانتا ہے۔

اتنے میں سامنے لمبی گھاس زور سے ہلی اور شیر ناراضی سے دھاڑا۔ شور سے آرام میں خلل پڑا تھا۔ ادھر شہزادہ اور افریقی کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ ادھر ادھر درختوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ خطرہ کے وقت کس درخت پر چڑھنا آسان ہوگا۔ کراگانو کے بڑھتے قدم کے ساتھ شہزادہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ دل ہی دل میں ''ہز ہائی نس'' کی بہادری پر ہنسی آ رہی تھی جس نے اپنے کارنامے سنا کر ہمیں عاجز کر دیا تھا۔

شیر ہول ناک دھاڑ کے ساتھ گھاس کو چیرتا ہوا باہر نکلا۔ طبیعت دیکھتے ہی خوش ہوگئی۔ وہ افریقی نر شیروں کے حسن کا شان دار نمونہ تھا، گردن پر سیاہ بالوں کا گچھا شاہانہ تاج کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔ اس وقت وہ قطعاً مقابلہ کے موڈ میں نہیں تھا۔ دو تین مرتبہ دھاڑ کر واپس گھاس میں غائب ہو گیا۔

کراگانو چلایا، جلدی کرو صاحب میرے پیچھے آؤ ہم اسے آگے گھیر لیں گے۔ یہ کہہ کر وہ دوڑا، اس کے پیچھے مجھے بھی جانا پڑا۔ شہزادہ اور اس کا افریقی نوکر مجبوراً میرے ساتھ چلے۔ شیر کے پنجوں کے نشان دیکھتے ہوئے ہم ایک میل اور آگے بڑھے۔ اب ہم جنگل کے خشک اور پتھریلے حصہ میں آ چکے تھے جہاں قدم قدم پر خاردار گھنی جھاڑیاں تھیں لیکن شیر ان میں سے اس طرح نکل جاتا جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ پہلے سے

طے تھا کہ شیر پر فائر نہیں کیا جائے گا۔

شیر بار بار رکتا، مڑ کر ہماری جانب چمکتی آنکھوں سے دیکھتا اور دھاڑ کر پھر دوڑنے لگتا۔ آخر ایک پہاڑی درّہ (دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ) میں، جو آگے سے بند تھا وہ پھنس گیا۔

---

جنگل کے اس حصہ سے آسمان نظر آتا تھا۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ آج رات اس پہاڑی پر بسیرا کرنا ہوگا۔ کیمپ بہت دور اور رات کو بھیانک جنگل میں سفر ناممکن تھا۔

کراگانو نے چٹانوں پر چڑھنے کا اشارہ کیا۔ شیر زور زور سے دھاڑ رہا تھا اور مضطرب ہو کر دائیں بائیں فرار کی تلاش میں تھا۔ بھاگنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کراگانو نیزہ دائیں ہاتھ میں سنبھالے اور بائیں ہاتھ سے ڈھال سینہ کے آگے کئے بت کی مانند کھڑا تھا۔

چلا کر کہا، کراگانو فکر نہ کرو — میں مستعد ہوں۔ خود کار مشین کی طرح اس کا دایاں ہاتھ فضا میں بلند ہوا، نیزہ کی لمبی تیز دھار والی انی (نیزہ کی نوک) ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعوں میں چمکنے لگی۔ پھر وہ باوقار انداز میں شیر پر نظریں جماتے ہوئے آگے بڑھا۔

شیر کا اشتعال اور غیظ وغضب انتہا پر تھا۔ دُم تیزی سے ہل رہی تھی اور جبڑا بھیانک انداز میں کھلا ہوا تھا جس میں دو طرفہ بڑے نوکیلے دانت حریف کی تکہ بوٹی کر دیتے تھے۔

کراگانو جب دس گز دور رہ گیا تو شیر نے گردن جھکالی، پیٹ زمین کو چھونے لگا۔ جوش میں وہ پنجوں سے زمین کھود رہا تھا، آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے ایک ہول ناک گرج کے ساتھ وہ اچھلا اور کراگانو کی طرف آیا۔ بجلی کی سی تیزی سے کراگانو کا نیزہ شیر کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ شیر قلابازی کھا کر پیچھے گرا لیکن گرتے گرتے ایک دو ہتڑ کراگانو کے سر پر مارا۔ اس نے ڈھال آگے کر دی۔ شیر کا پنجہ ڈھال پر پڑا اور وزنی ڈھال کراگانو کے ہاتھ سے چھوٹ کر کھلونے کی طرح دور جا گری۔ ماسائی شکاری کے نیزہ کی انی شیر کی گردن سے پار ہو گئی تھی۔

شیر نے دوبارہ چھلانگ لگائی اور کراگانو کو گرا دیا۔ اب ان میں باقاعدہ زور آزمائی ہونے لگی۔ چند لمحوں میں وہ دونوں خون میں لت پت تھے۔ کراگانو نے شیر کو پچھاڑ کر چاقو اس کے سینہ میں اتار دیا تھا۔ اس کے بعد وہ شیر کی لاش پر ڈھیر ہو گیا۔

میں دوڑتا ہوا گیا اور دوست کو کھینچ کر شیر سے دور ہٹایا۔ شیر نے آنکھیں کھولیں، اللہ کی پناہ — اس کی آنکھیں کبوتر کے خون کی مانند سرخ تھیں۔ اس نے مجھ پر حملہ کرنے کے لئے جست لگانا چاہی مگر اسی لمحہ دم نکل گیا۔ اگر ایک منٹ کی تاخیر ہو جاتی تو میں شیر پر گولی چلا کر کھال خراب کرنے کا قصوروار گردانا جاتا۔

---

وہ رات ہم نے پہاڑی پر آگ جلا کر بسر کی۔ کراگانو

کے زخم مہلک نہیں تھے۔ رات کے پچھلے پہر تک وہ ہوش میں آچکا تھا۔شہزادہ نے وعدہ کے مطابق رائفل دی اور اچھے الفاظ میں بہادری کی تعریف کی ۔صبح ہم نے شیر کی کھال اتاری اور کیمپ کا رخ کیا۔

دوپہر تک ہم پانچ میل کا سفر طے کر چکے تھے۔ شہزادہ کی نظر تقریباً 80 گز دور بھاری بھرکم جنگلی بھینسے پر پڑی۔فوراً رائفل سے نشانہ لیا اور میرے روکنے کے باوجود گولی چلادی۔گولی کھاتے ہی بھینسا گرا۔ہم اس کی طرف متوجہ تھے کہ دوسرا بھینسا جھاڑیوں میں سے نکلا اور ہمارے قریب سے دوڑتا ہوا گزر گیا۔شہزادہ نے ایک اور گولی چلائی۔گولی دوسرے بھینسے کے پیٹ میں لگی مگر وہ گرا نہیں ،چیختا ہوا بھاگتا رہا۔دیر تک اس کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔

میں نے کراگانو سے کہا کہ آؤ تعاقب کریں ۔ شہزادہ نے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔وہ اسے خود مارنا چاہتا تھا۔ضد کے آگے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔پندرہ بیس گز آگے بڑھے تھے کہ بھینسا جھاڑیوں میں دکھائی دیا۔ہمیں دیکھتے ہی پھر بھاگ نکلا۔

گھنی جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے کراگانو حسب معمول سب سے آگے تھا۔میرے پیچھے شہزادہ اور اس کا ساتھی افریقی رائفل بردار ملازم تھے۔جھاڑیاں گھنی اور بلند تھیں کہ دوسری طرف کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔شہزادہ بھاگ دوڑ سے اکتا گیا اور بولا، واپس چلو، دل گھبرا رہا ہے۔لگتا ہے کہ خوف ناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔

سخت غصہ آیا کہ عجیب بے وقوف سے پالا پڑا ہے۔ زخمی بھینسے کو چھوڑنا خطرناک تھا۔میں نے کراگانو اور افریقی نوکر سے کہا کہ وہ جہاں کھڑے ہیں وہیں رہیں، بھینسے کا تعاقب کریں نہ گولی چلائیں۔

سختی سے ہدایات دے کر شہزادہ کو ساتھ لیا اور دائیں جانب کھلے میدان کی طرف لے گیا۔ارادہ تھا کہ اس بزدل کو کسی محفوظ جگہ پہنچا کر بھینسے کے تعاقب میں نکل جاؤں گا۔

مناسب جگہ شہزادہ کو چھپا کر کہا، آپ یہیں ٹھہریں میں ان دونوں کو بلاتا ہوں۔یہ کہتے ہی میں واپس ہوا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ بھینسے کے ڈکرانے کی آوازیں آئیں۔دل دہل گیا کیوں کہ یہ آواز بھینسا اس وقت نکالتا ہے جب حریف پر حملہ کے لئے آمادہ ہو۔اس کے بعد گولی چلنے کی آواز سنی۔آہ— غضب ہوگیا۔

دیوانہ وار جھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا اس مقام پر پہنچا تو دہشت ناک منظر سامنے تھا۔کراگانو بے ہوش اور بھینسا پیروں کے بل زمین پر جھکا ہوا کراگانو کے جسم میں مسلسل سینگ گھونپ رہا تھا۔وحشی نے میری آمد محسوس نہیں کی۔جب فاصلہ پانچ گز رہ گیا تو وہ میری جانب لپکا۔میری بھاری رائفل سے شعلہ نکلا اور گولی بھینسے کے شانے میں پیوست ہوگئی۔گولی کھاتے ہی بھینسا پیچھے ہٹا اور دھم سے گرا۔اس کے وزنی جسم کا نصف حصہ کراگانو کے اوپر تھا۔

میں نے بدحواس ہوکر کراگانو کی ٹانگیں پکڑیں اور گھسیٹ کر بھینسے کے نیچے سے نکالنے کی کوشش کی مگر بے سود — پھر میں نے چلا چلا کر شہزادہ کو آوازیں دیں۔تھوڑی دیر بعد شہزادہ دوڑتا ہوا آیا، چہرہ دہشت سے سفید تھا۔ہم نے مشکل سے کراگانو کو گھسیٹ کر علیحدہ کیا۔اللہ کی پناہ — جسم خون میں لت پت تھا۔ کئی زخم گہرے تھے۔بازوؤں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی اور انگلیاں بھینسے نے چبا ڈالی تھیں۔شاید کراگانو کا ہاتھ اس کے منہ میں آگیا تھا۔

تھیلے میں سے سرنج نکالی اور انجکشن لگایا تاکہ درد کی شدت کم ہو۔چند منٹ میں وہ ہوش میں آچکا تھا۔

آنکھیں کھولتے ہی اس نے کہا، کیا رائفل بردار مرچکا ہے؟ اگر نہیں مرا تو مجھ میں ابھی اتنی قوت ہے کہ پہلے اسے جہنم رسید کردوں۔

کراگانو کے بیان کے مطابق اس حادثہ کا ذمہ دار شہزادہ کا افریقی ملازم تھا۔دراصل وہ بہادری دکھانے کے لئے دیر سے مضطرب تھا۔میرے وہاں سے ہٹتے ہی بھینسے کے قدموں کے نشان دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ کراگانو نے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سنی۔ تھوڑے فاصلہ پر بھینسے کو بے حس وحرکت پڑا دیکھا۔

یہ بے وقوف خوش ہوا اور کارگزاری دکھانے کے لئے گولی چلادی۔بھینسا اس کی طرف لپکا۔یہ بدحواس ہوکر کراگانو کی طرف بھاگا لیکن بھینسے نے اسے راستہ میں جالیا اور اس زور سے ٹکر ماری کہ وہ دوبارہ اٹھ نہ سکا۔

یہ سب اتنی سرعت سے پیش آیا کہ بے چارہ کراگانو نیزہ بھی استعمال نہ کرسکا۔اس سے پیش تر کہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا، وحشی بھینسا حملہ کرچکا تھا۔

دائیں جانب اٹھارہ فٹ کے فاصلہ پر رائفل بردار کی لاش پڑی تھی۔ جب میں نے کراگانو کو بتایا کہ رائفل بردار مرگیا ہے تو اس جان کنی کے عالم میں بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔شہزادہ کی مدد سے کراگانو کو اٹھایا اور کیمپ کی طرف لوٹے۔

عزیز اور بہادر دوست کو اس حال میں دیکھ کر میں بے حال تھا۔قریب ترین ڈاکٹر بھی اس بھیانک جنگل سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔تکلیف کے باعث اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔

تکلیف کی شدت میں بھی ماسائی شکاری نے اپنی دیرینہ روایات ترک نہ کیں۔وہ پیدائشی شکاری تھا۔ جب ہم ایک جگہ رکے تو بارش شروع ہوگئی۔

اسی اثنا میں ایک ہاتھی ادھر آنکلا۔کراگانو کے چہرہ پر رونق آگئی۔لب پھڑپھڑائے۔میں کان منہ کے قریب لے گیا۔وہ نحیف کپکپاتی آواز میں بولا، بوانا! اس کے دانت کتنے قیمتی ہیں۔آپ اسے ضرور شکار کریں۔

اس رات میرا دوست — کراگانو جس نے میری شکاری زندگی بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور کئی مرتبہ میری جان بچائی، میرے بازوؤں میں دم توڑ گیا۔

(آخری قسط)

محمد سعید انور

# چقندر

سرخ وسفید اور صحت مند چہرہ کو دیکھ کر محاوروں اور ضرب المثل سے واقف لوگوں کے ذہن میں ممکن ہے کہ چقندر کی شبیہ بنتی ہو۔ اگر زبان سے نہیں تو دل میں وہ ضرور کہتے ہوں گے کہ چقندر سا ہو رہا ہے۔

چہرہ پر سرخی کو چقندر سے تشبیہ دینا اس خصوصیت کے سبب ہے کہ صرف چقندر کی قاش کو ہاتھ میں لیا جائے تو اپنا رنگ ہاتھ پر چھوڑ دیتا ہے۔

ہر مخلوق میں مادہ کی تمام حالتیں موجود ہیں لیکن کوئی مغلوب اور کوئی غالب ہوتی ہے۔ یہ قدرت کی صناعی ہے کہ اس نے پھل اور سبزیوں میں ٹھوس پن کے ساتھ نمی کو بھی نمایاں رکھا ہے۔ اس طرح کہ نمی کا اپنا درجۂ حرارت ہے اور ٹھوس کا اپنا۔

عموماً جب نمی کی بات ہوتی ہے تو ذہن میں تری یا بھیگنے کی تصویر بنتی ہے۔ پھل اور سبزیوں کی خاص بات یہ ہے کہ جب ان کو کاٹا جاتا ہے تو ان میں موجود تری کا درجۂ حرارت ایسا ہے کہ نہ خشک ہے اور نہ بہتا ہوا۔ جیسے پھل اور سبزیاں نہ ہوئیں ریفریجریٹر ہو گیا۔ قدرت کا بنایا ہوا ایسا ریفریجریٹر کہ اس میں مادہ کی تمام حالتوں کا درجۂ حرارت الگ الگ مگر ایک جگہ ہے۔

چقندر سمیت کسی بھی سبزی یا پھل کے باطنی رخ پر تحقیق کی جائے تو کوئی شک نہیں، فکر کے دروا* ہوں گے۔

چقندر ضرب المثل میں جہاں خوب صورتی کے لئے استعمال ہوتا ہے وہاں ایک محاورہ میں کام یابی کے اظہار کے لئے اس کا ذکر ہوا ہے۔

چقندر کا شتم زردک برآید

''بوئے چقندر نکلیں گاجریں''

محاورہ میں گاجر اور چقندر کا موازنہ کیا گیا ہے اور رنگ کی مناسبت سے گاجر کو ناکامی اور چقندر کو کام یابی سے منسوب کیا گیا ہے۔ چوں کہ چقندر کا رنگ گہرا سرخ ہے اور گاجر نمایاں طور پر کم سرخ البتہ سرخ کے درجہ میں ضرور آتا ہے۔ چقندر ہو یا گاجر دونوں کی اپنی افادیت ہے تاہم محاورہ کا مفہوم یہ ہے کہ جتنا گڑ ڈالا گیا، شے اتنی میٹھی نہ ہو سکی یا پھر نتیجہ محنت کے برعکس ہے۔

یہ ہے چقندر کے ادبی رخ کی ایک جھلک۔ یہ اور بات ہے کہ اسے کھا کر نتیجہ آنے پر ادب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اب بات کرتے ہیں چقندر میں موجود اجزا اور ان کی افادیت کی۔

چقندر کی جڑ سے حاصل کیا جانے والا Betanin

---

*دروا (فکر کے دروازے کھلنا)

فوڈ انڈسٹری میں کئی اشیا کے رنگ کو قابل توجہ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ان میں ٹماٹو کیچپ، جام جیلی آئس کریم، ٹافیاں اور sauces شامل ہیں۔

چقندر میں وٹامن اے، بی، سی، پوٹاشیم اور فولیٹ کی وافر مقدار پائی جاتی ہے۔اس میں موجود نائٹرک ایسڈ سے جسم میں موجود نائٹرک ایسڈ کو تقویت ملتی ہے یہ خون کی شریانوں کو کشادہ کر کے امراض قلب سے بچاتا ہے۔ چقندر میں نائٹرک ایسڈ سے فائدہ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اسے خام حالت میں استعمال کرنا ہے کیوں کہ ابالنے اور پکانے سے نائٹریٹ کی تاثیر پانی اور دیگر اجزا میں ضائع یا کم ہو جاتی ہے۔

چقندر بطور غذا اور دوا دونوں طرح مفید ہے۔بطور غذا جسم کو تقویت فراہم کر کے مدافعتی نظام کو مضبوط بناتا ہے۔فائبر کی مقدار زیادہ ہونے سے نظام انہضام، بواسیر اور قبض میں مؤثر ہے۔

خون کی کمی کی شکار خواتین و حضرات کے لئے چقندر مؤثر قدرتی اور سستا نسخہ ہے۔البتہ اسے ایک وقت میں زیادہ کھانے سے احتیاط کریں۔سلاد کے طور پر استعمال کیا جائے اور جوس میں تین یا چار عدد گاجروں کے ساتھ ایک یا دو قاشیں ڈال لی جائیں تو بہتر ہے۔صرف چقندر کے جوس کو ہاضمہ برداشت نہیں کرتا — قے ہو جاتی ہے۔جوس کے طور پر اسے لازمی کسی اور شے کے ساتھ استعمال کریں اور مقدار کم رکھیں۔

چقندر میں ایک جزو Betalains کینسر کے علاج میں معاون ہے۔ماہرین کے مطابق چقندر کا استعمال خون کے سرطان (لیوکیمیا) میں فائدہ مند ہے۔وجہ اس میں موجود لائکوپین ہے۔محققین تجویز دیتے ہیں کہ لیوکیمیا میں مبتلا مریض روزانہ ایک کلو چقندر وقفہ وقفہ سے لے۔اس مقصد کے لئے چقندر کو کچا، آدھا پکا ہوا یا کسی جوس میں شامل کر کے لیا جا سکتا ہے۔

عام طور پر چقندر کے استعمال کے وقت اس کے دو اہم حصے پھینک دیئے جاتے ہیں۔چقندر کے پتوں میں وٹامن اے اور سی کے لئے فولاد موجود ہے لہٰذا پھینکنے کے بجائے دوسری شے کے ساتھ پکا کر کھائیں۔

پتوں اور چقندر کے درمیان طویل ڈنٹھل بیکار سمجھی جاتی ہے۔اس میں Bioflavonoids ہوتا ہے۔یہ اینٹی باڈیز میں شامل ہے اور بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرتا ہے۔اسے بھی کسی شے کے ساتھ پکا کر استعمال کر سکتے ہیں۔چقندر آنکھوں کی خشکی کو دور کرتا ہے۔اسے کھانے سے جھریاں دیر سے آتی ہیں۔اس کا ایک اہم کردار جسم میں ہارمون کے نظام کو کنٹرول کرنا ہے۔سردیوں میں جلد کھردری ہو کر پھٹنے لگتی ہے اور ہاتھ اور پیر کی خوب صورتی متاثر ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ چقندر کو پانی میں ابال کر اس پانی سے ہاتھ پاؤں دھوئیں تو جلد نرم رہتی ہے۔چقندر کی ایک قسم ایسی ہے جس سے چینی بنتی ہے جس کے دانے عام چینی کی نسبت چھوٹے اور سفید ہوتے ہیں۔

# اقتباسات

’’ماہنامہ قلندر شعور‘‘ کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ہر گزرنے والا لمحہ آنے والے لمحہ کے انتظار کا پیش خیمہ ہے، انتظار بجائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چپکا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ پنگوڑے سے باہر نہیں آئے گا، لاشعوری نشو ونما رک جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی، چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔ جب ہم زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ یہ بیج گل کھلائے گا۔

(کتاب: کشکول، مرسلہ: ذاکر علی۔جدہ)

کیا ہم نے غور کیا ہے کہ پانی کا ہر گھونٹ جو ہم ایک لمحہ میں حلق سے اتارتے ہیں، آب رسانی کے کتنے طویل عمل سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے ــــ؟

اس میں سمندر، بادل، پہاڑ، آفتاب، ہوائیں، ندی نالے، زمین اور اس میں مخفی خزانے، اس پر چلنے والے جانور، اور بالآخر انسان اور اس کے بنائے ہوئے آلات سب اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

سرور کونین حضور پاکؐ نے تعلیم دی ہے کہ پانی پینے یا کسی بھی کام سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر پانی پینا شروع کرو۔ درحقیقت اس عمل کا مقصد یہ ہے کہ پانی کی نعمت کو استعمال کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کو یاد کرو جس نے تمہارے ہونٹوں تک پانی کے یہ گھونٹ پہنچانے کے لئے کائنات کی لاتعداد قوتوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے۔

(مرسلہ: جویریہ احمد، کراچی)

ادارہ

# اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

عزیز از جان بچو! السلام علیکم،

بچے رنگ رنگ اور اجلے کپڑوں میں اچھے لگتے ہیں۔ کپڑا کوئی بھی ہو، دھاگے سے بنتا ہے۔ کیا آپ نے اماں کے دوپٹہ یا اپنی قمیص کو غور سے دیکھا ہے — ؟ اگر نہیں دیکھا تو اب دیکھ لیجئے۔ نظر آئے گا کہ کپڑے میں دھاگوں کی شکل گراف جیسی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ گراف کیا ہے — ؟ سہولت کے لئے اگلے صفحہ پر گراف کی تصویر ہے۔ قمیص کی طرح گراف میں لکیریں دائیں بائیں اوپر نیچے جاتی ہیں۔ ان لکیروں کو تانا بانا کہتے ہیں۔ لکیریں دھاگوں سے بنی ہیں۔ اگر آپ ایک ایک کر کے قمیص سے دھاگے نکال لیں تو بتایئے کیا ہوگا — ؟ جی ہاں! قمیص غائب ہو جائے گی۔ قمیص کہاں گئی اور کب غائب ہوئی — ؟ جب آپ نے ایک ایک کر کے دھاگے یا تانے بانے نکالے۔ تانا بانا ختم ہوا اور قمیص غائب ہوگئی۔ کسی کپڑے یا رومال پر یہ مشق کر کے ضرور غور کیجئے کہ یہ کیسی بات ہے۔

دادا مرشد حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں کہ اسکول میں استاد بچوں کو ڈرائنگ سکھانے کے لئے گراف پیپر کی مدد لیتے ہیں۔ گراف پیپر میں ایک سائز کے بہت سارے چھوٹے چوکور خانہ ہوتے ہیں۔ دھاگوں کی طرح اس میں سیدھی اور ترچھی لکیریں ہوتی ہیں۔ استاد بتاتے ہیں کہ اتنے

خانوں میں ناک بنتی ہے اور اتنے خانوں سے آنکھیں، کان اور ہاتھ بنتے ہیں۔ گراف پیپر میں لکیروں کی وجہ سے ہر عضو یعنی ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پیر وغیرہ درست بنتے ہیں۔

ذہین بچو! کائنات گراف پیپر ہے جس میں سمندر، پہاڑ، زمین، آسمان، جنات، فرشتے، آدمی، نباتات، حیوانات کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ساری تصویریں اوپر نیچے، دائیں بائیں جانے والی لکیروں سے بنتی ہیں۔ لکیریں غائب ہو جائیں تو قمیص کی طرح یہ ساری چیزیں بھی غائب ہو جائیں گی۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو اماں ابا سے پوچھ لیجئے اور بتائیے کہ آپ کیا سمجھے۔

مشق: گراف پیپر پر پنسل سے جو تصویر آپ چاہیں وہ بنائیں اور ہمیں بھیج دیں۔

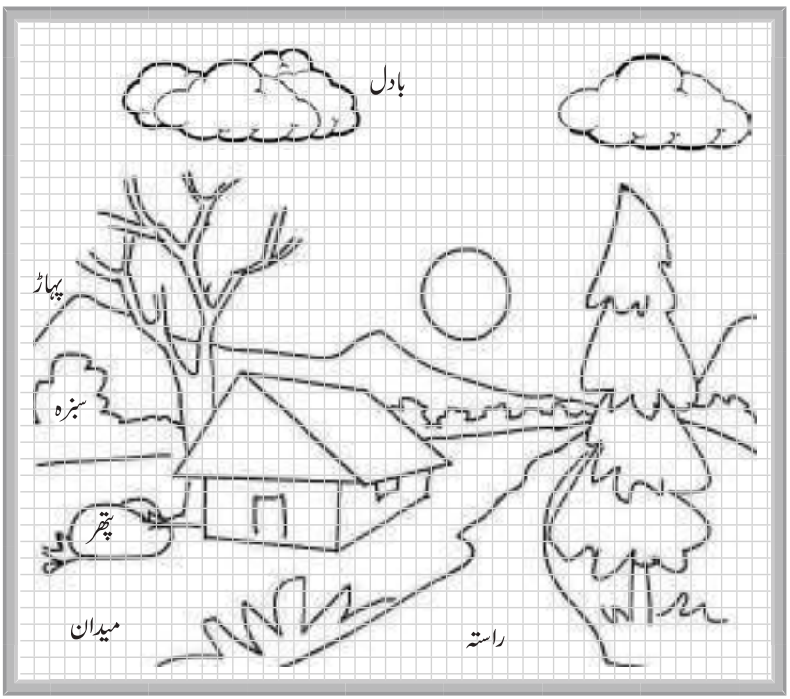

**نومبر 2018ء میں سوال تھا کہ سورج میں روشنی کہاں سے آتی ہے؟ سورج کے آنے سے چاند اور چاند کے آنے سے سورج چھپ جاتا ہے۔ سورج کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے ــــ ؟**

**ہاجرہ احمد، جماعت چہارم (اٹک):** سورج میں روشنی اللہ کے نور سے آتی ہے۔

**آمنہ ابرار، جماعت ہشتم (کراچی):** روح نکلتی ہے تو مخلوق مرجاتی ہے اور آنکھوں میں روشنی نہیں رہتی۔ اسی طرح سورج کی بھی روح ہے۔ سورج میں روشنی، سورج کی روح سے آتی ہے۔

**قرۃ العین، آویزہ، مناہل، محمد حنظلہ، حورین، سمیع اللہ۔ جماعت ہفتم (وہاڑی):** بلب لگائیں اور پانچ فٹ کے فاصلہ پر فٹ بال لٹکائیں۔ بلب کی روشنی فٹ بال کے جس حصہ پر پڑتی ہے وہاں روشنی ہے اور جہاں روشنی نہیں ہے، وہاں اندھیرا ہے۔ دن رات اس طرح بنتے ہیں۔ بلب سورج ہے اور فٹ بال دنیا ہے۔

★ یہ بتایئے کہ بلب میں روشنی کہاں سے آتی ہے ــــ ؟

**طلال ارحم، جماعت ہشتم (اٹک):** سورج میں روشنی آسمان سے آتی ہے۔

**بلال اسلام، جماعت سوم (کراچی):** سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اللہ سورج سے فرماتے ہیں، روشن ہوجا ــــ سورج روشن ہوجاتا ہے۔

**کاشف حذیفہ احمد، جماعت ہفتم (اٹک):** سورج میں روشنی زمین سے جاتی ہے۔

★ پیارے بیٹے کاشف! یہ بتایئے کہ زمین میں روشنی کہاں سے آتی ہے ــــ ؟

**اسفندیار علی، جماعت پنجم (اسلام آباد):** سورج میں بے حد تپش ہے۔ کوئی اس کے قریب نہیں جاتا اس لئے نہیں معلوم وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے۔

★ پیارے بیٹے! اگر سورج میں بے حد تپش ہے تو بتایئے کہ شام کو غروب ہوتے وقت سورج میں تپش کیوں نہیں ہوتی؟

**تبسم، جماعت ششم (کراچی):** سورج جب مشرق میں طلوع ہوتا ہے تو مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ سورج ایک ہی وقت میں دونوں جگہ ہے۔ زمین کی گردش کی وجہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ سورج طلوع اور غروب ہورہا ہے۔

**ایمان فاطمہ، جماعت اول (کراچی):** سورج اللہ کے گھر سے آتا ہے اور اللہ کے گھر چلا جاتا ہے۔

**نورالھدیٰ، جماعت سوم (لاہور):** سورج بادلوں کے پیچھے رہتا ہے۔ وہاں سے نکلتا ہے، پوری دنیا کا چکر لگاتا ہے اور واپس بادلوں میں چھپ جاتا ہے۔

**رضا طاہر، جماعت ہشتم (شیخوپورہ):** سورج نہ کہیں سے آتا ہے، نہ کہیں جاتا ہے، اپنی جگہ پر رہتا ہے۔

**دیگر بچوں کے نام:** بریرہ، شریم، سعدیہ، اقرا، عائشہ، بلال، انعم، الوینہ، منیبہ، امین، سفیان، عروسہ، کاشف، عاصم۔

# سورج مکھی

خوب صورت بڑے باغ میں ہری گھاس کا قالین بچھا تھا۔ اونچے نیچے گھنے درخت اور رنگ رنگ پھول تھے جن پر تتلیاں منڈلاتیں اور شہد کی مکھی ان پھولوں سے رس چوستی۔ ہوا بھینی بھینی خوش بو کی شیدائی تھی۔ وہ پھولوں کے پاس آتی، گہرا سانس لے کر خوش بو سونگھتی اور تھوڑی خوش بو ساتھ لے جاتی — اور پھر جہاں جاتی پھولوں کی مہک پھیل جاتی تھی۔

سرخ گلاب، چنبیلی اور موتیا کی سفیدی، سرسوں کے پیلے ننھے پھول، یاسمین، تالاب میں شان و شوکت سے تیرتا ہوا کنول، اور سورج مکھی کا پھول۔

اس پھول کی محبت کا یہ عالم ہے کہ سورج کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔ جہاں جہاں سورج جاتا، سورج مکھی کا پھول اسی طرف اپنا رخ کر لیتا۔ تمام پھول ہنستے کہ تم دیوانے ہو۔ سورج سے محبت کرتے ہو جو تم سے کیا ہم سب سے نہ جانے کتنا دور ہے۔ پھول سورج سے کیسے محبت کر سکتا ہے۔ سورج تو آسمانوں میں ہے اور تم زمین پر! وہ آگ کا گولا ہے — اور تم نازک پھول۔

سورج مکھی خمار آلود نگاہوں سے انہیں دیکھتا اور مسکراتے ہوئے کہتا، جسے تم آگ کا گولا سمجھتے ہیں، اس کے ذریعے ملنے والی حرارت سے ہمارا وجود ہے۔ تمہاری پتیوں میں رنگ اور خوش بو اسی حرارت سے ہیں۔ سوچو! توانائی نہ ملے تو کیا تم کبھی سخت زمین کو چیر کر باہر نکل سکتے ہو —؟

جانتا ہوں کہ سورج کے قریب نہیں جا سکتا لیکن مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ وہ تو میرے اندر ہے، اس کی حرارت میری زندگی ہے۔ سورج کے ذریعے آنے والی روشنی جب میری روشنی سے ملتی ہے تو جان بنتی ہے۔ جہاں جہاں سورج جائے گا، تم مجھے وہاں متوجہ دیکھو گے۔ اگر میں سورج کے علاوہ کسی اور کو دیکھوں تو یہ محبت میں ملاوٹ نہیں —؟

پھول سورج مکھی کی بات غور سے سنتے — ہوا ٹھہر جاتی، درخت خاموش ہو جاتے اور ہری بھری گھاس مسکراتی رہتی۔

ایک دن سرخ گلاب نے سورج مکھی سے پوچھا، جب سورج ہمارے اندر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟

وہ بولا، گلّو بھائی، کیا تم نے کبھی اپنے اندر دیکھنے کی کوشش کی ہے ــــ؟ جو کام کیا نہیں، اس کا نتیجہ کیسے نکلے ــــ؟ بات یہ ہے کہ ہم ساری عمر باہر دیکھتے رہے ہیں، اندر دیکھا نہیں جب کہ ہر شے ہمارے اندر ہے۔

پیارے بچو! ہم نے آئینہ نہیں دیکھا تو کیا آئینہ میں ہم نظر آئیں گے؟ آئینہ کے سامنے جائیں گے تو آئینہ ہمیں دیکھے گا ــــ آئینہ ہمیں جیسے ہی دیکھے گا، ہم اپنے آپ کو آئینہ کے اندر دیکھیں گے۔ یعنی ہم نے آئینہ کے دیکھنے کو دیکھا۔

موتیا نے گلابوں کے درمیان میں سے سر نکال کر پوچھا، ہم اندر کیسے دیکھیں ــــ؟

سورج مکھی نے کہا، اے پیاری موتیا! گہرا سانس لو اور آنکھیں بند کر کے اندر دیکھنے کی کوشش کرو۔ تھوڑی دیر بعد محسوس ہوگا کہ اندر کوئی ہے جو دیکھ رہا ہے۔ باہر کی آنکھ بند کرتے ہیں تو اندر کی آنکھ کھلتی ہے۔

موتیا نے پوچھا، کیا اندر کی بھی آنکھ ہے ــــ؟

سورج مکھی نے کہا، خود تجربہ کر کے دیکھ لو۔

موتیا اور گلاب اور دوسرے پھولوں نے آنکھیں بند کیں، انہیں بند آنکھوں سے باغ کا منظر دکھائی دیا۔ اس کے بعد توجہ سورج پہ گئی۔ دیکھا کہ سورج مسکرا رہا ہے اور وہ بھی کہیں دیکھ رہا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سورج کہاں دیکھ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نظر آیا کہ سورج مکھی، درخت یہاں تک کہ باغ میں بیٹھے پرندے پھولوں کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

آنکھ کھولی تو جو اندر تھا، وہی باہر نظر آیا۔

سب کے چہروں پر حسین مسکراہٹ تھی۔

موتیا اور گلاب کو محسوس ہوا کہ لگتا ہے اندر کی آنکھ سے یہ سب واقف ہیں۔

موتیا نے پوچھا، جب باہر کی آنکھ بند ہے تو اندر کون ہے جو دیکھ رہا ہے ــــ؟

سورج مکھی نے پوچھا، بی بی! کیا تم ایک دن میں اتنی بڑی ہوگئیں ــــ؟ وقت لگتا ہے۔ جب تم روز اندر دیکھنے کی کوشش کروگی تو وقت آنے پر معلوم ہوجائے گا کہ اندر میں کون ہے جو دیکھتا ہے۔

موتیا کے سب سے چھوٹے بچہ نے کہا، میں آنکھ بند کرکے ایسی جگہ چلا گیا جو میں نے پہلے نہیں دیکھی۔ وہاں ہر طرف دودھیا روشنی تھی۔ میں نے پوچھا، کون ہو اور اس روشنی میں کیا ہے ــــ؟ آواز آئی اور میری آنکھ کھل گئی۔

سورج مکھی نے اس کا ماتھا چوما اور کہا، جسے تم روشنی کہہ رہے ہو وہ توانائی ہے۔ یہ توانائی سورج کو ملتی ہے اور پھر ہم تک پہنچتی ہے۔ یہی توانائی ہماری زندگی ہے۔ موتیا کے بچہ نے پوچھا، کیا توانائی کا رنگ سفید ہوتا ہے؟

سورج مکھی بولی، نہیں میرے موتیے کے پھول! تم سفید ہو، اماں کی بات مانتے ہو، بڑوں کا ادب کرتے ہو، شوق سے سبق پڑھتے ہو اس لئے تمہارا ذہن سفید رنگ کی طرح صاف و شفاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم نے توانائی کو سفید رنگ میں دیکھا۔

یہ بات سن کر سب سوچ میں پڑ گئے۔

ہوا مخمور* ہوکر سورج مکھی کے پاس آئی تو پتے سرسرائے، ڈالیاں جھومنے لگیں اور پھول مست و بے خود ہونے لگے۔ ہوا سورج مکھی سے بغل گیر ہوئی اور کہا، میں جہاں جہاں جاؤں گی محبت کا یہ پیغام پھیلاؤں گی۔

پیارے بچو! آنکھیں بند کرکے اندر دیکھنے کی کوشش کریں اور بتایئے ــــ آپ نے کیا دیکھا؟

گلاب اور موتیا کی طرح مہکنے والے اور سورج مکھی کی طرح دانا بچو! اس کہانی میں راز بیان کئے گئے ہیں۔ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے اور سوچئے۔

ت

پھول جیسے پیارے بچو! کوئی درخت یا پھول جھومتا ہوا نظر آئے یا پھر پتے سرسرائیں تو سمجھ جائیں کہ وہ اپنے اندر دیکھ رہے ہیں۔ اندر دیکھنے میں وہ اتنا مگن ہوتے ہیں کہ خوشی سے دائیں بائیں آگے پیچھے جھومتے ہیں۔

---

* مخمور (مست ہوجانا)

پھولوں کی اندر کی مہک پورے باغ کو تروتازہ کردیتی ہے اوراس شخص کو بھی جو باغ میں سے گزرتا ہے ۔ پھولوں سے دوستی کریں کیوں کہ آپ بھی پھولوں کی طرح اللہ میاں کے باغ کے پھول ہیں۔

☆

اسی باغ میں بیری کا درخت تھا۔شاخوں پرشہد کی مکھیوں نے چھتا بنایا تھا۔ بیری کے دائیں جانب درخت پر بِھڑ (Wasp) کا چھتا تھا۔شہد کے چھتے میں ملکہ رانی کی حکومت تھی ۔ ملکہ کا چھتا دیکھنے میں تو چھوٹا نظر آتا ہےلیکن وہ اندر سے بڑا ہے۔اس کی تفصیلات آج نہیں، پھر بتائیں گے۔

ملکہ انڈے دیتی ہے ۔روزانہ صبح سویرے جب شان سے میدان میں رکھے تخت پر آکر بیٹھتی ہے تو تمام خادم مکھیاں اس کے سامنے باادب ، باملاحظہ، ہوشیار حاضر ہوتی ہیں جیسے اسکول کی اسمبلی میں بچے کھڑے ہوتے ہیں۔ملکہ کہتی ہے،

’’میرے نیک سپاہیو اور جاں نثارو!

آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے پھولوں سے رس جمع کرکے شیریں اور صحت بخش شہد بنانے کی ذمہ داری ہمارے سپرد کی ہے۔

جب آپ پھولوں کے قریب جائیں تو دل کو اللہ کی طرف متوجہ رکھیں —— اللہ دل میں خیال ڈالتے ہیں کہ آیا اس پھول کا رس چوسنا ہے یا نہیں ۔ یاد رکھئے! کام کے دوران ذہن اللہ سے ہٹ جائے تو آپ ان پھولوں کا انتخاب کرتی ہیں جن کا رس نقصان دہ ہے۔ یہ ناقابل معافی جرم ہے ۔اللہ کی نافرمانی کرنے والے کو ملکہ کا دربار قبول نہیں کرتا کیوں کہ نافرمانی کرنے والا خود کو اللہ کی محبت سے دور کرلیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہی قانون بنایا ہے۔

دربان نافرمان مکھی کو محل میں داخل ہونے سے پہلے ماردیتے ہیں لہٰذا محتاط رہو اور کام ایمان داری

سے کرنا، کوتاہی قبول نہیں!''

کارکن مکھیاں سر جھکا کر کہتیں، ہم اللہ کی فرماں بردار ہیں۔ اور ایک ایک کر کے رس جمع کرنے والی مکھیاں چھتے سے نکل کر کام پر چلی گئیں۔

ت

ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ بیری کے درخت کے دائیں جانب درخت پر بھڑ کا چھتا تھا۔ بھڑ دیکھنے میں شہد کی مکھی کی طرح ہے۔ وہ کیڑے مکوڑے کھاتی ہے اور پھولوں سے رس چوستی ہے۔ لیکن بچو! بھڑ جو کچھ کھاتی پیتی ہے اس سے شہد نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفا بخش بنایا ہے۔ بھڑ سے جو مادہ خارج ہوتا ہے وہ دیکھنے میں شہد کی طرح ہے لیکن آدمی کے لئے نقصان دہ ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ بھڑ اور شہد کی مکھی، دونوں چھتا بناتے ہیں، پھولوں سے رس لاتے ہیں، دونوں کا چھتا بھی کم وبیش ایک جیسا ہے بس بھڑ کی جسامت شہد کی مکھی سے معمولی بڑی ہونے کی وجہ سے بھڑ کا چھتا شہد کی مکھی سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے۔ ایک کے چھتے میں سے میٹھا شہد نکلتا ہے اور دوسرا صحت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ایسا کیوں—؟

بھڑ جب پھولوں پر بیٹھتی ہے تو پھول پوچھتے ہیں کہ ہمارا رس تمہارے جسم میں داخل ہو کر نقصان دہ ہو جاتا ہے جب کہ شہد کی مکھی اس سے شہد بناتی ہے۔ اس پر بھڑ کہتی ہے، میرے دوستو! میں اپنی مرضی سے بھڑ پیدا ہوئی ہوں اور نہ تم اپنی مرضی سے پھول۔ میں وہی کھاتی ہوں جو شہد کی مکھی کھاتی ہے لیکن اس کے پیٹ میں جا کر وہ شہد بن جاتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور اور شہد کی مکھی کا کیا کمال ہے—؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کام دیا ہے میں وہ کر رہی ہوں اور شہد کی مکھی اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے۔ تم لوگ مجھے نصیحت کرنے کے بجائے اپنا کام ایمان داری سے کرو اور مجھے تھوڑا رس دو۔ پھول یہ سن کر ناگواری سے منہ پھیر لیتے ہیں، بھڑ ہنس کر ڈنک پھول میں مارتی ہے اور رس حاصل کر کے اڑ جاتی ہے۔

پیارے بچو! شہد کی مکھی اور بھڑ اگر ایک ساتھ بیٹھی ہوں تو دیکھنے والے کے لئے بتانا مشکل ہے کہ کون سی مکھی شہد کی ہے اور کون سی بھڑ کی۔ ایک جیسا نظر آنے کے باجود وہ کیا چیز ہے جو بھڑ کے اندر پھول کے رس کو نقصان دہ اور شہد کی مکھی کے اندر شہد بنا دیتی ہے—؟

ت

# چوپٹ راج، اندھیر نگری

ایک مرید کی ذمہ داری تھی کہ وہ شیخ کے مہمانوں کا خیال رکھتا تھا۔ایک دفعہ شیخ نے سفر کا ارادہ کیا تو مرید کو ساتھ لیا۔سفر کے دوران راستہ میں ایسا شہر آیا جہاں کھانے پینے کی ہر چیز ایک روپے کلو ملتی تھی۔

ہر چیز ایک روپے کلو میں ــــ؟ مرید کی آنکھیں پھیل گئیں اور پھر چمکنے لگیں۔کھانے پینے کا شوقین تھا، بہت خوش ہوا کہ یہاں تو خوب گزرے گی۔ کیا ہی اچھا ہوا گر ہم یہاں قیام کر لیں۔

شیخ نے فرمایا، اس شہر میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہاں ہر شے کی کی قیمت ایک ہے۔

مرید بات نہیں سمجھا اور ضد کی کہ یہاں مہنگائی نہیں ہے، امن و امان ہے، وقت اچھا گزرے گا اور منت سماجت شروع کر دی۔

شیخ کو معلوم تھا یہ ایسے نہیں سمجھے گا، کچھ سوچتے ہوئے بات مان لی۔

مرید کے وارے نیارے ہو گئے۔حلوے، مرغ مسلم، قسم قسم کے پکوان جو جی چاہتا کھاتا اور کھا کھا کر چند مہینوں میں گول گپا بن گیا۔شیخ نے مرید کو کدو ہوتے دیکھا لیکن خاموش رہا۔

ایک روز بادشاہ نے کھلی کچہری لگائی۔

بچو! کچہری میں عوامی مسائل حل کئے جاتے ہیں۔انصاف کے نظام کو دیکھنے کے لئے استاد شاگرد بھی کچہری میں پہنچے۔لوگ مسائل بیان کر رہے تھے اور حاکم وقت اسی وقت فیصلے صادر کر رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد ایک آدمی لنگڑاتا ہوا آیا اور بادشاہ کے تخت کے سامنے لیٹ گیا۔

بادشاہ نے پوچھا، کیا مسئلہ ہے اور یہ کون سا طریقہ ہے۔تم دیکھتے نہیں کہ لوگ قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں؟

وہ شخص بولا، جناب! زخمی اور لنگڑا نہ ہوتا تو سب کی طرح قطار میں کھڑا ہوتا۔کل رات ایک حادثہ میں معذور ہو گیا ہوں، تکلیف میں ہوں درخواست پیش کرنے کا موقع دیجئے۔

بادشاہ نے اجازت دی۔

وہ کہنے لگا، غریب آدمی ہوں۔ چوری جیسے مشکل پیشہ سے منسلک ہوں اور جان خطرہ میں ڈال کر گھر کا چولھا جلاتا ہوں۔ ایک روز خبر ملی کہ کسی گھر میں بہت سونا ہے۔ کل رات اس مکان میں داخل ہونے کے لئے دیوار پر چڑھ رہا تھا، دیوار کچی تھی مجھ پر آ گری۔ ملبا گرنے سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ ٹھیک نہیں ہوگی یعنی اب میں معذور ہوگیا ہوں۔ درخواست ہے کہ مالک مکان سے پوچھا جائے کہ دیوار کچی کیوں بنائی—؟

بادشاہ نے چور کی فریاد سنی تو سرزنش کرنے کے بجائے مالک مکان کو پیش کرنے کا حکم دیا۔

مرید حیران تھا کہ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری؟ چور فخر سے اعلان کر رہا ہے کہ میں چوری کرتا ہوں اور کسی کو یہ بات غلط نہیں لگ رہی۔ بلکہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی، اس کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سپاہی مالک مکان کو پکڑ کر لائے۔

بادشاہ نے پوچھا، کچی دیوار کیوں تعمیر کی؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہ کسی وقت بھی گر سکتی ہے؟ تمہاری بے ایمانی سے ہمارے ایک شہری کی ٹانگ ضائع ہوگئی۔ مالک مکان نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، حضور! اس آدمی کے ساتھ ظلم ہوگیا لیکن یہ ظلم میں نے نہیں کیا۔ دیوار ٹھیکے دار نے بنائی ہے۔

ٹھیکے دار کو بلوایا گیا اور پوچھا، ایسی دیوار کیوں بنائی جو ایک آدمی کا بوجھ برداشت نہ کر سکے؟

ٹھیکے دار بولا، دیوار میری نگرانی میں بنی لیکن غلطی مزدور کی ہے جس نے گارے میں ملاوٹ کی اور جان بوجھ کر دیوار کی بنیاد کم زور رکھی۔

مزدور کی حاضری کا حکم ہوا۔ پوچھا گیا، بے ایمان! ناقص گارا کیوں استعمال کیا؟

مزدور نے ہڑبڑا کر صفائی دی کہ جب میں گارا بنا رہا تھا تو اس وقت آپ کے وزیر خاص ہاتھی پر سوار جا رہے تھے اور ہاتھی کی رفتار تیز تھی۔ معلوم نہیں کیا ہوا کہ ہاتھی بے قابو ہوگیا۔ ڈر تھا کہ مجھے کچل نہ دے، اس طرح گارے سے دھیان ہٹ گیا۔ اب قصور میرا ہے یا وزیر خاص کا—؟

مرید حیران و پریشان جب کہ شیخ بے نیاز تھے۔ مرید نے سوچا یہ کیسا نظام ہے کہ جس کی غلطی نہیں، وہ قصوروار ہے؟ آخر بات کہاں تک پہنچے گی—؟

بادشاہ نے وزیر خاص سے پوچھا، ہاتھی کو بے قابو

ہونے کیوں دیا؟ وہ بولا، میرے آقا! ہاتھی عام رفتار سے جارہا تھا لیکن جب نظر سونڈ پر پڑی تو چیونٹی نظر آئی۔ سب جانتے ہیں کہ ایک چیونٹی ہاتھی کی جان لے سکتی ہے۔ ہاتھی گھبرا گیا۔ اس دوران کسی گھر سے عورت بچہ کو لے کر نکلی، بچہ کے ہاتھ میں چھوٹا سا ڈھول تھا جسے وہ مسلسل بجا رہا تھا۔ شور سے ہاتھی بدک گیا۔ جناب عالی خود بتایئے، قصور میرا ہے یا چیونٹی کا یا بچہ اور ماں کا جس نے ایسا کھلونا لے کر دیا کہ ہاتھی ڈر گیا—؟

بادشاہ نے عورت کی گرفتاری کا حکم دیا۔

عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا، غلطی میری نہیں، پڑوسی کی ہے۔ وہ ڈھول بنا کر بیچتا ہے، اس نے تحفہ میں بچہ کو ڈھول دیا۔

ڈھول بجانے والا حاضر ہوا اور کہا، یہ ہمارا خاندانی پیشہ ہے۔ ڈھول نہ بناؤں تو گھر کیسے چلے گا؟

بادشاہ نے کہا، یہ کوئی معقول وجہ نہیں۔ جانتے ہو تمہاری وجہ سے کوئی معذور ہوگیا۔ اب سزا ملے گی۔

بادشاہ نے کہا، جانچ پڑتال کے بعد عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگر یہ شخص ڈھول نہ بناتا تو دیوار نہ گرتی۔ اس جرم میں ڈھول بنانے والے کو پھانسی کی سزا سنائی جاتی ہے۔

وہ شخص منت کرنے لگا کہ میرا قصور نہیں لیکن بادشاہ نے نظر انداز کر دیا اور سپاہیوں نے جلاد کے حوالہ کیا۔

مرید نے شیخ سے پوچھا، یہ کیسا انصاف ہے؟

شیخ نے کہا، بتایا تھا نا کہ اس شہر میں ٹھہرنا مناسب نہیں، یہاں ہر چیز کی قیمت ایک ہے۔

ادھر جلاد نے شکایت کی کہ پھندا بڑا ہے اور ڈھول والا دبلا پتلا کم زور ہے۔ پھندا نہیں آئے گا۔

بادشاہ نے حکم دیا، اس آدمی کو چھوڑ دو، جس کی گردن میں پھندا صحیح بیٹھتا ہے، اسے پھانسی دے دو۔

موٹی گردن والے شخص کی تلاش شروع ہوئی اور مرید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ماتھا پسینہ سے شرابور ہوگیا۔ جان میں جان نہیں تھی۔ اتنے میں ایک ہاتھ مرید کی گردن پر پڑا۔ دائیں جانب دیکھا تو سپاہی مسکرا کر دیکھ رہا تھا جیسے شکار ہاتھ آ گیا ہو۔

اس شہر میں سستے کھانے کھا کھا کر وہ بہت موٹا ہوگیا تھا اور گردن مشکل سے نظر آتی تھی۔

پھندا گلے پر ٹھیک بیٹھا تو بادشاہ نے پھانسی کا حکم صادر کر دیا۔

مرید نے موت سر پر دیکھی تو بدحواسی میں شیخ کو مدد کے لئے پکارا۔ شیخ نے قریب جا کر مرید سے کہا،

جانتا تھا کوئی مصیبت آئے گی۔ جس شہر میں ہر چیز ایک ترازو میں تولی جائے وہاں نایاب چیز کی کیا اہمیت ہوگی—؟ لیکن تم نہیں سمجھے۔

مرید رونے لگا کہ میں آئندہ آپ کی ہر بات پر عمل کروں گا، بس مجھے یہاں سے نکالیں۔ اتنے میں سپاہیوں نے جلاد کو اشارہ کیا۔

اس سے پہلے کہ پھانسی دی جاتی، آواز آئی، رکو! اس کی جگہ مجھے پھانسی دے دو۔

بادشاہ سمیت کچہری میں سب نے آواز کی طرف دیکھا۔ یہ شیخ کی آواز تھی۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کی جگہ کیوں مرنا چاہتے ہو؟

فرمایا، میں اس کا شیخ ہوں۔ ابھی ابھی مجھ پر کشف ہوا ہے کہ یہ مبارک گھڑی ہے۔ جو اس وقت مرے گا، سیدھا جنت میں جائے گا۔ پھر میں اس سعادت سے کیسے محروم رہوں؟

بادشاہ تخت سے اٹھا اور کہا، میں بادشاہ ہوں۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ پھندا میرے گلے میں آتا ہے کہ نہیں۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ بادشاہ جلاد کے پاس پہنچا۔ پھندا گلے میں ڈال کر دیکھا۔

پھانسی دینے سے پہلے ایک چوکی پر کھڑا کر کے پھندا گلے میں ڈالا جاتا تھا۔

بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے گلے میں پھندا ڈالا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ نے گلے میں پھندا دیکھا تو اس پر کپکپی طاری ہوگئی اور ہڑبڑاہٹ میں چوکی پیروں سے سرک گئی۔

یہ دیکھ کر شیخ نے مرید کا ہاتھ پکڑا اور فوراً اس شہر سے نکل گئے۔

**شگفتہ زبیر، جماعت چہارم (عظیمی پبلک ہائر سیکنڈری اسکول):** محترم ابا حضور، السلام علیکم! اللہ کرے آپ کی روشنی سارے جہاں میں بکھرتی رہے، آمین۔ چند سوالات پوچھنا چاہتی ہوں۔

۱۔ اللہ میاں کون ہیں؟ وہ ہمارے خالق و مالک تو ہیں مگر ہیں کون—؟

★ ''پیاری بیٹی! آپ خود سے پوچھئے کہ آپ ہیں کون—؟ جواب سمجھ میں آئے نہ آئے، لکھ کر بھیج دیجئے۔''

۲۔ ہم فضول کیوں بولتے ہیں؟ ★ ''ماحول اور معاشرہ کی روایات کی وجہ سے۔''

۳ شیطان ہے کون اور حضرت آدمؑ کو سجدہ کیوں نہیں کرتا؟ اس کے پاس ابھی بھی موقع ہے۔

★ ''کیوں کہ شیطان میں غرور اور تکبر ہے۔''

# جواہر اور جوار

مخلوق کی خدمت کرنے والے لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ چاہے یہ خدمت پیسوں سے ہو، اچھے عمل سے ہو، مسکرانے سے ہو، مشکل میں کام آنے سے ہو یا پھر دکھ درد میں شریک ہونے سے۔

کچھ لوگ کہانیوں کے ذریعے بھی خدمت کرتے ہیں۔ جو علم ان کے پاس ہے، وہ اسے کہانیوں یا حکایتوں میں بیان کر کے آنے والی نسلوں کو منتقل کرتے ہیں اس طرح نسل در نسل تربیت ہوتی ہے۔ ان میں ایک شیخ سعدی ہیں۔

بچو! یہ اکیسویں صدی ہے۔ شیخ سعدی آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے یعنی تیرھویں صدی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس دور میں گلستان سعدی لکھی جس میں حکایتوں کے ذریعہ چھوٹے بڑے بچوں کی تربیت کی۔ ان کی حکایتیں آج بھی تربیت کا ذریعہ ہیں۔ حکایت کسی حقیقی واقعہ کے خلاصہ کو کہتے ہیں۔ اس مہینہ شیخ سعدی کی ایک حکایت، کہانی کی شکل میں پڑھئے۔

ایک کنجوس تاجر تجارت کی غرض سے دوسرے ملک جا رہا تھا۔ سنا تھا کہ اس علاقہ میں منہ مانگی قیمت پر سچا موتی بکتا ہے۔ تاجر کے پاس سچے موتی کے تین تھیلے تھے۔

اس ملک کی طرف پہلا سفر تھا اس لئے راستہ کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں البتہ ایک دوست وہاں جا چکا تھا۔ تاجر نے جانے سے پہلے دوست سے معلومات لیں۔ تاجر کے پاس کئی گھوڑے تھے۔ اصطبل سے سب سے تیز گھوڑے کا انتخاب کیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔

کئی میل طے کرنے کے بعد وہ ایسی سنسان سڑک پر پہنچا جہاں سے تین سڑکیں نکلتی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرف جائے۔ سیدھا جائے، دائیں مڑے یا بائیں مڑ جائے۔

دوست کی بتائی ہوئی معلومات یاد کرنے کی کوشش کی لیکن تین راستے دیکھ کر وہ الجھ گیا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا جو راہ نمائی کرتا۔ وہ اندازہ سے آگے بڑھا اور اس راستہ پر چل کر صحرا میں جا پہنچا۔

دوپہر کا وقت تھا اور صحرا ایسا جیسے آگ۔ صحرا کی سواری اونٹ ہے۔ اسے صحرائی جہاز بھی کہا جاتا ہے۔ گھوڑا چوں کہ صحرائی جانور نہیں، وہ صحرا میں زیادہ دیر دوڑ نہ سکا۔ گرم ریت اور پھر پیر مٹی میں دھنسنے سے وہ گھبرا گیا اور ہنہنایا۔ تاجر نے قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ دوبارہ کھڑا کیا تو اس بار گرمی کی شدت سے گھوڑا تڑپنے لگا۔ تاجر نے فیصلہ کیا کہ آگے کا سفر خود طے کرنا ہوگا۔ سچے موتی سے بھرے تینوں تھیلے اٹھائے اور چل دیا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ پیاس لگی، مشک نکالی اور غٹ غٹ سارا پانی پی لیا۔ اب اس کے پاس پانی نہیں تھا اور کھانا یہ سوچ کر ساتھ نہیں لیا کہ جس راستہ پر سفر کرنا ہے، وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کئی سرائے ہیں۔ مگر راستہ بھول جانے کی وجہ سے مصیبت نے آگھیرا۔

تاجر نے واپسی کا ارادہ کیا کہ کہیں صحرا میں کھو گیا تو بھوک پیاس سے یہیں مر جاؤں گا۔ قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

پیارے دوستو! صحرا میں ریت اڑتی ہے اور جگہ تبدیل کرتی رہتی ہے۔ جب تاجر قدموں کے نشانات ڈھونڈتا ہوا واپس جانے لگا تو کچھ فاصلے کے بعد نشانات غائب تھے۔ وہ گھبرا گیا۔ پریشانی کے عالم میں دوڑنے لگا۔

دور چھوٹا درخت نظر آیا۔ قریب پہنچا اور تنے سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ بھوک سے برا حال تھا۔ چھاگل کو منہ سے لگایا، پانی ختم ہو چکا تھا— الٹا کیا تو پانی کا موتی نما قطرہ ریت میں جذب ہو گیا۔ تاجر نے افسوس سے دیکھا اور کہا، پانی کا یہ قطرہ میرے موتیوں سے بھرے تھیلے سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔

پیاس سے حلق سوکھ رہا تھا۔ یکا یک خیال آیا اور اس نے درخت کے تنے کے قریب سے مٹی ہٹانا شروع کی۔ چند فٹ کھدائی کی تھی کہ گیلی ریت نظر آئی اور اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ گیلی ریت قمیص کے دامن میں لپیٹی اور چوسنے لگا۔ اس طرح حلق تر ہوا اور جان میں جان آئی۔

دن ڈھل رہا تھا اور سورج کے غروب ہونے کا وقت آ پہنچا۔ کچھ دیر آرام کا ارادہ کیا۔ ایک تھیلے کو تکیہ بنایا اور لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ زوروں کی بھوک لگی تھی لیکن کیا کرتا، جس طرف نگاہ کی، ریت کے ٹیلے نظر آئے۔ موتیوں کے تھیلے اٹھائے اور افسردگی سے بولا، ان موتیوں سے کیسے پیٹ بھروں؟ کاش

یہ جواہر کے دانے نہیں بلکہ جوار کے دانے ہوتے، کم از کم بھوک تو مٹ جاتی۔

رات میں صحرا یخ بستہ ہو جاتا ہے، ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ ہوا کی سرسراہٹ سے عجب فضا پیدا ہوتی ہے۔ تاجر نے فیصلہ کیا کہ رات یہاں گزارنے کے بجائے سفر شروع کرنا چاہئے تاکہ سورج نکلنے سے پہلے میں صحرا سے نکل جاؤں۔ چلتے چلتے تھک گیا۔ پیر شل ہو گئے لیکن صحرا ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ نہ جانے کہاں گرا اور کچھ ہوش نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ تاجر نے کہا کہ دھوپ تیز ہونے سے پہلے صحرا سے نکلنا ہے ورنہ مر جاؤں گا۔ بھاگنا شروع کیا، جسم میں ہمت نہیں تھی، حلق خشک تھا اور بھوک کی وجہ سے کمزوری محسوس ہوئی۔

اوپر سے کاندھوں پر تین تھیلوں کا بوجھ۔ تاجر کو موتیوں سے بھرے تھیلے بوجھ محسوس ہوئے۔ مزید بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں تھی۔

تھیلوں کو افسردگی سے دیکھا اور سب سے بھاری تھیلا وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جا کر دوسرا تھیلا بھی چھوڑ دیا لیکن اس بار ایسا کرتے ہوئے آنکھیں نم ہو گئیں اور تاجر ناچار یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ وہ بہت تھک گیا تھا — اس حد تک کہ اب اسے اپنا جسم بھی بوجھ محسوس ہوا۔ کمر پر بندھا چھوٹا سا پوٹلی نما تھیلا کھولا۔ موتیوں کو ہاتھ میں لیا۔ اور ایک ایک کر کے پھینکتا ہوا یوں چل دیا جیسے موتی نہیں — خاک ہوا میں اڑا رہا ہو۔ زبان پر صرف ایک بات تھی،

جواہر کے دانوں سے جوار کے دانے بہتر

جواہر کے دانوں سے جوار کے دانے بہتر

تھیلے میں آدھے موتی رہ گئے تو ہمت جواب دے گئی۔ رونے لگا، اور بولا، یا اللہ! میں اس طرح مرنا نہیں چاہتا کہ میرے گھر والوں کو معلوم نہ ہو میں زندہ ہوں یا مر گیا ہوں۔ ان موتیوں کے بدلے کچھ کھانے کو دے اور مجھے بچا لے۔ جس وجہ سے مصیبت میں پڑ گیا ہوں، اس بوجھ کو مجھ پر سے ہٹا اور مجھے معاف کر دے۔

بچو! سچے دل سے مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے۔

تاجر نے دعا مانگ کر ایک بار پھر ہمت کی اور سفر جاری رکھا۔ نخلستان نظر آیا جہاں کچھ لوگ اور ان کے اونٹ تھے۔ صحرا میں جو مقام سرسبز ہوتا ہے اسے نخلستان کہتے ہیں۔ سرسبز کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ پانی ہے۔ اس نے موتیوں کی پوٹلی جیب میں

رکھی اور ان کی جانب دوڑا لیکن جسم تھک گیا تھا، وہ زیادہ دوڑ نہ سکا اور گر گیا۔

نخلستان میں لوگوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ مدد کو آئے تو دیکھا کہ اجنبی نیم بے ہوش تھا۔ ہوش میں لانے کے لئے پانی پلایا۔ تاجر نے آنکھیں کھولیں تو انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو۔

تاجر نے انہیں تفصیل بتائی۔ ان لوگوں نے کہا، پریشان مت ہو، ہم راستہ سے واقف ہیں اور تمہارے علاقہ کی طرف جا رہے ہیں۔ تاجر کو گرما گرم جوار کی روٹی اور دودھ دیا جو اس نے جلدی جلدی کھا پی لیا۔ تاجر کی حالت بہتر ہوئی تو سب نے فیصلہ کیا کہ اب چلنا چاہئے۔

تاجر نے جیب میں سے موتیوں کی چھوٹی پوٹلی نکالی اور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا، دوستو! اسے آپس میں تقسیم کرلو۔ میری طرف سے تحفہ ہے۔ اللہ تم لوگوں کو میری مدد کے لئے نہیں بھیجتا تو میرا زندہ بچنا مشکل تھا۔

ان لوگوں نے پوٹلی میں قیمتی موتی دیکھے تو لینے سے انکار کر دیا۔ تاجر نے کہا، ان موتیوں کی قیمت تم لوگوں کے خلوص سے زیادہ نہیں۔ ان کی وجہ سے آج میں اس حال پر پہنچا ہوں۔ یہ زیادہ نہیں ہیں، تمہارے کام آجائیں گے، تحفہ سمجھ کر قبول کرو۔

تاجر صحرا سے نکلا اور اپنے علاقہ میں پہنچا تو بدل چکا تھا۔ اسے موتیوں کی قیمت کا علم ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ ہاتھ میں موتی لیکن پیٹ خالی ہو تو موتی کی حیثیت مٹی سے زیادہ نہیں۔

غریبوں کو کھانا کھلانا تاجر کی زندگی کا مشن بن گیا۔ وہ اپنے بچوں اور دوستوں سے کہتا تھا کہ امیر اور غریب میں صرف دو وقت کی روٹی کا فرق ہے۔ محل اور دولت کی ریل پیل ہو لیکن ضرورت کے وقت پیٹ بھرنے کے لئے روٹی نہ ہو تو دولت کی کوئی حیثیت نہیں۔

لوگوں کو کھانا کھلانے سے تاجر کے رزق میں برکت ہوئی اور وہ پہلے سے زیادہ خوش حال ہو گیا۔ اس نے صحرا میں ملنے والے سبق کو ہمیشہ یاد رکھا۔

### دنیا کا سب سے بڑا ریگستان

صحارا دنیا کا سب سے بڑا ریگستان ہے۔ یہاں پر زہریلے سانپ، بچھو، چیتا، لومڑی، مگرمچھ، چھپکلیاں، شتر مرغ اور اونٹ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ یہاں سے ڈائناسور کا ڈھانچا بھی ملا ہے۔

# حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے اعلان کے بعد بالآخر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر اپنا کلام نازل فرمایا۔

**بعثت سے پہلے:** رسولؐ کی بعثت سے پہلے پوری دنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عالم دنیا پر وحشت اور درندگی کا غلبہ تھا۔ معاشرہ میں مظلوم کی کوئی داد رسی نہیں تھی۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ کبرو نخوت سے گردنیں اکڑ گئی تھیں۔ انسانیت نزع کے عالم میں سسک رہی تھی۔ تہذیب، حسن سلوک اور صلہ رحمی مفقود ہوگئی تھی۔ اخلاق بد اخلاقی کے پردہ میں چھپ گیا تھا۔ آدمی نے انسانیت کی جگہ حیوانی قدروں کو اپنا لیا تھا۔

عقل میں فتور نے عوام وخواص کو بت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا۔ خود ساختہ لکڑیوں، پتھروں اور مٹی کی مورتیوں کے آگے لوگ سجدہ کرتے تھے اور ان سے مرادیں پوری ہونے کی دعائیں کرتے تھے۔ ان بتوں پر کتے پیشاب کر دیتے تھے لیکن انہیں پھر بھی عقل نہیں آتی تھی۔ خود ساختہ معبودوں پر دودھ کا چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ ان کے اوپر مکھیاں بھنبھناتی تھیں لیکن شرک کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ مشرکین نہیں سوچتے تھے کہ جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے اوپر بھنکتی ہوئی مکھیاں اڑا دیں۔ شیطنت ان کے خون کے ساتھ دوڑتی تھی۔

زمین پر اتنا فساد پھیل گیا تھا کہ زمین بے تاب ہوگئی۔ اس نے رب العالمین سے التجا کی کہ اپنے محبوب بندہ کو بھیج دے تاکہ زمین برباد نہ ہو، زمین کی کوکھ سے نکلنے والے شرارے بجھ جائیں، اللہ کی مخلوق کو آرام مل جائے، اجارہ داروں کی اجارہ داری ختم ہوجائے، زمین پر دہکتا جہنم گل وگلزار بن جائے، چالاک اور عیار لوگوں کی گردنیں ٹوٹ جائیں اور سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑنوں سے عوام کو آزادی مل جائے۔

اس دور میں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں لوگوں کی زندگی عذاب بنادی گئی تھی۔ ایران اور دوسرے ملکوں کا عالم یہ تھا کہ ایران کے لوگ توحید سے منحرف ہوگئے تھے، شرک گھٹی میں پڑ گیا تھا۔ روشنی، شفاف آسمان، آگ، بارش، چاند، سورج، ستارہ کی

پرستش کی جاتی تھی۔ مختلف قبائل کے الگ الگ خدا تھے۔ سیاست اور قیادت خواص اور مذہبی دانش وروں کے لئے مخصوص ہوگئی تھی۔ ملک میں جاگیردار اور امرا پرتعیش زندگی گزارتے تھے۔ عوام ان کے آگے جھکتے تھے ان کے پیر چھوتے تھے۔

خودمختار بادشاہ ظالم تھا جس کو چاہتا سولی پر لٹکا دیتا تھا، کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ بادشاہ کے ظالمانہ فعل پر احتجاج کرسکتا۔ اگر باپ کے سامنے اولاد کو بادشاہ کے حکم سے تہ تیغ کردیا جاتا تب بھی باپ بادشاہ کی تعریف کرتا اور کورنش بجالاتا۔ عوام کا (brain wash) کردیا گیا تھا اور ذہن میں یہ بات راسخ کردی گئی تھی کہ بادشاہ ہر فیصلہ اللہ کی مرضی سے کرتا ہے۔

نئے نئے ٹیکس لگانا حکومت کا محبوب مشغلہ تھا۔ احتجاج کرنے والوں کی معمولی سزا قتل تھی۔ بادشاہوں کی حفاظت کے لئے اتنے سخت انتظامات تھے کہ قریبی رشتہ دار بھی اجازت کے بغیر بادشاہ سے ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ محل کے اطراف میں سڑکوں پر مسلح سپاہی گشت پر رہتے تھے۔ محلات میں بڑے بڑے کمرے ہوتے تھے لیکن بادشاہ اور ملکہ کا بیڈروم چھوٹا بنایا جاتا تھا تاکہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔

بادشاہ زربفت اور کمخواب کا لباس پہنتا تھا۔ کپڑا سونے، چاندی کے تانے بانے سے بنا جاتا تھا۔ سونے کے تاج میں زمرد، یاقوت اور موتی جڑے ہوتے تھے۔ تاج کا وزن اڑھائی من تک تھا، یہ تاج سونے کی باریک زنجیروں سے دربار میں بادشاہ کے سر پر لٹکا رہتا تھا۔ کم وبیش سو کلو وزنی تاج دیکھنے والوں کو اس طرح نظر آتا تھا کہ جیسے تاج بادشاہ کے سر پر رکھا ہوا ہے۔

امرا کے پاس ملک کی ساری دولت ذخیرہ ہوگئی تھی۔ عوام غربت کی چکی میں پستے تھے۔ تنگ دستی اور افلاس نے ان کا خون نچوڑ لیا تھا۔ جگہ جگہ کلب قائم تھے۔ مراعات یافتہ طبقہ کی عورت کسی ایک شخص کی منکوحہ بن کر نہیں رہ سکتی تھی کیوں کہ یہ بات اس دور کے فیشن کے خلاف تھی۔ اعلیٰ تعلیم کا حصول مال دار طبقہ تک محدود تھا۔

قیدیوں کے زخموں پر لیموں اور سرکہ چھڑکا جاتا تھا، آنکھوں میں سلاخیں پھیری جاتی تھیں، منہ آنکھوں اور نتھنوں میں سرکہ میں ڈوبی ہوئی روئی رکھی جاتی تھی۔

سب سے زیادہ دہشت ناک عذاب ''موت'' تھا جس میں جلاد پہلے قیدی کے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا تھا پھر پاؤں کی انگلیاں کاٹتا تھا اس کے بعد کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پیر کاٹتا تھا پھر کہنیوں تک بانہیں اور گھٹنوں تک پنڈلیاں تیز خنجر سے الگ کرتا تھا، ناک اور کان کاٹنے کے بعد آخر میں تن سے سر قلم کیا جاتا تھا۔

اہل روم روحوں کی پرستش کیا کرتے تھے لیکن مذہبی رسومات ادا کرنے کا کوئی دستور نہ تھا۔ پتھروں کے بنائے ہوئے دیوتا اپنی پرستش کے لئے شہر شہر گھومتے رہتے تھے۔ دیوتاؤں کو مقررہ مقامات تک پہنچانا

حکومت کی ذمہ داری تھی۔

آبادی دو طبقوں پر مشتمل تھی۔ ایک طبقہ امرا اور مراعات یافتہ لوگوں کا تھا اور دوسرا عوام کا تھا۔ حکومت کے فرائض انجام دینے کے کارندے امرا میں سے لیے جاتے تھے۔

قرضوں کے متعلق ایسے قوانین بنائے گئے تھے کہ غریب کسی طرح قرض ادا نہیں کرسکتا تھا۔ نتیجہ میں انہیں قرض ملتا ہی نہیں تھا۔ امرا کے لئے کروڑوں کے قرضے معاف کردیئے جاتے تھے اور غریبوں سے ایک ایک پائی وصول کی جاتی تھی۔

تعلیم کے لئے سرکاری خزانہ سے ایک پائی خرچ نہیں کی جاتی تھی۔ وہی بچے تعلیم حاصل کرتے تھے جن کے سرپرست امیر تھے۔ وہ لوگ کھانا کھا کرتے کرکے پیٹ خالی کرلیتے تھے تاکہ دوسری مرتبہ لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہوسکیں۔

کہاوت تھی کہ مزا کھانا کھانے میں ہے، ہضم کرنے میں نہیں۔ بے روزگاری عام تھی، نصف سے زیادہ آبادی بھیک پر گزارا کرتی تھی۔

یہ لوگ حیات بعد الممات کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور اعمال کے مطابق سزا و جزا دی جاتی ہے۔ چناں چہ مردوں کی تدفین کے وقت عجیب و غریب رسمیں پوری کی جاتی تھیں۔

پہاڑ توڑ کر وسیع و عریض احاطہ میں قبر بنائی جاتی تھی۔ قبر کے ساتھ ساتھ کئی کمرے بنائے جاتے تھے۔ جس کمرے میں بادشاہ کی ممی رکھی جاتی تھی اس کے دائیں بائیں کمروں میں بادشاہ کے استعمال کا سامان رکھ دیا جاتا تھا۔ اس سامان میں سونے کے زیورات، سونے کا تخت، سونے کی کرسی، برتنوں کی الماری، مختلف اجناس اور پانی سے بھرے مٹکے بھی رکھے جاتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ بادشاہ جب دوبارہ زندہ ہوگا تو اس سامان کو استعمال کرے گا۔

کنیزوں اور خدام کو کمروں میں دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا جاتا تھا اور دروازہ کی جگہ دیوار چن دی جاتی تھی۔ اس بات کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ کمروں میں کسی طرح بھی آکسیجن اور ہوا کا گزر نہ ہو۔

رسول اللہؐ کی بعثت سے پہلے ہندوستان میں جن باطل معبودوں کی پرستش کی جاتی تھی ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ ڈائیوس (Dyaus) درخشندہ آسمان کا دیوتا ہے۔ دوسرا وارونا (Varuna) ہے جو آسمان کی نمائندگی کرتا ہے۔ تیسرا دیوتا آسمان کی طرح ہے اس کا نام وشنو (Vishnu) ہے۔

مقدس کتاب وید صرف برہمن پڑھ سکتا تھا، کھتری اور چھوٹی ذات کے لوگ وید نہیں پڑھ سکتے تھے۔ انہیں صرف وید کے اشلوک سننے کی اجازت تھی۔ عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

یہ وسوسہ عقیدہ بن گیا تھا کہ بیوی کی زندگی میں شوہر اس لئے مرجاتا ہے کہ بیوی نے کوئی گناہ کیا ہے۔ بیوہ خاتون کو دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی۔ مذہبی عقیدہ بن گیا تھا کہ عورت کی عزت اس میں ہے کہ خاوند کی ارتھی کے ساتھ بیوی بھی جل کر راکھ ہوجائے۔

شودروں کا سایہ کنوئیں پر پڑ جاتا تھا تو کنواں خالی کرکے اس کو پاک کیا جاتا تھا۔ اگر قاتل برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقہ سے ہوتا تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا۔ وہ صرف روزہ رکھ کر کفارہ ادا کردیتا تھا۔ ہیجان خیز تصویریں دیواروں پر پینٹ کی جاتی تھیں۔ لوگ ان عریاں تصویروں کو پوجتے تھے۔

رسول اللہؐ کی بعثت سے پہلے پورے عرب میں انتشار تھا۔ بے حیائی عروج پر تھی۔ اہل عرب اخلاق سوز حرکتوں پر فخر کرتے تھے۔ خواتین کو آمدنی کا ذریعہ بنالینا محبوب مشغلہ تھا۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔ کٹنیوں کے ذریعے بیوہ عورت پر مرحوم شوہر کا قریبی رشتہ دار اگر چادر ڈلوادیتا تھا تو بیوہ عورت اس کی بیوی بن جاتی تھی۔ زندہ لڑکیوں کو دفن کردینا یا کنوئیں میں دھکیل دینا شرافت سمجھی جاتی تھی۔

عرب میں بت پرستی عام تھی۔ ہر قبیلہ کا الگ بت تھا، اگر ایک قبیلہ کی دوسرے قبیلہ سے دشمنی ہوجاتی تھی تو اس کے بتوں سے بھی عداوت ونفرت کی جاتی۔ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھایا جاتا تھا۔ انسانی حقوق کے لئے کوئی دستور نہیں تھا۔ قتل، رہزنی، جبس بے جا، ناجائز تصرف، مداخلت بے جا عام روش تھی۔

رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے اہل عرب خود سر تھے۔ بے کاری اور کاہلی ان کا طرۂ امتیاز تھی۔ لٹریسی ریٹ (literacy rate) اتنا کم تھا کہ اسے اعداد وشمار میں فی صد کے حساب سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چند افراد کے علاوہ اکثریت جاہل تھی۔

قرآن اور تمام آسمانی کتابوں میں ایک بات مشترک ہے کہ ہر پیغمبر نے توحید کا درس دیا ہے۔ ہر پیغمبر نے دوسرے پیغمبروں کی تعلیمات کی تصدیق کی ہے۔ ہر دور کے پیغمبر نے خوش خبری سنائی ہے کہ ہمارے بعد ایک نجات دہندہ آئے گا۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے اعلان کے بعد بالآخر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر اپنا کلام نازل فرمایا۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے برحق نبی کی توصیف و تصدیق کی اور رسول اللہؐ نے یہ اعلان کیا:

''میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں، میرے بھائی پیغمبروں نے اللہ کا جو پیغام دیا ہے میں بھی اسی کا اعادہ کررہا ہوں اللہ ایک ہے، وحدہٗ لاشریک ہے، تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہے میں تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔''

(قسط: ۱)

# خواب تعبیر اور مشورہ

### اماں جی مرحومہ

نوید احمد، کراچی۔خواب میں مرحومہ والدہ گُجیا (مٹھائی) لائیں اور آدھی مجھے کھلائی، بقیہ کے بارے میں کہا کہ سب بہن بھائی آدھی آدھی کھالیں۔ایک خواب بار بار آتا ہے کہ میری موٹر سائیکل کھو گئی۔

تعبیر: آپ نے والدہ محترمہ کو ایصال ثواب کیا ہے، حسب استطاعت اس کو قائم رکھیں۔

### عید مبارک

مہر نگار، پشاور۔عید کے دن ایک بزرگ تخت پر بیٹھے ہیں اور ان کے بیٹے قطار میں کھڑے باری باری انہیں عید کی مبارک باد دے رہے ہیں۔میں ان کو غور سے دیکھ رہی ہوں تاکہ میں بھی ایسے ہی مبارک باد دوں۔

تعبیر: ماورائی علوم سیکھنے کا شوق تو ہے لیکن استاد کی ہدایت کے مطابق مستقل مزاجی نہیں ہے۔اندرونی جذبہ کے تحت دل بہت کچھ سیکھنا سمجھنا اور عمل کرنا چاہتا ہے لیکن وقت کی پابندی نہیں ہوتی۔بزرگوں کا کہنا ہے کہ یک در گیر محکم بگیر، جو بھی کام کرو مستقل مزاجی سے ہونا چاہئے۔پانچ وقت نماز پابندی سے قائم کرنے سے مسئلہ انشاءاللہ حل ہو جائے گا۔جو بھی عمل کیا جائے اس کے حصول کے لئے مستقل مزاج ہونا ضروری ہے۔ مستقل مزاج آدمی وقت ضائع نہیں کرتا۔

### غبارے میں ہوا

زبیر عظیمی، گجرات۔ایک بزرگ کے ساتھ کتاب گھر میں موجود ہوں، بزرگ میری طرف دیکھ کر کتابیں اور میز وغیرہ ترتیب کے ساتھ رکھنے کا فرماتے ہیں۔کام ہونے کے بعد دوسرے کمرے میں جانے کا فرمایا۔وہاں میں بزرگ کے ساتھ بیٹھا ہوں اور کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ بزرگ کے قریب بیٹھ جائیں۔پھر ہم لوگ دائرہ کی صورت میں بیٹھ گئے اور بزرگ نے کچھ فرمانا شروع کیا۔فرمان کے ساتھ ساتھ بزرگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔میں نیم غنودگی کی کیفیت میں چلا گیا تو وہاں بھی بزرگ نظر آئے۔غنودگی ختم ہوئی تو بزرگ کے ہاتھ میں موجود کتاب پلیٹ کی صورت میں گول نظر آئی۔پھر وہ ناراضی سے فرماتے ہیں، دوں تمہیں دنیا—؟

میں ڈر اور شرمندگی سے سر جھکا لیتا ہوں۔بزرگ فرماتے ہیں تم اس دفعہ عرس میں باہر نہیں جاؤ گے اور دو دن تک خانقاہ کے سامنے سے نہیں گزرنا۔

تعبیر: ظاہر ہوتا ہے دماغ میں ارادوں کی یلغار رہتی ہے۔خیالات کا ہجوم یک سوئی نہیں ہونے دیتا۔

غبارے میں ہوا سکت کے مطابق بھری جائے تو غبارا ہے بصورت دیگر نہ پھونک ہے نہ غبارا ہے۔ وضو بے وضو کثرت سے ''یا حی یا قیوم'' پڑھئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو بواسطہ محبوب رب العالمینؐ مستقل مزاجی کی دولت نصیب فرمائے۔

## نماز میں خیالات

ابوذر، فیصل آباد۔ دیکھا کہ ایک چھوٹے کمرے میں قرآن کریم پڑھ رہا ہوں، وہاں کسی نامعلوم جگہ سے میرے اوپر روشنی پڑ رہی ہے۔ آس پاس پرانی الماریاں ہیں جس میں بہت پرانی کتابیں نظر آئیں، کچھ کتابیں چمڑے کے اوراق پر لکھی ہوئی تھیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے آواز آئی کہ اسے سمجھتے کیوں نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ یا اللہ اپنا فضل فرمائیں۔ فوراً ہی روشنی تیز ہوگئی اور محسوس ہوا کہ میری سوچ میں وسعت کے ساتھ غور وفکر کی طاقت بڑھ گئی ہے۔

**تعبیر:** قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا۔'' (القمر: ۱۷)

نماز میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا ترجمہ حفظ کر لیجئے انشاءاللہ ذہنی یک سوئی حاصل ہوگی۔

## 11 ہزار وولٹ

عبدالرحمٰن، کوٹ ادّو۔ بجلی کے کھمبے سے 11 ہزار وولٹ والا راڈ ٹوٹ گیا جو بجلی والوں سے صحیح نہیں ہوتا۔ میں ان کو صحیح طریقہ سمجھاتا ہوں۔ پھر ایک بزرگ کو دیکھ کر ان کے قریب گیا اور رونے لگا، وہ فرماتے ہیں کہ اب وقت گزر گیا کچھ نہیں ہوسکتا اور وہاں سے تھوڑی دور جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ میں دوبارہ ان کی خدمت میں جا کر روتا ہوں۔ بزرگ کے چہرہ پر مسکراہٹ ظاہر ہوتی ہے اور فرماتے ہیں، اچھا ابھی موقع ہے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگتے ہیں۔ وہاں موجود ایک شخص کہتا ہے، کم از کم پانچویں تو پاس کرلے۔ بزرگ فرماتے ہیں، بچہ صاحب حکمت ہے، بہت آگے جائے گا۔

**تعبیر:** اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں سے ایسی صلاحیتوں کی نشان دہی ہے۔ خواب نہایت مبارک ہے اور مستقبل روشن ہے۔ نماز، روزہ کی پابندی کریں۔

## دورنگی چھوڑ دے

شگفتہ، کراچی۔ خواب دیکھا کہ ایک بڑے کمرے میں قرآن خوانی ہو رہی ہے۔ میں بھی سپارہ پڑھ رہی ہوں۔ کمرے میں آمنے سامنے دو دروازے ہیں۔ اندر کے دروازہ کے ساتھ تخت پر سفید چادر بچھی ہوئی ہے۔ مڑ کر دیکھا تو سامنے والے دروازہ پر ایک بزرگ خاتون کھڑی ہیں اور ان کے ساتھ ایک اور خاتون ہیں۔ میں فوراً اٹھی اور دوسری خاتون کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی تو وہ تخت کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں، مجھے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھا اور دم کیا۔

**تعبیر:** آپ کے اندر مستقل مزاجی بہت کم ہے۔ کامیابی کے لئے ضروری ہے وقت کی پابندی اور

ذہنی یک سوئی کے ساتھ بنائے ہوئے پروگرام پر عمل کیا جائے۔ دورنگی چھوڑ دے، یک رنگ ہوجا!

## ایصال ثواب

فاطمہ نور، کراچی۔اسکول کے دروازہ کے سامنے تخت پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جہاں بچہ نے کرکٹ کھیلتے ہوئے شاٹ مارا تو گیند بزرگ کی طرف آئی جسے ایک صاحب نے روک لیا۔ بزرگ نے ان صاحب کے ذریعے مجھے بلایا تو میں اپنی بہن کے رشتہ کا معلوم کرتی ہوں۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ رشتہ اچھا ہے۔اس کے بعد مرحومہ والدہ کے متعلق پوچھتی ہوں تو بزرگ نے فرمایا، دکھی ہیں۔ میں عرض کرتی ہوں، کیوں دکھی ہیں اور کیا فاتحہ کرنی چاہئے۔ بزرگ فرماتے ہیں فاتحہ تو ہوتی رہتی ہے مگر وہ دکھی ہیں۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: بواسطہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا ہے مرحومہ کو آسانیاں عطا فرمائے۔ آپ کی والدہ صاحبہ کو ایصال ثواب کی ضرورت ہے۔ ایصال ثواب کے لئے ضروری ہے کہ ذہنی یک سوئی ہو۔ ذہنی یک سوئی سے مراد قرآن کریم پڑھتے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے ذہنی یک سوئی ہے۔

## اسکول میں داخلہ

عبدالرشید، کراچی۔ایک جعلی بابا کے پاس جانے سے چھوٹی بہن کو منع کرتا ہوں۔ وہ نہیں مانتی تو قریب موجود خواتین سے کہتا ہوں، دیکھنا ایک دن یہ نقصان اٹھائے گی۔

تعبیر: بچہ کو جب اسکول میں داخل کیا جاتا ہے والدین عزیز رشتہ دار کے واسطہ سے اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ ہم بچہ کو جس اسکول میں داخل کررہے ہیں وہاں کا ماحول کیسا ہے، کسی بھی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اساتذہ اور اسکول میں اسٹاف کے رویہ کو بھی دیکھنا چاہئے۔

## گھڑی کے خول

ثریا کنیز، کراچی۔فجر کے وقت خواب دیکھا کہ گھر کے سامنے میدان میں اٹیچی کیسوں سے بھری پجارو کھڑی ہے جس کے باہر ایک بزرگ بیٹھے ہیں۔ میں نے ایک خاتون کے ساتھ بزرگ کے پاس جاکر سلام عرض کیا۔ بزرگ نے سلام کا جواب دے کر ہمارے سروں پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر فرمایا کہ میں جارہا ہوں۔ ہم رونے لگے اور کہا کہ ایسا نہ کہیں۔ بزرگ بولے، میں امریکہ جارہا ہوں وہاں سے آؤں گا نہیں اور ہم ایک طرف کھڑے ہوگئے۔قریب ہی نالا بہہ رہا ہے جس میں سے وہ خاتون سکے اٹھا رہی ہیں اور میں گھڑی کے خول۔ وہیں مرغی کا گوشت نظر آیا جسے دیکھ کر ہم نے کہا کہ یہ نہیں کھائیں گے اور پھر آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: خواب نشان دہی کررہا ہے کہ حالات اچھے نہیں ہیں۔ توبہ استغفار کرنے سے اندر کا میل یعنی خیالات کی اصلاح ہوتی ہے۔ بزرگوں کے لئے ایصال ثواب کرنا نہایت صالح عمل ہے۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو زیادہ سے زیادہ ''یا حیی یا قیوم'' پڑھیں۔ رات کو

سونے سے پہلے پاک صاف ہوکر گھر میں ایسی جگہ بیٹھیں جہاں یک سوئی ہو۔قرآن کریم اور درود شریف پڑھ کر حضور پاکؐ اور آل محمدؐ کو ثواب پہنچائیں ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت سے انشاءاللہ حالات اچھے ہو جائیں گے۔

## عربی زبان

کشور سلطانہ، ملیر۔ایک اسٹیج کے پیچھے بڑی اسکرین لگی ہے اور اسٹیج پر موجود بزرگ تقریر کررہے ہیں، یہی منظر اسکرین پر ہے۔بزرگ کے آس پاس کچھ لوگ پلنگوں پر لیٹے ہیں۔میں بھی ایک پلنگ پر منہ رضائی میں کئے لیٹی ہوں۔ بزرگ تقریر کے دوران ایک صاحبہ کو سمجھانے کے انداز میں دیکھتے ہیں تو میں بھی رضائی سے منہ نکال کر انہیں دیکھتی ہوں پھر فوراً منہ دوسری طرف کرتی ہوں کہ بزرگ نے مجھے دیکھ لیا تو کہیں گے، یہ جگہ تمہارے لیے نہیں۔جس طرف میں نے منہ کیا وہاں کچھ لوگ آجارہے ہیں۔خیال آیا کہ اتنے عرصہ سے بزرگ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں مگر چند ہی لوگوں نے سمجھا ہے۔ اوپر کی طرف نظر گئی تو شامیانہ سے بنے اوپر تلے فلیٹ نظر آئے جن میں موجود لوگ بزرگ کی تقریر سن رہے ہیں۔

**تعبیر:** معاشرہ کا حال سب کے سامنے ہے ۔ ہمارے محلّہ میں ایک مسجد سے امام صاحب نے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا کہ فجر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے کوئی ایک آدمی تو آجائے کہ میں جماعت کرادوں۔میں نے جب یہ آواز سنی تو آنکھوں کے سامنے بہت خوب صورت مساجد میرے سامنے آگئیں ۔دل پر ایسی چوٹ لگی کہ آنسو بہنے لگے ۔اللہ تعالیٰ ہم سب خواتین و حضرات مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ لوگ پیٹ بھرنے کے لئے انگریزی، روسی اور دوسری زبانیں سیکھتے ہیں لیکن دکھ کی بات ہے نماز میں قرآن کریم کی چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا ترجمہ بھی ہمیں یاد نہیں۔ جب بات کا مفہوم ذہن نشین نہ ہو تو کیا پڑھنے کا حق پورا ہوگا؟ اچھے روزگار کے لئے کوئی بھی زبان ہمارے لئے پڑھنا آسان ہے جب کہ ہر فرد یہ جانتا ہے کہ نو مہینے تک اللہ نے رزق عطا فرمایا۔نو مہینے کے بعد بچہ زمین پر ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ماں سے دودھ کی دو نہریں جاری کردیتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ہر فرد کو رزق عطا فرماتا ہے، زندگی عطا فرماتا ہے اور نشو ونما کا پورا دور بچہ کے ارادہ کے بغیر کام یابی سے ہم کنار ہوتا ہے ۔سوال یہ ہے کسی بھی زبان کا مفہوم، مطلب اور معنی اگر سمجھ میں نہ آئیں اس کو زبان کا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ بزرگو اور بچو! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، قرآن کریم میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی وضاحت موجود ہے۔قرآن سے راہ نمائی کے لئے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان پڑھیں۔ جب نماز میں قرآن شریف کی تلاوت کریں تو ہمیں معلوم ہو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کیا عرض کررہے ہیں۔

## تعبیر خود سمجھئے

ثروت خانم، کراچی۔خواب میں دیکھا کہ ایک

بزرگ نے مجھے بلوایا ہے۔ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئی تو کہتی ہوں کہ بابا جی، لوگ مجھے بہت تنگ کرتے ہیں، پریشان ہوگئی ہوں، کیا کروں؟ بزرگ فرماتے ہیں، تم بیعتی ہوجاؤ (میں اس کا یہ مطلب سمجھتی ہوں کہ تم بیعت ہوجاؤ)۔ اچانک منظر بدلا اور ایک آدمی نظر آیا جو مجھے ڈراتے ہوئے بزرگ کی بات ماننے سے منع کرتا ہے۔ ڈرنے سے آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: صاحب عقل خواتین وحضرات جب بچہ کو اسکول میں داخل کراتے ہیں تو اسکول کا ماحول، اساتذہ کا اخلاق، علمی قابلیت اور اخلاقی قدریں دیکھتے ہیں۔ جواب مختصر ہے جو تعبیر ہے وہ لکھ دی ہے۔

## پانی کا ریلا

احمد نواز، اٹک۔ دیکھا کہ دریا کا پانی رکنے کی وجہ سے وہ جگہ خشک ہوگئی۔ ریت پر ایک مچھلی تڑپ رہی ہے جسے اٹھانے کے لئے بڑھا تو کسی نے دریا کا پانی کھول دیا اور پانی کا ریلا میری طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ اسی وقت آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: معاشرہ کے حالات پر غور کیجئے۔ خواب کی تعبیر معلوم ہوجائے گی۔

ش، خ۔ پشاور۔ تعبیر: یہ خواب نیاز احمد عظیمی صاحب نگراں مراقبہ ہال (پشاور) کو بتایئے۔

ماہنامہ قلندر شعور جنوری 2019

## آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

## سفید سانپ

دانش، اسلام آباد۔ خالہ کے ہاتھ میں دو منہ والا سفید سانپ ہے جس پر میرون نشان ہے۔ ایک منہ مرا ہوا، دوسرا زندہ ہے۔ وہ بیٹے کو ڈھونڈتے ہوئے ہمارے گھر آئیں تو بتایا کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ سانپ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر میں ڈر گیا۔ خالہ کو بتایا انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔ بھاگتا ہوں تو آوازیں دیتی ہوئی پیچھے آتی ہیں۔

**تعبیر:** دماغ میں مستقل خیالات کی یلغار رہتی ہے۔ خیالات میں زیادہ خیال ایسے ہوتے ہیں جو اخلاقی اعتبار سے ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر آپ نے اس تعبیر پر غور کر لیا تو آپ کی ذہنی الجھن انشاء اللہ ختم ہو جائے گی۔ کثرت سے یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم وضو بے وضو پڑھا کریں۔

## قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھیں

ناہید نور، کراچی۔ دیکھا کہ چھوٹے سفید کیڑے ہاتھوں پر چل رہے ہیں جن کو میں ہٹا رہی ہوں اور آنکھ کھل گئی۔ دوبارہ خود کو دلہنوں والا جوڑا پہنے دیکھا۔

**تعبیر:** آپ کے اندر ذہنی انتشار بہت زیادہ ہے۔ انتشار کی وجہ الٹے سیدھے خیالات آنا ہے۔ یقین کی دنیا کے خلاف زندگی گزر رہی ہے جب کہ یقین ہی زندگی ہے۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کریں اور ترجمہ کے ساتھ قرآن کریم پڑھیں۔

## زوال کے بعد بے ہوشی کا دورہ

انسان کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں لیکن یہ دونوں دماغ بیک وقت ایک ساتھ پوری طرح متحرک نہیں رہتے۔ ایک دماغ ہمیشہ مغلوب رہتا ہے اور دوسرا غالب۔ اگر کسی وجہ سے غالب اور مغلوب رہنے کا عمل متاثر ہو جائے تو بے ہوشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ علاج یہ ہے:

مریض کو چاہئے کہ دورہ پڑنے سے آدھا گھنٹہ پہلے آرام دہ بستر میں لیٹ جائے اور یَا حَفِیظُ کا ورد کرتا رہے۔ نیند آئے تو سو جائے۔ یَا حَفِیظُ کا ورد اس وقت تک کیا جائے جس وقت دورہ پڑتا ہے لیکن دورہ پڑنے کے وقت کے بعد بھی ایک گھنٹے تک بستر پر رہے۔ اس عمل کی مدت چالیس روز ہے۔

## داغ دھبے اور زخم کے نشانات

جسم پر داغ دھبے چاہے وہ زخم کے ہوں یا جلنے کے ہوں ان سب کے لئے صبح سورج نکلنے سے پہلے اور رات کو سونے سے پیش تر بسم اللہ شریف کے بعد ایک ایک ہزار بار یَا شَافِیُ پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کریں اور نشانوں پر پھیر لیں ساتھ ہی جب بھی پانی یا کوئی مشروب پئیں گیارہ مرتبہ یَا شَافِیُ پڑھ کر اس پر دم کر لیا کریں۔

# عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''ہم رگ جاں سے بھی قریب ہیں۔'' (قٓ: ۱۶)

رگ جاں سے مراد ہے کہ آدمی ''جسم'' اور ''جان'' کا ادراک کرے۔

آدمی اور انسان ــــ دو یونٹ ہیں۔ انسان ادب اور ــــ آدمی بے ادب ہے۔ آدمی کی تخلیق تعفن، غلاظت، لیس دار مادہ اور سڑی ہوئی مٹی کے گارے سے ہوئی ہے۔ مذکورہ عناصر کی صفات آدمی میں موجود ہیں جس کا مشاہدہ ڈیڈ باڈی کی مقررہ وقت پر تدفین ہے تاکہ تعفن ظاہر نہ ہو۔

آدمی کی ایک صفت کھنکھناتی بجنی مٹی ہے۔ کھنکھناتی بجنی مٹی میں خلا کی نشان دہی ہے۔ خلا ایسی اسپیس ہے جس میں نقش و نگار ہیں۔ مٹی کا جسم نظر آنے سے خلا نظر نہیں آتا اور جب خلا ظاہر ہوتا ہے تو مٹی سے بنے ہوئے نقش و نگار غائب ہو جاتے ہیں۔ نگاہ جسم کو حرکت میں دیکھتی ہے تو سمجھتی ہے کہ حرکت مادی جسم کی ہے لیکن نیند میں یہی جسم ساکت ہوتا ہے اور فرد خود کو حرکت میں دیکھتا ہے۔ یہ آدمی (جسم) کی نفی اور اُس وجود کا اثبات ہے جس کو آسمانی کتابوں نے انسان کہا ہے۔ نیند اور موت میں پیغام ہے کہ مادی جسم (آدمی) لباس ہے اور لباس کا استعمال ''وجود'' کی پردہ پوشی ہے۔

لباس کیا ہے ــــ؟ حرکت ہر زون میں مظاہرہ کے لئے میڈیم بناتی ہے جسے ہم لباس کہتے ہیں۔ لباس کی ایک صفت گھٹنا بڑھنا ــــ غیب ظاہر اور ظاہر غیب ہونا ہے۔ اِس دنیا میں روح کا لباس ''آدمی'' اور یہاں سے ماورا عالمین میں ''انسان'' ہے۔ عالمین ــــ ادراک کے مدارج ہیں۔ ذہن کی وسعت بڑھتی ہے تو ہم دنیا میں رہتے ہوئے دوسری دنیاؤں سے متعارف ہوتے ہیں۔ آنکھ دوسری دنیاؤں میں اس وقت کھلتی ہے جب رنگ و بو کی دنیا میں بیدار ہوتی ہے۔ آدمی اس بات سے غافل اور انسان واقف ہے۔ خالق کائنات فرماتے ہیں،

''ہم نے انسان کو بہترین صناعی کے ساتھ پیدا کیا، پھر اس کو اسفل سافلین میں پھینک دیا۔'' (التین: ۴۔۵)

مرنے کے بعد مٹی کا لباس بکھرتا ہے اور ''حرکت'' دوسرے عالم میں منتقل ہوتی ہے۔

قانون راہ نمائی کرتا ہے کہ اگر فرد مرنے سے پہلے جسم کو ثانوی حیثیت دے کر اندر میں موجود انسان کو اولیت دے تو حرکت کے لامحدود رخ سے واقف ہو سکتا ہے۔ ماورائی دنیا میں داخل ہونا اس وقت ممکن ہے جب جسمانی تقاضوں کو ثانوی حیثیت دے دی جائے اور جہاں سے تقاضے نزول کر رہے ہیں فرد ان کی طرف متوجہ ہو۔

آدمی اور انسان دونوں خیال کے پابند ہیں اور کام کو وقت اور فاصلہ میں مکمل کرتے ہیں لیکن رفتار الگ ہے۔ خیال آئے بغیر مخلوق کھانا کھاتی ہے نہ پانی پیتی ہے۔ خیال نہ آئے تو سامنے موجود شے نظر نہیں آتی۔

انسان خیال میں معنی نہیں پہناتا، نتیجہ میں اس کی کاوشوں سے نسلیں استفادہ کرتی ہیں۔ آدمی خیال میں معنی پہنا دیتا ہے جس سے خیال کے اصل خدوخال مغلوب اور غرض غالب ہو جاتی ہے۔ نتیجہ میں فرد بے سکون اور پریشان ہو کر دوسروں کے لئے بھی آزار بن جاتا ہے۔

مقرب بارگاہ بندے (انسان) اپنی دنیاوی اور روحانی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں مگر کسی شے سے براہ راست ربط قائم نہیں کرتے — ان کی سوچ یہ ہے کہ ہر شے Care of Allah یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان سے منسوب آزادی اور اعزازات آدمی کو میسر نہیں۔ آدمی پر محدودیت غالب ہے۔ محدودیت کا مفہوم ٹائم اور اسپیس کی گرفت ہے یعنی کائنات ٹائم اور اسپیس میں بند ہے۔ ٹائم اور اسپیس کا یہی فرق آدمی اور انسان ہے۔ ایک مثال جنت ہے جہاں سے نافرمانی کی بنا پر ہمیں نکلنا پڑا اور زمین پر پھینک دیئے گئے۔ جنت کی اسپیس، اللہ کے حکم کی فرماں برداری ہے۔ جب ذہن اللہ تعالیٰ کے تابع ہو جاتا ہے تو جسم اور جان میں مطابقت پیدا ہوتی ہے — مطابقت سے فرد زمان و مکان (time and space) پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

آدمی کو اختیار ہے کہ اچھائی اور برائی میں امتیاز کر کے اچھائی اختیار کرے اور برائی کے قریب نہ جائے۔ جب آدمی خالق کائنات کی دی ہوئی اخلاقی قدروں یعنی جنت کے ماحول کو نظر انداز کرتا ہے تو جنت سے نکلنا اس کی سزا ہے۔ تورات، وید، انجیل، دیگر صحائف اور آخری الہامی کتاب قرآن کریم اس قانون کی سند ہیں۔

''ہم نے انسان کو بہترین صناعی کے ساتھ پیدا کیا، پھر اس کو اسفل سافلین میں پھینک دیا'' (التین: ۴۔۵)

پیغمبران کرام علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق جب آدمی خالق کائنات اللہ کی فرماں برداری کرتا ہے یا اس کے برعکس satanic inspiration کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے یعنی ان اعمال کو اہمیت دیتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں تو زندگی کا رخ اعلیٰ سے اسفل کی طرف ہو جاتا ہے۔ اسفل رخ کا مطلب ہے کہ آدمی ڈر اور خوف میں مبتلا ہو کر بے چین رہتا ہے۔ اس کے برعکس اعلیٰ رخ میں اطمینان قلب ہے۔

اول الذکر مقام دوزخ ہے اور اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام پر ایمان و ایقان جنت ہے۔

# العالم كله مقيّد بالخيال

وفقًا لقوله تعالى: " ونحن أقرب إليه من حبل الوريد" (ق:١٦)

المراد بحبل الوريد أن المرء عليه أن يدرك الجسم والروح.

الآدمي والإنسان وحدتان. الإنسان أدب، والآدمي بلا أدب. وقد خلق الآدمي من عفن وقذارة ومن صلصال من حمأ مسنون. وهذه العناصر المذكورة تتواجد صفاتها بداخل الآدمي ، وهو الذي يظهر وقت الدفان من إخفاء للجثة حتى لا يظهر التعفن.

إحدى صفات الآدمي أنه صلصال كالفخار. وفي "صلصال كالفخار" دلالة على الخلاء (الفراغ).

الفراغ هو مكان فيه نقوش ورسوم. ولا يمكن رؤية الفراغ برؤية جسم الطين. وحينما يظهر الفراغ تغيب نقوش ورسوم جسم التراب.

يرى البصر حركة الجسم ويظن أنها حركة الجسم المادي، لكن في النوم يكون ذات الجسم ساكنًا ويرى الفرد نفسه في الحركة. وهذا هو نفي الآدمي(الجسم) وإثبات الوجود الذي سمته الكتب السماوية "إنسان".

وفي النوم والموت رسالة إن الجسم المادي (آدمي) هو لباس، وفي استخدام اللباس اخفاء لـ"الوجود".

ما هو اللباس؟ لكي تظهر الحركة تصنع لها في كل نطاق وسط، وهو ما نسميه باللباس. وصفة اللباس القصر والطول. الغيب يصبح ظاهرًا والظاهر يصبح غيبًا.

وفي هذا العالم لباس الروح (الآدمي)، وفي العوالم التي بعد هذا العالم يكون إنسان. العالمين هي مدارج وأطوار للإدراك، وإذا ازدادت سرعة الذهن تعرفنا على عوالم أخرى ونحن في هذه الدنيا.

وتتفتح العين في العوالم الأخرى عندما تستقيظ العين في عالم الألوان والروائح. والآدمي غافل عن هذا الشيء، بينما يقف الإنسان عليه.

ويقول خالق الكون سبحانه وتعالى في سورة التين:

" لقد خلقنا الإنسان في أحسن تقويم.ثم رددنٰه اسفل سافلين." (التين:٤-٥)

بعد الموت ينتشر لباس الطين وتنتقل الحركة إلى عالم آخر.

يرشدنا القانون إلى أن المرء إذا أعطى جسمه مرتبة ثانوية قبل أن يموت وأعطى الإنسان الموجود بداخله الأولوية فإنه سيتعرف على الأوجه اللامحدودة للحركة.

الدخول إلى العالم الماورائي يكون عندما تعطى الحاجات الجسدية مرتبة ثانوية، ويتوجه الفرد إلى المصدر الذي تتنزل منه الاحتياجات.

الآدمي والإنسان كلاهما متوقفين على الخيالات وينجزان العمل في الوقت والمسافة، لكن السرعة تكون مختلفة. فلا يأكل ولا يشرب المخلوق بدون أن يأتيه الخيال، وما لم يأت الخيال لا يظهر الشيء للأمام.

الإنسان حين لا يلبس الخيال المعنى ينتج عن ذلك استفادة النسل من محاولاته، أما الإنسان حين يلبس الخيال معان بسببها تنغلب الملامح الأصلية للخيال وتصبح المصلحة هي الغالبة فينتج عن ذلك أن الفرد يصبح غير مطمئن قلق ويكون عبئًا على الآخرين.

العباد المقرّبون (الإنسان) يكملون مسؤولياتهم الدنيوية والروحانية لكنهم لا يقيمون رابطة مباشرة بينهم وبين الأشياء.تفكير المقربون هو أن كل شيء من عند الله (care of Allah ) أي من الله.

والخلاصة أن الحرية والعطايا التي ينالها الإنسان غير ميسرة أو متوفرة للآدمي فالآدمي تغلب عليه المحدودية، والمحدودية هي قبضة وقيد الزمان والمكان.أي أن الكون مقيّد بالزمان والمكان، والزمان والمكان هما الفرق بين الآدمي والإنسان.

فمثلًا الجنة التي اضطررنا للخروج منها بسبب العصيان وألقوا بنا على الأرض. مكان الجنة هو طاعة أمر الله، وحينما يكون الذهن تابعًا لله يتطابق الجسم والروح. وبالتطابق يستطيع المرء التغلب على الزمان والمكان (time & space).

الآدمي يمتلك اختيار التمييز بين الخير والشر، ويختار الخير ولا يقترب من الشر. وحينما يتفادى الآدمي القيم الأخلاقية المعطاة من الله أي بيئة الجنة يكون الخروج من الجنة عقابه.

التوراة والإنجيل والصحف الآخرى وآخر كتاب إلهامي "القرآن الكريم" هم سند هذا القانون.

" لقد خلقنا الإنسان في أحسن تقويم.ثم رددنٰه اسفل سافلين." (التين:٤-٥)

حسب تعليمات الأنبياء عليهم السلام إن للمرء إطاعة أوامر خالق الكون أو أن يقوم بعكس ذلك وهو قبول الخيالات الشيطانية (satanic inspiration) ويعصي الله، وبالأعمال التي لا يحبها الله يكون اتجاه الحياة من أعلىٰ إلى أسفل.

الآسفل يعني أن الإنسان مبتلًى بالخوف والقلق، وعلى العكس من ذٰلك الاتجاه إلى الأعلىٰ هو اطمئنان القلب. أول الذكر مقام جهنم والإيمان والإيقان بالله وأنبيائه هو الجنة.

# تمام عالم حلقه در دام خیال است

باری تعالی میفرماید۔ "ما از رگ وجود تان هم قریبتر استیم ۔" (قٓ :۱۶)

مراد از رگ وجود اینست که "جسم" و "جان" را ادراک کنید۔

آدم و انسان ـــ دو یونت است انسان با ادب و آدم بی ادب است ـــ تخلیق آدم از تعفن، غلاظت، ماده لیس دار و از گل خراب شده است۔ صفات عناصر مذکوره در آدم موجود است که مشاهده آن در بادی شخص مرده است که باید در وقت مقرره تدفین شود تا سه تعفن ظاهر نشود۔

یک صفت آدم در گل سفال شدن است - در گل سفال شدن نشان دهی خلا است - خلا جای است که در آن نقش و نگار است ـــ از دیدن جسم گلی خلا به نظر نمی آید ـــ و وقتی خلا ظاهر میشود آن نقش و نگاری که از گل ساخته شده غایب میشود۔ نگاه جسم را در حرکت میبینند - فکر میکند که حرکت از جسم مادی است، لیکن در خواب همین جسم ساکت میشود و فرد خود را در حرکت میبینند۔ این نفی آدم (جسم) و اثبات آن وجود است که در کتاب آسمانی به آن انسان میگویند۔ در خواب و مرگ پیغام است که جسم مادی (آدم) لباس است و استعمال لباس ـــ پرده پوشی وجود است۔

لباس چیست ـــ؟ حرکت هر زون را به خاطر مظاهره توسط (میدئم) میسازد که ما به آن لباس میگوییم۔ یک صفت لباس کم شدن و زیاد شدن ـــ ظاهر شدن غیب و غایب شدن ظاهر است - در این دنیا لباس از روح آدم و در اینجا از ماورای عالمین انسان است۔ عالمیان ـــ مدارج ادراک است۔ وسعت ذهن زیاد میشود و ما با وجود زندگی کردن در این دنیا با دنیاهای دیگر متعارف میشویم، چشم به دیگر دنیاها وقتی باز میشود که در دنیائی رنگ و بو بیدار میشود - آدم از این حرف غافل و انسان واقف است۔ خالق کاینات میفرماید که

"ما انسان را با بهترین صناعی پیدا کردیم - بعد او را به اسفل سافلین گردانیدیم"۔ (التین:۴-۵)

بعد از مردن لباس گلی از بین میرود و حرکت به دنیائی دیگر منتقل میشود۔

قانون رهنمائی میکند که اگر فرد قبل از مردن به جسم ثانوی حیثیت داده و انسان موجود در داخل را اولیت بدهد از حرکت لامحدود واقف شده میتواند - داخل شدن به دنیائی ماورا آن وقت ممکن میشود که تقاضا

ھای جسمانی را حیثیت ثانوی دادہ شود و از جائی کہ تقاضا ھا نزول میکند فرد بہ طرف آن متوجہ شود۔

آدم و انسان ھر دو بہ خیال پابند ھستند و کار را در وقت و فاصلہ مکمل میکند — اما رفتار جدا است۔ خیال می آید کہ بغیر آن، مخلوق غذا میخورند نہ آب مینوشند۔ خیال نیاید شئ موجود در مقابل رو بہ نظر نمی آید۔

انسان بہ خیال معنی نمی پوشاند، در نتیجہ از کاوش ھای آن نسل ھا استفادہ میکند۔ آدم بہ خیال معنی میپوشاند کہ از اصل آن خد و خال خیال مغلوب و غرض غالب میشود۔ در نتیجہ فرد بی قرار و پریشان شدہ باعث آزار دیگران نیز میشود۔

بندہ ھای مقرب بارگاہ (انسان) ذمہ داری دنیائی و روحانی خود را پورہ کردہ مگر بہ ھیچ چیز براہ راست رابطہ قائم نمیکنند — فکر آنان این است کہ ھر شئ care of Allah یعنی از طرف خداوند (اللہ) است۔

خلاصہ اینست کہ آزادی و افتخاری منسوب بہ انسان — بہ آدم میسر نیست۔ بہ آدم محدودیت غالب است۔ مفھوم محدودیت گرفت بہ تائم و اسپیس است یعنی کائنات در وقت و فضا بند است۔ این فرق تائم و اسپیس آدم و انسان است۔ یک مثال جنت است کہ بہ خاطر نافرمانی ما از آنجا خارج کردہ شدیم و بہ زمین انداختہ شدیم۔ فضای جنت فرمان برداری بہ حکم اللہ است۔ وقتی کہ ذھن تابع اللہ میشود در جسم و جان مطابقت پیدا میشود۔ از مطابقت فرد بہ زمان و مکان (time and space) غلبہ حاصل میکند۔

بہ آدم اختیار دادہ شدہ کہ بہ خوبی و بدی امتیاز کردہ۔ خوبی را اختیار کردہ و بہ طرف بدی نرود۔ وقتی آدم اخلاقی اندازہ ھا دادہ شدہ از جانب اللہ را یعنی ماحول جنت را نظر انداز کند بیرون شدن از جنت سزای اوست۔ تورات، وید، انجیل و صحایف دیگر و کتاب الھامی آخر قرآن کریم سند ھائ این قانون است۔

"ما انسان را با بھترین صناعی پیدا کردیم۔ بعد او را بہ اسفل سافلین گردانیدیم"۔ (التین:۴-۵)

مطابق ھدایت پیامبران کرام وقتی انسان فرمان برداری اللہ را میکند و یا برعکس آن satanic inspiration را قبول کردہ مرتکب نافرمانی اللہ میشود یعنی بہ این اعمال اھمیت میدھد کہ اللہ آن را نمی پسندد — رخ زندگی از اعلیٰ بہ طرف اسفل میشود۔ مطلب رخ اسفل اینست کہ انسان بہ خوف و ترس مبتلا شدہ بی قرار میباشد۔ و برعکس آن رخ اعلیٰ اطمینان قلب است۔

مقام اول الذکر دوزخ است و ایمان بہ اللہ و انبیائی کرام ایقان جنت است۔

Sindhi

# سڄو عالم خيال جي دائري ۾ قيد آهي

رب تعاليٰ جو ارشاد آهي،”اسين شھ رڳ کان به وڌيڪ ويجها آهيون.“ (قٓ : ١٦)
شھ رڳ مان مراد آهي ته ماڻھو جسم ۽ جان جي واقفيت حاصل ڪري. ماڻھو ۽ انسان — به يونٽ آهن .انسان ادب ۽ ماڻھو بي ادبي آهي .ماڻھو جي تخليق گند ، غلاظت ،ليس دار مادي ۽ سڙيل مٽيءَ جي ڳاري مان ٿي آهي.ذڪر ڪيل عنصرن جون صفتون ماڻھو ۾ موجود آهن ،جنھن جو مشاهدو بيڊ باڊيءَ جي مقرر وقت تي تدفين آهي،ته جيئن تعفن يا بدبو ظاهر نه ٿئي.

ماڻھو جي هڪ صفت کڙڪندڙ يا وڄندڙ مٽي آهي .کڙڪندڙ ۽ وڄندڙ مٽيءَ ۾ خلا جي نشاندهي آهي ،خلا هڪ اهڙي اسپيس آهي جنھن ۾ نقش و نگار آهن .مٽيءَ جو جسم نظر اچڻ سان خلا ظاهر نه ٿو ٿئي ۽ جڏهن اهو ظاهر ٿئي ٿوته مٽيءَ مان نھيل نقش ۽ نگار غائب ٿي وڃن ٿا .نظر جسم کي حرڪت ۾ ڏسي ٿي ته سمجهي ٿي ته حرڪت مادي جسم جي آهي پر ننڊ دوران اهو ئي جسم بي حرڪت هوندو آهي ۽ فرد پاڻ کي حرڪت ۾ ڏسندو آهي .اهو ماڻھو ( جسم) جو انڪار ۽ هن وجود جو ثبوت آهي،جنھن کي آسماني ڪتابن انسان سڏيو آهي .ننڊ ۽ موت ۾ پيغام آهي ته مادي جسم(ماڻھو) لباس آهي ۽ لباس جو استعمال وجود جي پرده پوشي آهي .

لباس ڇا آهي—؟ حرڪت هر زون ۾ مظاهري لاءِ ميڊيم ٿاهي ٿي ،جنھن کي لباس سڏيون ٿا.لباس جي هڪ صفت گھٽڻ ۽ وڌڻ ،غيب ظاهر ۽ ظاهر غيب ٿيڻ آهي .هن دنيا ۾ روح جو لباس ماڻھو ۽ هتان کان ماورا عالمين ۾انسان آهي .عالم ،چاڻ جا درجا آهن .ذهن جي وسعت وڌندي آهي ته اسين دنيا ۾ رهندي ٻين دنيائن جو تعارف حاصل ڪندا آهيون .اڪ ٻي دنيا ۾ انهيءَ وقت ڪلندي آهي جڏهن رنگن ۽ خوشبوءِ جي دنيا ۾ جاڳندي آهي ،ماڻھو انهيءَ ڳالھ کان غافل ۽ انسان واقف آهي .خالق ڪائنات فرمايو آهي ،

"اسان انسان کي بهترين صناعيءَ سان پيدا ڪيو ۽ پوءِ هن کي اسفل سافلين ۾ ڌڪي ڇڏيو." ( التين :٥،٤)

موت ڪانپوءِ مٽيءَ جو لباس وڪرندو آهي ۽ حرڪت ٻي عالم ۾ منتقل ٿيندي آهي .قانون رهنمائي ڪري ٿوته فرد مرڻ کان پهرين جسم کي ثانوي حيثيت ڏيئي اندر ۾ موجود انسان کي اهميت ڏي ته حرڪت جي لامحدود رخ کان واقف ٿي سگھي ٿو .ماورائي دنيا ۾ داخل ٿيڻ ان وقت ممڪن آهي جڏهن جسماني گھرجن کي ثانوي حيثيت ڏي ۽ جتان انهن گھرجن جو خيال

ii

نازل ٿي رهيو آهي ،فرد ان ڏانهن ڌيان ڏي .ماڻهو ۽ انسان ۾ئي خيال جا پابند آهن ۽ ڪم ڪي وقت ۽ فاصلي ۾پورو ڪن ٿا پر رفتار الڳ آهي .خيال اچڻ ڪانسواء مخلوق ڪاڏو ڪائيندي آهي ۽ نه پاڻي پيئندي آهي .خيال نه اچي ته سامهون موجود شئ نظر نه ايندي آهي.

انسان خيال ۾ معني نه ٿو پارائي،جنهن جي نتيجي ۾ هن جي ڪاوشن مان ڪيئي نسل فائدو وٺن ٿا .ماڻهو خيال کي معني پارائي ٿوجنهن سان خيال جواصلي روپ مغلوب ۽ غرض غالب اچي وڃي ٿي .نتيجي ۾ فرد بي سڪون ۽ پريشان ٿي ٻين لاء آزار بڻجي ويندو آهي.

الله جا مقرب بندا (انسان) پنهنجيون دنياوي ۽ روحاني ذميداريون پوريون ڪندا آهن پر ڪنهن به شئ سان سڌو سنئون تعلق قائم نه ٿا ڪن،انهن جي سوچ اها آهي ته هر شئ الله جي طرفان آهي.

خلاصو هي آهي ته انسان سان لاڳو آزادي ۽ اعزاز ماڻهو کي حاصل ڪونه آهن،ماڻهو تي محدوديت غالب آهي .محدوديت جو مطلب ٽائيم ۽ اسپيس جي پڪڙ آهي .يعني ڪائنات ٽائيم ۽ اسپيس ۾ بند آهي .ٽائيم ۽ اسپيس جواهو فرق ماڻهو ۽ انسان آهي .هڪڙو مثال جنت آهي جتان نافرمانئ جي ڪري اسانکي نڪرڻو پيو ۽ زمين تي ڦٽا ڪيا ويا سون .
جنت جي اسپيس الله جي حڪم جي فرمانبرداري آهي ،جڏهن ذهن الله جي حڪم جي تابع ٿئي ٿو ته جسم ۽ جان ۾ هڪجهڙائي پيدا ٿئي ٿي .هڪجهڙائي سان فرد زمان ۽ مڪان تي غلبو حاصل ڪري وٺندو آهي .
ماڻهو کي اختيار آهي ته ڀلائي ۽ برائيء ۾ فرق سڃاڻي پوء ڪنهن کي اختيار ڪري ۽ بدئ جي ويجهو نه وڃي .جڏهن ماڻهو قدرت طرفان ڏنل اخلاقي قدرن يعني جنت جي ماحول کي نظر انداز ڪري ٿو ته پوء جنت مان نڪرڻ هن جي سزا آهي .توريت،ويد،انجيلۦ ٻين صحيفن ۽ آخري الهامي ڪتاب قرآن ڪريم هن قانون جي سند آهن.

"اسان انسان کي بهترين صناعئ سان گڏ پيدا ڪيو ۽ پوء هن کي اسفل سافلين ۾ ڌڪي ڇڏيو-" (التين:۵،۴)

پيغمبرن سڳورن جي هدايت جي مطابق جڏهن ڪائنات جي خالق جي فرمانبرداري ڪري ٿو يا انجي ابتڙ شيطاني وسوسن کي قبول ڪري الله تعالي جي نافرماني ڪري ٿو يعني انهن عملن کي اهميت ڏي ٿو جيڪي الله کي ناپسند آهن ته زندگئ جو رخ اعلٰي کان اسفل ڏانهن ٿي وڃي ٿو .اسفل رخ جو مطلب آهي ته ماڻهو ڊپ ۽ خوف ۾ مبتلا ٿي بيچين رهي ٿو .انجي ابتڙ اعلٰي رخ ۾ اطمينان قلب آهي .ذڪر ڪيل ٻهريون مقام دوزخ آهي ۽ الله تعالي ۽ نبين سڳورن تي ايمان ۽ يقين جنت آهي.

Punjabi

# جگ سارا خیال دی لڑی اے

باری تعالیٰ دا فرمان اے، "اسی شہ رگ توں وی نیڑے آں۔" (قٓ :۱۶)

شہ رگ توں مراد اے کہ بندہ "تن" تے "جان" دی پچھان کرے۔

بندہ تے انسان ـــ دوا کائیاں نیں۔ انسان ادب تے ـــ بندہ بے ادب اے۔ بندے دی جم گند مند، سڑن، کوڑے، لسیلی، شے تے سڑی ہوئی مٹی دے گارے نال ہوئی۔ اے سارے عناصر بندے وچ موجود نیں۔ ایس دی اکھو ویکھی گل مردے دا وقت نال سمیٹا سمیٹی اے کہ سڑن نہ نکلے۔

بندے دا اک پچ وجنی مٹی اے۔ وجنی مٹی وچ خلا دا پتہ نشان اے۔ خلا ایہو جی جاء اے جس دے وچ نمونے نیں۔ مٹی دا تن نظر آون نال خلائیں دسدا تے جدوں خلا دسدا اے تے مٹی نال بنے نمونے غایب ہو جاندے نیں۔ نظر تن نوں ہل جل وچ ویکھدی اے تے سمجھدی اے کہ ہل جل مادی تن دی اے پر نیندر وچ ایہہ تن ہل جل نئیں کردا تے بندہ اپنے آپ نوں ہل جل کردا ویکھدا۔ ایہہ بندہ (تن) دی نفی تے اوس وجود دی ہاں اے جنہوں آسمانی کتاباں نے انسان آکھیا اے۔ نیندر تے موت وچ سندیسا اے کہ مادی تن (بندہ) لیڑے تے لیڑے نوں ورتنا "وجود" دی پردہ پوشی اے۔

لیڑا کیہہ اے ـــ؟ ہل جل ہر زون وچ مظاہرے لیئی وسیلہ بناندی اے جنہوں اسی لیڑا آکھدے آں۔ لیڑے دی ایک پچ گھٹنا، ودھنا ـــ غیب دِسنا تے دِسنا غیب ہونا اے۔ ایس دنیا وچ روح دا لباس "بندہ" اور ایتھوں ودھ کے دوسرے جہان وچ "انسان" اے ـــ دوسرے جہان ـــ پچھان دے رستے نیں۔ ذہن کھلیا تے اسی دنیا وچ رہندے ہوئے دوسری دنیا توں واقف ہوندے آں۔ اکھ دوسری دنیا وچ اوس ویلے کھلدی اے جدوں شوشاہ دی دنیا وچ کھلدی اے۔ بندہ ایس گل توں ناواقف تے انسان واقف اے۔ ایس کائنات دا پیدا کرن والا فرماندا اے۔

"اسی انسان نوں بہترین کاریگری نال پیدا کیتا۔ فیر اونہوں اک ڈونگھے ٹوئے (اسفل السافلین) وچ سٹ دتا۔" (التین:۴-۵)

مرن نوں بعد مٹی دا لباس کھلر جاندا اے "ہل جل" دوسرے جہاں وچ منتقل ہو جاندی اے۔

قانون سانوں راہ دسدا اے کہ بندہ مرن توں پہلے تن نوں اندر موجود انسان نوں پہل دیوے تے ہل جل دے

لا محدود رخ نال واقف ہو سکدا اے، ان دیکھی دنیا وچ وڑنا اوس وقت بن سکدا اے جدوں تن دی ضرورتاں نوں دوج دے دتی جائے اور جتھوں ضرورتاں اتردیاں نیں بندہ اودھر دھیان کرے۔ بندہ تے انسان دونوں سوچ یا خیال دے پابند نیں تے کم نوں وقت تے دوری تے سمیٹ لیندے نیں پر چال وکھ اے جے خیال نہ آئے تے لوکائی نہ کھاندی اے نہ پیندی اے۔ خیال نہ آئے سامنے پئی شے نئیں دسدی۔

انسان خیال وچ مطلب نئیں کڈھدا، نتیجے وچ اوہدی کوششاں توں نسلاں فائدے چکدیاں نیں۔ بندہ خیال نوں مطلب دیندا اے جس دے نال خیال دی اصل شکل و صورت دب جاندی اے تے طلب قابض ہو جاندی اے۔ نتیجے وچ بندہ بے سکون تے پریشان ہو کے دوسرے لئی اک وخت بن جاندا۔

اللہ دے نیڑے بندے (انسان) اپنی دنیاوی تے روحانی ذمہ داری پوری کر دے نیں پر کسی شے نال سیدھا میل نئیں کر دے نیں پر کسی شے نال سیدھا میل نئیں کر دے—اونہاں دی سوچ اے کہ ہر شے یعنی اللہ ولوں اے۔ خلاصہ اے کہ انسان نال منسوب آزادی تے تمغے بندے نوں نصیب نئیں۔ بندے تے محدودیت دا غلبہ اے محدودیت دا مطلب وقت تے جاء دی پکڑ اے مطلب کائنات وقت / ویلے تے جاء وچ بند اے۔ ویلے تے جاء دا ایہو فرق بندہ تے انسان اے۔ اک مثال جنت اے جتھوں نافرمانی دے کارن سانوں نکلنا پیا تے زمین تے سٹ دیتے گئے۔ جنت دی جاء اللہ دے حکم دی تابعداری اے۔ تے جدوں ذہن اللہ دی تابعداری کرن لگدا اے تے تن تے جان وچ سرتخلیق ہو جاندا اے—ایس سر نال بندہ ویلے تے جاء تے حاوی ہو جاندا اے۔

بندے نوں اختیار اے کہ چنگائی برائی دا فرق کر کے چنگائی اختیار کرے تے برائی دے نیڑے نہ جائے جدوں بندہ اپنے پیدا کرن والے دی دسی ہوئی راہ یعنی جنت دے ماحول نوں چھڈ دا تے جنت توں نکلنا ایس دی سزا اے۔ تورات، وید، انجیل دوسرے صحیفے تے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم ایس قانون دیاں سنداں نیں۔

"اسی انسان نوں بہترین کاریگری نال پیدا کیتا۔ فیر اونہوں اک ڈونگھے ٹوئے (اسفل السافلین) وچ سٹ دتا۔" (التین: ۴-۵)

پیغمبر ان دی ہدایت دے مطابق جدوں بندہ ایس کائنات دے پیدا کرن والے اللہ دی تابعداری کر دا اے یا ایس دے الٹ، شیطانی اثر نوں قبول کر کے اللہ دی نافرمانی کر دا اے۔ یعنی ایسے کم نوں اہمیت دیندا اے جہیڑے اللہ نوں ناپسند نیں تے حیاتی دا رخ اچے نوں نیویں (اسفل) ول ہو جاندا اے۔ نیویں رخ دا مطلب اے کہ بند اڈر، خوف وچ رہندا تے بے چین رہندا۔ ایس دے الٹ، اچے رخ وچ دل نوں سکون اے۔

پہلا مقام دوزخ اے تے اللہ تعالی تے نبیاں تے پکا ایمان یقین، جنت اے۔

Pashto

# توله نړۍ د مفکورې په انځورونو کښې بنده ده

باری تعالی ویلی دی: "مونږه د شاهرگ نه هم نژدې یو-" (قٓ-۱۶)
شاه رگ نه مطلب دا دي چه سړی د بدن او د ځان درک واخلی-

سړی او انسان— دوه یونټ دي.انسان ادب کونکي او سړی بې ادبه دی- سړی د بوۍ، گندونه، د لخی ډک مادی اود سخا شوی خاورې خټې نه جوړ شوی دی- ددې بیان شوې عنصرونو صفتونه په سړی کښې موجوده دي-ددې نظارت د مړی به یو خاص وقت کښې خښول دی چه چرته بوۍ تری ښورنه شی-

د سړی یو صفت گرنگیدونکی،زنگیدونکی، خاوره ده. دی گړنگیدونکی، زنگیدونکی خاوره کښې فضا په گوته ده- فضا یو دهسې اسپیس دی چه پکښی عکس و ښائست(خالونه) دي-د خاورې بدن ښکاره کیدو سره فضا نه ښکاري اوچه کله فضا ښکاره شي نو د خاورې جوړ شوی‌عکس و ښائست(خالونه) پټ شي-نظر چه بدن په حرکت کښې وینی نو پوهیږي چه دا حرکت د مادی بدن دی-خو خوب کښې هم دهغه بدن چپ وي او کس ځان په حرکت کښې ویني-دا دسړي ( بدن)نش کول او د هغه وجود شته کول دي چه چا ته آسمانی کتابونو انسان ویلی دي- خوب او مرگ کښې دا استوزه ده چه د مادي بدن (سړی) کالی دی او کالی اغوندل وجود په ستر کول دی-

کالي څه دي —؟ حرکت په هر ذون کښې ځان ښکاره کولود پاره یوه واسطه او میډیم جوړه وی چا ته چه مونږه کالي وایو-د کالی یو صفت کمیدل ذیاتیدل—پټه ښکاره، ښکاره پټه ده- په دي دنیا کښې د روح کالی د سړی مادی بدن دی او دلته نه پټو دنیا گانو کښې انسان دی- دنیا گانې د درک معلومولو درجې دی- څنگه چه ذهن کښې پراخولي ذیاتیږي نو مونږه دنیا کښي اوسیدو سره سره د نورو دنیا گانو سره پیژندگل هم کوو-سترگه په نورو دنیا گانو کښې هغه وخت وازیږي چه د رنگ وبوۍ په دنیا کښې‌را ایښه شي-

سړی ددي خبرې نه بې خبره او انسان تري خبر دی د کائنات جوړونکی وایۍ،

"مونږه انسان په ټولو کښې ښه شکل کښې پیدا کړلو بیا هم هغه
اسفل سافلین کښې او غورځولو-" (التین-۴-۵)

مرگ نه پس د خاورې کالی چه مونږه ورته مړی وایو خاوره شي-او حرکت د دنیا نه انتقال اوکي-

قانون لاره ښایۍ چه که کس مرگ نه اړاندې بدن ته ثانوي دریځ ور کړي او دننه موجوده انسان ته پام اوکړی نو د حرکت بې اندازه اړخ نه به مطلع شی-ماورائ دنیا

کښې وردننه کيدل هغه وخت کيدی شي چه کله د بدن تقاضو ته ثانوي دريځ ورکړي شي او چه چرته نه تقاضی ناذليږي کس دي د هغې اړخ ته په پام شي-

سړی او انسان دوانړه د مفکورې پابنده دي-او کار وخت او فاصلې(لرې‌والی )کښې پوره کوی خو سرعت جدا دی- بې د فکر راتلو مخلوق نه خو ډوډۍخوری او نه اوبه اخکي-فکر چه را نه شي نو مخامخ موجوده شی هم نه ښکاري-

انسان په فکر کښې معنی نه اچوي ددې په نتيجه کښې دده وخې نه (راتلونکي) نسلونو ترې فايده اوچتوي- سړیچه په فکر کښې مطلب واچوی نو دی سره د فکر اصل برخې ترې لاندی شي او غرض ترې بره شي-په نتيجه کښې کس پې ارامه و فکر منده شي او نورو د پاره ازآر جوړ شی-

لوئ الله ته نژدی کسان چه ورته انسان ويلې کيږی خپل د دنيا او د روح په غاړه کارونه پوره کوي خو هيڅ شی سره هم خپل( نيغ )مستقيم تماس نه نيسي د هغوي سوچ دا وي چه هر شی الله د اړخ care of Allah نه دی–

لنډه دا ده چه انسان سره چه کومې آزادی او افتخارونو ډالی دي هغه سړي سره نه وي- سړی محدوديت لري- محدوديت دا دی چه سړی ټائم او اسپيس کښې‌تړلی دی- ويل دا دی چه کائنات په ټائم او اسپيس کښې بندی ده-ددی يو مثال جنت دی چه چرته نه مونږته نه منولو د لاسه را اوتل شول او په ځمکه باندی را اوغورخولی شو-د جنت اسپيس د الله حکم منول دي چه هر کله ذهن د الله حکم تابع شي په بدن او ځان کښې ورته پيدا شي-دی ورتې سره کس په زمان و مکان ( time and space) باندی بره شي-

سړي ته اختيار دی چه ښه والی او بدوالی کښې فرق اوکي اوښه والی واخلی-او د بدوالی نزدی دی هم نه ځي- چه کله يو سړی د کائنات جوړونکی (خالق کائنات) ورکړی شوی اخلاقی قدرونو مطلب دا چه د جنت ماحول ته پام نه کوی نو جنت نه بهر اووتل د ده سزا ده- تورات و ويد و انجيل ، نورو صحيفو او آخرينې آسمانی کتاب قرآن کريم ددی قانون سندونه دي-

"مونږه انسان په ټولو کښې ښه شکل کښې پيدا کړلو بيا هم هغه
اسفل سافلين کښې اوغورځولو- " (التين-۴-۵)

پيغمبران کرام عليهم السلام د هدايت په رڼرا کښې چه کله د کائنات جوړونکي الله حکم منی- او يا د دی برعکس شيطانی الهام satanic inspiration قبول کي او د لوئ الله نافرماني اوکي-يعنی هغه عملونو ته اهميت ور کوي چه کوم الله ناخوښوی نو د ژوندون مخه لوړی(اعلی)نه اسفل ته شي-د اسفل اړخ مطلب دا دی چه سړی په ويری اوډار کښې انخلي اوبي سکونه به شي ددی بر عکس په لوړ(اعلی) اړخ کښې د ذړه اقناع ده-لومړی بيان شوی مقام دوزخ دی اولوئ الله او نبيان کرام عليهم السلام باندی ايمان او باورجنت دی–

Kashmiri

# سوربی عائلم چھُ حلقہ دامِ خیال

اللہ تعالیٰ چھِ فرماوان۔ ''ایسِ چھِ رگ جان نِش قریب (نِش تل)'' (قٓ :۱۶)

رگِ جانُک مطلب گوو زِ انسانس پزِ زُوتہ جانُک ادراک کرُن

آدم تہ انسان چھِ زوٗ یونٹ۔انسان گوو ادب تہ آدم چھُ بے ادب۔آدم سنز تخلیق سپز تعفُن ،غلاظتھ ،لیس دار مادٕ تہ وزنٕ واجِہ مژ سیت۔مذکور عناصرن ہنز صفات چھِ آدمس منز موجود۔ایمُک مشاہدٕ چھُ ڈیڈ باڈی مقرٕ وقتس پیٹھ دفن کرُن ،تکیاز تعفُن گوژ نہ ظاہر سپدُن یا پھہ لُن۔

آدم سنز اکھ صفت چھِ وزنہٕ واج مژ تہ وزن واجہ مژ ہنز نشاندہی خلاس منز۔خلا چھُ سہُ اسپیس ییتھ اندر نقش نگار چھِ مژ ہُند جسم نظرِ ینہِ سیت چھِنہ خلاس منز نظرِ یواں۔یلہِ خلا چھُ ظاہر سپدان تہ مژِہ ہندِ نقش ونگار چھِ غاٗب سپدان۔نظر چھِ جسمس حرکتس منز وچھان تہ سمجھان چھِ زہ حرکتھ چھِ ماٗدی جسمچ مگر نندرے منز چھُ یوہے جسم ساکت سپدان تہ انسان چھُ پنن پانس حرکتس منز وچھان۔یہ چھِ جسمچ نفی تہ وجودُک ثبوت ییتھ آسمانی کتابو انسان وُن۔نیندر تہ موتس منز چھُ پیغام زہ ماٗدی جسم چھُ لباس تہ لباسُک استعمال چھُ وجودچ پردٕ پوشی۔

لباس (پلو) کیاہ چھُ۔حرکت چھِ پرتھ زونس منز مظاہرس باپتھ میڈیم بناوان۔لباسچ اکھ صفت چھِ کم یا زیاد گژھُن ،غاٗب ظاہر تہ ظاہر چھُ غاٗب سپدان۔ییتھ دنیاس منز روحُک لباس گو آدم تہ ییتھ ماورا عالمینس منز چھُ انسان۔ادراکک تہ چھِ مدارج۔ذہنچ وسعت چھِ ہوٗ ران تہ اسہہ چھِ دنیاس منز روزتھ دوٗیمن دنیاہن سیت متعاٗرف سپدان۔اُچھ چھِ دوٗیمن دنیاہن منز تم ساعتہٕ مُژرِن یوان یلہ رنگ تہ مشکلچ دنیاس منز بیدار چھِ سپدان آدم چھُ امہ کتھِ نِش غاٗفل تہ انسان چھُ واٗقف۔خالقِ کائینات چھِ فرماوان۔

"اسہہ کوٗر انسان بہترین صناٗعی سیت پاٗدتہ پتہ آو اسفل سافلینیس منز تراونہ" (التین :۴-۵)

مرن پتہ چھُ مژ ہُند لباس چھکرنہٕ یوان تہ حرکتھ چھِ دوٗیمہٕ عالمس منز منتقل سپدان۔

قونون چھُ رہنمائی کران اگر انسان مرنہ برونہہ جسمس ثانوی حیثیتھ دیتھ اندرِم انسانس اولیتھ دی حرکتک لامحدود رُخ نِش سپدِ واٗقف ،ماورائی دنیاس منز داٗخل سپدُن چھُ تم ساعتہٕ ممکن جسمانی تقاضن چھِ ثاٗنوی حیثیت یوان دِنہَ۔یم طرفہ تقاض چھُ نزول کران فرد گوژ توٗ کُن متوجہٕ سپدُن۔

آدم تہ انسان چھِ دونوے خیالک پابند کأمہ تہ فأصلس منز مکمل کران اما پوز رفتار چھِ الگ۔ خیال ینہ ورائے چھِ مخلوق کھیوان تہ چیوان۔ خیال ای نہ تہ برونہہ کن موجود چیز چھنہ نظرِ یوان۔

انسان چُھنہ خیالس منز معنی لاگناوان، نتیجتاً چھِ نسلۂ تسند کوششوسیت استفادٕ حأصل کران۔ انسان چھُ خیالن منز معنی لاگناوان۔ یِم سیت خیالِک اصل خدتہ خال مغلوب سپدان تہ غرض چھُ غألب سپدان۔ نتیجس منز چھُ فرد بے سکون تہ پریشان سپدتھ دوئمن باپتھ آزار سپدان۔

مقربِ بارگاہ بندۂ پنٕنی دنیاوی تہ روحأنی ذمہ داری پوٗرکران مگر کأہنس چیزس سیت چھُ نہ براہ راست ربط قأئم کران۔ تہنز سوچ چھِ یہ زہ پرتھ چیز Care of Allah یعنی ربٕ سندِ طرفہٕ۔

خلاص چھُ یہ زہِ انسان سیت منسوب آزأدی تہ اعزازات چھنِہ انسانس میسر۔ آدمس پیٹھ چھِ محدودیت غألب۔ محدودیتُک مفہوم گوو ٹائم تہ اسپیچ رٹھ۔ اماپوز کائینات گیہ ٹائم تہ اسپیسس منز بند۔ ٹائم تہ اسپیسک یوہے فرق چھُ آدم تہ انسان۔ اکھ مثال گیہٕ جنت یتے نافرمأنی کینہ پیواسہہ نیرُن تہ آیہٕ زمینس پیٹھ درتھ دِنہٕ۔ جنتچ اسپیس چھِ اللہ تعالیٰ سندِ حکمچ فرمان برداری۔ یلہ ذہن چھُ اللہ تعالیٰ سندِ تابع سپدان تہ جسم تہ جانس منز چھِ مطابقت پأد سپدان۔ مطابقت سیت فرد زمان تہ مکاں (time and space) پیٹھ غلبہٗ حاصل کران۔

آدمس چھُ یختیار زہ اچھأئی تہ برأئی منز کرہے امتیاز پأدتہ کرے اچھأئی یختیار تہ برأئی نش گژھہے نہ۔ یلہِ انسان خالقِ کائینات سنز دِنہ آمژ اخلأقی قدرٕ یعنی جنتک ماحولس چھُ نظر انداز کران۔ تہ جنت منز نیرن چھِ تس ہنز سزا۔ تورات، وید، انجیل، دوئم صحائف تہ آخری اِلہامی کتاب قرآن کریم چھُ امہ قانونچ سند۔

’’اسہہ کُور انسان بہترین ساختس پیٹھ پأد، تہ پتہ آو اسفل سافلینس منز درتھ دِنہ ‘‘(التین ۴۔۵)

پیغمبران کرام علیہم السلامن ہنز ہدایت مطابق یلہ انسان خالق کائینات خدائے سنز فرمان برداری کران چھُ یا ایمک برعکس (satanic inspiration) قبول کران تہ چھُ اللہ تعالیٰ سنز نافرمأنی ہند مرتکب سپدان۔ یعنی ایمن اعمالن چھُ اہمیت دیوان یم اللہ تعالس ناپسند چھِ تہ زندگی ہُند رخ چھُ اعلیٰ پیٹھ اسفلس کُن گژھان۔ اسفل رُخک مطلب گووزہِ آدم چھُ خوفس منز مبتلا سپدتھ بے چین سپدان۔ ایمک برعکس اعلیٰ رُخس منز گو اطمینانِ قلب۔

اولذکر مقام چھُ دوزخ اللہ تعالیٰ تہ انبیأ کرامن پیٹھ ایمان تہ ایقان چھُ جنتھ۔

insan didalamnya. Apabila bahan keinginan adalah kurang dari akibatnya dan perhatian yang ditarik balik ke sumber dari mana keinginan ini berkurang

ia tidak mustahil untuk memasuki alam transenden.

Kedua-dua aadmi dan insan dikongkong oleh pemikiran, dan memenuhi tugas-tugas dalam rangka skala ruang dan masa, tetapi dengan momentum sendiri yang berbeza. Pemikiran menggerakkan tindakan. Perbuatan makan dan minum hanya mungkin apabila maklumat difahamkan fikiran. Begitu juga, objek menjadi tidak wujud jika maklumat kewujudannya tidak disampaikan.

Perbezaan di antara kedua-duanya walau bagaimanapun, insan tidak memanipulasi pendapat yang diberi, setrusnya melahirkan keputusan yang memberi kebaikan kepada generasi seterusnya. Manaka pila, aadmi akan menggangu dengan fikiran berdasarkan ajaran fizikal, amalan tanggapan dan akibatnya kesahihan pendapat itu terjejas dan digantikan dengan idea tersendiri.

Rakan-rakan Tuhan, atau insan, memenuhi tanggungjawab dunia dan akhirat tetapi tidak membangunkan ikatan langsung dengan apa-apapun nescaya mereka mempercayai segalanya dari Allah. Corak pemikiran ini dinamakan sebagai “Penjagaan Tuhan”

Kesimpulannya, aadmi tiada kebebasan dan ganjaran yang dihadiahkan kepada insan. Pengasingan digunakan kepada aadmi, menyekatnya dalam had ruangan dan masa dan diasingkan daripada insan. Contohnya, sebagai manusia kita dikehendaki meninggalkan syurga kerana ketidak taatan kita dan di campakkan ke bumi. Menyerah kepada Allah Yang Maha Esa mengharmonikan jasad dan jiwa, membolehkan seseorang individu itu menentukan had ruangan dan masanya.

Memilih kebaikan dari keburukan, mengamalkan kenaikan dan menahan diri dari melakukan dosa seperti aadmi. Apabila mereka tidak memperdulikan prinsip diberikan Allah, akan mereka dibuang dari syurga sebagai hukuman. Undang- undang ini disaksikan oleh Taurat, Vedas, Bible, dan kitab-kitab suci yang lain dan akhirnya, Al-Quran.

> “Kami telah mencipta insan dengan komposisi yang terbaik, kemudian Kami menukarkannya kepada yang paling rendah.” (Al-Quran, 95:4-5)

Apabila aadmi mengikut ajaran syaitan dan seat dari jalan Allah dan rasulnya, hidup mereka akan diturunkan darjatnya dari tinngi (a’ala) ke rendah (asfal). Satah asfal akan tenggelamkan aadmi dalam ketakutan dan keresahan, manakal a’ala berada dalam keadaan yang tenang.

Aadmi akan ditempatkan di neraka walhal insan yang mempercayai Allah dan rasulnya akan ditempatkan di syurga.

# Alam Semesta Ini Hanyalah Sebuah Pemikirian

Allah barsabda bahawa “Kami lebih dekat padanya daripada urat lehernya sendiri”. (Al-Quran, 50:16)

Adalah salah satu kewajipan kepada kita semua untuk memahami perbezaan antara jasad dan roh. Aadmi (lelaki atau bentuk fizikal) dan insan (manusia atau bentuk rohani) adalah dua unit yang berbeza. Insan adalah taat manakala aadmi ialah tidak taat. Aadmi terdiri daripada bahan-bahan kotor dan lumpur busuk dan dimana ciri-ciri kotoran itu kelihatan di dalamnya, didapati bahawa mayat dikebumikan dengan cepat untuk mengelakkan timbulnya kotoran.

Tanah liat kering adalah salah satu sifat aadmi yang merujuk kepada kekosongan yang ada di dalamnya. Kekosongan ini mengandungi ciri-ciri dan corak-corak. Apabila ciri-ciri (badan fizikal) diutamakan, kekosongan tidak dapat dilihat. Dan apabila sebaliknya, ciri-ciri yang diperbuat daripada tanah liat akan hilang di udara. Dianggapkan bahawa aadmi bertindak dan bergerak, tetapi dalam keadaan tidur, walaupun tubuh tidak bergerak, seorang individu dapat melihat diri mereka bergerak. Inilah penafian aadmi, dan penegasan di mana kalam Allah merujuk sebagai insan. Konsep keadaan tidur dan mati memerlukan bahan tubuh tetapi pakaian dengan "makhluk sejati" dilindungi.

Apakah pakaian atau persalinan ini? Ia adalah satu perantara yang dicipta dalam semua satah untuk mempamerkan gerakan. Salah satu sifat-sifat budi adalah lilin dan berkurang - untuk hadir dan hilang silih-berganti. Dalam satah ini, pakaian dipakaikan oleh jiwa ialah aadmi, dan lebih unggul ialah jiwa yang dengan pakaian dipanggil insan. Alam ini berada di tahap kefahaman sesorang itu. Apabila keupayaan minda meningkatkan, kami akan diperkenalkan kepada alam yang lain sambil mengekalkan yang sedia ada di dunia ini. Ini adalah semuanya dalam pengetahuan insan tersebut manakala aadmi tidak sedar akan hakikat bahawa sedangkan dunia deria cahaya, bau dan warna dibentangkan di zon-zon lain.

“Kami telah mencipta insan dengan komposisi yang terbaik, kemudian Kami menukarkannya kepada yang paling rendah.” (Al-Quran, 95:4-5)

Apabila jasad yang terdiri daripada tanah liat hancur, pergerakan akan diubah kepada zon yang lain. Undang-undang menentukan bahawa seseorang itu boleh mempelajari aspek pergerakan yang tak terhingga jikalau sebelum kematian fizikal, dalam timbangan dimana jasad mereka hanyalah sebagai bentuk sekunder, dan memberi kepentingan kepada

aadmi 和 insan 都受到思想的约束，但是用自己独特的动力在时空尺度的框架内完成任务。思想推动行动。只有在头脑中构想出信息时，饮食行为才成为可能。同样，如果一个物体的存在信息没有减少，它就会变得不存在。

然而，它们之间的区别在于，insan 不操纵篡改接收到的信息，从而产生有益于后代的真正结果。相反，aadmi 根据他们肉体的教导、预先设想的概念篡改思想，因此，这种思想的原创性受到既得利益的影响和取代。像这样的人就会变得焦躁不安，也是引起其他人讨厌的原因。

神的朋友，或称 insan，履行他们的世俗和精神责任，但不与任何事物发生直接的联系——他们相信一切都来自神。这种思维模式可以被称为“神的爱”。

由此得出结论，aadmi 没有 insan 所享有的自由和奖励。限制优先于 aadmi，将他限制在时空范围内，并将他与 insan 分开。例如，作为人类，由于不顺从，我们不得不离开我们在天堂的住所，被扔在地上。天堂是顺从的世界。顺从全能的主使肉体和灵魂和谐，使个人能够控制时空界限。

辨别善与恶、接受善和摈弃恶在 aadmi 的内部根深蒂固。当他们无视神赋予的道德原则时，就被驱逐出天堂作为惩罚。摩西五经、吠陀经、圣经、其他经文和最后一本圣书，古兰经证实了这一律法。

“我确已把人造成最美的形态，然后我使他变成最卑劣的。”

(《古兰经》， 95 : 4 - 5 )

当 aadmi 追随撒旦的罪恶，偏离神和先知的道路时，他们的生命历程从阿拉（最高的）下降到 asfal（最低的）。asfal 的层次在恐惧和不安中吞没了 aadmi，而阿拉是宁静心灵的居所。

前者是地狱，后者-相信神和他的先知-是天堂。

# 宇宙不过是一个思想的网络

神说，“我比他的命脉还近于他。”(《古兰经》，50 : 16)

了解“肉体” 和“灵魂”的区别 是我们 所有 人的责任。Aadmi (人或物质形态)和 Insan (人或灵魂形态)是两部分。Insan 顺从，而 aadmi 不顺从。Aadmi 由污秽的物质和肮脏的尘土组成，从它内部可以看到 这些污垢的特征；我们可以看到，迅速掩埋尸体是为了避免污秽的出现。

所谓的尘土是 aadmi 的特性之一，暗示它的内部是虚空。这个虚空包含特征和模式。当特征(肉体)处于最前沿时，虚空是难以察觉的。反之亦然，尘土构成的特征消失在空气中。假设 aadmi 行动并移动，但是在睡眠状态下，尽管肉体不动，但是个体看到自己在移动。这是对 aadmi 的否定，以及对圣书所指的 insan 存在的肯定。睡眠和死亡状态的概念意味着物质肉体不过是覆盖“真实存在”的衣服。

这是什么衣服或服装？它是一种在所有平面中创造的展示移动的媒介。它的一个特点是盛衰交替-出现和消失。在这个平面上，灵魂穿的衣服是 aadmi，在比这个平面优越的王国，灵魂穿着名为 insan 的服装。这个王国是领悟的层次。当心灵容量增加时，我们就被引入到其他王国，同时留在这个世界上。这一切都被 insan 所知，而 aadmi 却忽略了这样一个事实:对光、气味和颜色的感官世界的认知展现了其他区域。

“我确已把人造成最美的形态，然后我使他变成最卑劣的。”
(《古兰经》，95 : 4 - 5)

当由尘土组成的肉体解体时，灵魂(活动)转移到另一个区域。法律规定人们可以了解灵魂的无限方面，在他们的肉体死亡之前，只将他们的肉体视为次要形态，并把其内在的 insan 放在第一位。当将物质欲望视为次要，并且人们的注意力集中在这些欲望的源头时，就有可能进入荣耀的天国。

внутри. Когда материальные желания считаются менее важными и внимание человека устремляется к их источнику, он получает возможность войти в невидимый мир.

И *адми*, и *инсаан* ограничены мыслями, выполняют свои задачи в рамках пространственно-временных ограничений, но в свои определенные моменты. Мысли управляют действиями. Человек ест и пьет, только когда соответствующая информация приходит в его ум. Подобным образом, объект становится несуществующим, если прекращает нисходить информация о его существовании.

Тем не менее, различие между ними заключается в том, что *инсаан* не манипулирует воспринимаемой информацией и поэтому производит истинный результат, приносящий пользу следующим поколениям. Напротив, *адми* искажает мысль в соответствии с заранее полученными в физическом мире знаниями и, следовательно, истинность этой мысли подменяется личным интересом. Такой человек теряет покой сам и становится источником беспокойства для других людей. Друзья Бога, или *инсаан*, выполняют свои мирские и духовные обязательства, но ни с чем не устанавливают прямую связь – они считают, что все от Бога. Такой мыслительный подход можно назвать «Забота Бога».

Это значит, что *адми* лишен свободы и благ, которыми наделен *инсаан*. Над *адми* довлеет ограничение, которое заключает его в пространственно-временные рамки и отделяет от *инсаан*. Например, будучи людьми, мы вынуждены были покинуть наш дом в Раю как следствие непослушания, и были брошены на Землю. Рай - это пространство послушания. Повиновение Всевышнему Господу гармонизирует тело и душу, вручая человеку власть над пространственно-временными рамками.

Способность *адми* различать между хорошим и плохим, поступать правильно и воздерживаться от ошибок является врожденной. Когда он игнорирует моральные принципы, установленные Богом, то получает в качестве наказания изгнание из рая. Этот закон подтверждают Тора, Веды, Библия и другие писания, а так же последняя священная книга, Коран.

> *«Мы создали человека в лучшей форме, потом Мы опустили его в нижайшую из низших». (Коран, 95:4-5)*

Когда *адми* прислушивается к советам сатаны и сходит с пути Бога и пророков, его жизненный курс опускается с высшего уровня (*а'ала*) на низший (*асфаль*). Уровень *асфаль* заключает *адми* в оковы страха и беспокойства, тогда как *а'ала* является местом обитания спокойных сердец. Первое состояние – это ад, а второе – вера в Бога и Его пророков – рай.

## Вселенная – это только паутина из мыслей и ничего более

Бог говорит: *«Мы ближе к нему, чем его яремная вена» (Священное писание, 50:16)*

Все мы обязаны понять разницу между телом и душой. *Адми* (человек или физическая форма) и *Инсаан* (человеческое существо или духовная форма) являются двумя единицами. *Инсаан* послушен, тогда как *Адми* непослушен. *Адми* состоит из грязных веществ и дурно пахнущей грязи, качества которых можно наблюдать внутри его тела – мы знаем, что после смерти труп человека спешат похоронить, чтобы избежать проявления нечистот.

Звучащая глина – это одно из качеств *Адми*, которое указывает на присутствующую внутри человека пустоту. Эта пустота содержит черты и матрицы. Когда черты (физическое тело) выходят на передний план, пустота неощутима. А когда происходит наоборот, созданные из глины черты растворяются в воздухе. Принято считать, что *Адми* действует и движется, однако в состоянии сна, несмотря на неподвижность тела, человек тоже видит себя в движении. Это является отрицанием *Адми* и утверждением характера человека, которого Священные писания называют *Инсаан*. Понятие состояния сна и смерти приводит нас к выводу о том, что материальное тело является ничем иным, кроме одежды, покрывающей «истинную сущность».

Что есть это одеяние? Оно играет роль посредника, создаваемого на всех планах, чтобы проявить движение. Одним из его свойств является рост и увядание, или другими словами появление и исчезновение. На этом земном плане одежду, которую носит душа, можно назвать *адми*, а в мирах более высокого плана она украшает себя одеянием *инсаан*. Эти миры подобны уровням восприятия. По мере расширения способностей сознания мы знакомимся с другими мирами, оставаясь в этом. Все это находится в рамках знания *инсаан*, тогда как *адми* не осознает, что с помощью познания мира чувств на уровне света, запаха и цвета можно открыть для себя другие миры.

*«Мы создали человека в лучшей форме, потом Мы превратили его в нижайшего из низких». (Коран, 95;4-5)*

Когда тело из глины разрушается, движение переходит в другой мир. Согласно закону человек может изучить бесконечный аспект движения, если еще до физической смерти станет рассматривать свое тело как вторичную форму и отдавать приоритет *инсаан*, живущему

attention rivets on to the source from where these desires emanate, it becomes possible to enter the transcendent realm.

Both *aadmi* and *insan* are constrained by thoughts, and fulfil tasks within the frame of spatio-temporal scales, but with their own distinct momentums. Thoughts propel actions. The act of eating and drinking is only possible when information is conceived in the mind. Likewise, an object becomes non-existent if information of its existence is not descended.

The difference between them however, is that *insan* does not manipulate the information received, and thus produces true results that benefit generations to come. On the contrary, *aadmi* tampers with thoughts according to their physically taught, pre-conceived notions, and consequently, the originality of that thought is affected and superseded by vested interests. An individual such as this becomes restless and a source of nuisance for others too.

The friends of God, or *insan*, fulfil their worldly and spiritual responsibilities but do not develop a direct bond with anything – they believe that everything is from God. This thinking pattern could be termed as "Care of God".

It concludes then that the *aadmi* is devoid of the liberties and rewards which *insan* is blessed with. Confinement prevails over *aadmi*, restricting him in spatio-temporal limits and separates him from *insan*. For instance, as humans, we had to leave our abode in heaven due to our disobedience and were thrown onto the Earth. The heaven is the space of obedience. Submission to the Almighty Lord harmonizes the body and soul, enabling an individual to reign over spatio-temporal limits.

Discerning good from evil, adopting goodness and abstaining from wrongdoings are ingrained within *aadmi*. When they disregard the moral principles given by God, expulsion from the heaven comes as a punishment. This law is testified by the Torah, Vedas, Bible, other scriptures, and the last divine book, the Quran.

> "We have created *insan* in the best composition, then We turned him into the lowest of the low." (Quran, 95:4-5)

When *aadmi* follows satanic inspiration and goes astray from the path of God and the prophets, their course of life descends from the *a'ala* (highest) to the *asfal* (lowest). The *asfal* plane engulfs *aadmi* in fear and restlessness, whereas the *a'ala* is the abode of tranquil hearts.

The former state is hell, and the latter state – believing in the God and His prophets – is heaven.

# The Universe is Nothing but a Web of Thought

God says, “We are closer to him than (his) jugular vein.” (Quran, 50:16)

It is an obligation upon us all to understand the difference between the ‘body’ and ‘soul’. *Aadmi* (man or physical form) and *insan* (human or spiritual form) are two units. *Insan* is obedient whereas *aadmi* is disobedient. *Aadmi* is composed of filthy substances and foul mud and the characteristics of that filth are visible within it; it is observed that a corpse is buried quickly to avoid the emergence of filth.

Sounding clay is one of the properties of *aadmi* and alludes to a void that is present within him. This void contains features and patterns. When the features (the physical body) are in the forefront, the void is imperceptible. And when it is vice versa, the features made of clay vanish into thin air. It is assumed that *aadmi* acts and moves, but during the state of sleep, though the body is immobile, an individual sees themselves in motion. This is the negation of *aadmi* (the physical body) and the affirmation of the being to which the divine books refer to as *insan*. The concept of the state of sleep and death entails that the material body is but clothing with which the ‘true being’ is covered.

What is this clothing or apparel? It is a medium created in all planes to exhibit movement. One of its traits is to wax and wane – to appear and disappear alternately. In this plane, the dress that the soul wears is *aadmi*, and in the realms superior to this plane, the soul adorns the attire called *insan*. These realms are the strata of comprehension. When the capacity of the mind increases, we are introduced to other realms while remaining in this world. This is all within the knowledge of the *insan* while *aadmi* is oblivious to the fact that the cognition of the sensory world of light, smell and colour unfolds other zones.

> “We have created insan in the best composition, then We turned him into the lowest of the low.” (Quran, 95:4-5)

When the body composed of clay disintegrates, motility (movement) shifts to another zone.

The law dictates that one can learn about the infinite aspect of motility if they, before their physical death, consider their body only as a secondary form, and give their foremost priority to *insan* residing within. When material desires are deemed to be of lesser consequence and one’s

relation with Simurgh and mustered up the courage to go to him. Hoopoe had directed them to the right path, but it was now on them to stay firmly on it.

They asked Hoopoe, "We are feeble and frail, tell us the way to reach Simurgh's abode?"

Hoopoe replied, "We all are feeble and Simurgh is the strongest of all. He becomes the strength for those who walk on to the path that leads to him. But first, sacrifice and negate yourself, then open your eyes and witness the magnificent Simurgh."

"My friends!" Hoopoe said. "Tell me, do you know when a bird gets exhausted?"

No one responded. They kept looking at Hoopoe, and so he continued, "The bird is not weary from the long distance, but from burden. And do you know what produces the burden? I will tell you. Burden does not arise from turbulent, long paths, but from the worries and apprehensions that weigh on the mind.

Produce a *zauq* (aptitude) within you, the *zauq* to meet Simurgh. This *zauq* is free of all worries and burdens. It is weightless; therefore, it soars high, and very swiftly. It liberates itself from the bounds of space-time to meet Simurgh. When the boundaries end, true liberty is attained. Since you have stepped forward in the queue, relinquish all of your worries. When the heart and mind are relieved of the burden, no matter how many turbulent paths come, all will be crossed easily.

The morale of the birds lifted after listening to Hoopoe. He was their guide and constantly guided them on every twist and turn.

Before beginning the journey, they crowned him to acknowledge him as their messenger. Henceforth, the journey began in his leadership.

When the caravan of the birds ascended, hundreds of thousands of birds were seen in queues on the earth and the sky. The huge number of birds in the sky casted a shadow on the earth and their reflection even engulfed the surface of the sea.

The flight was different this time. The passion to conquer every difficulty on the path to Simurgh had superseded every desire. And then, after constantly flying left and right, up and down, they spotted the signs of the first valley.

Seeing that, all of the birds flying in proper order began to chant with fervour. This was their first journey on the path of *Sulook*. They all witnessed that there existed no virtue or vice on the path. Ineffable tranquility had engulfed the surroundings.

(Episode 6)

it is proof of the fact that the one who casted his reflection and made your existence possible is also present here. You *are* because of him and he is within you. If you cannot see him through your eyes, perceive him through the eyes of Simurgh! But alas, it is unfortunate…how can you do that when you have not seen him?"

The birds asked in unison, "Then let us know what we should do?"

Hoopoe replied, "Love exists in the heart and your heart is not clear like a mirror. The sight that is Vision of the higher levels has not been activated yet, nor do you possess enough strength to witness his brilliance. Therefore, he created a mirror and named it the heart. Be watchful about it and do not pollute it. Once the focus is built on the heart, it will witness the shadow of his magnificent beauty. It is a mirror that exists in everyone, in all of us."

He further added, "Whatever you see around yourself is due to the magnificence of the shadow of Simurgh. A shadow is never separated from the being it has emanated from. When they both are so strongly bonded, then go beyond the shadow to embrace reality. Once the secret dawns upon you, you will witness the glorious sun in the shadow. If you keep wandering in the shadow, how will you ever embrace Simurgh?

Let me tell you another secret, listen carefully. This secret will be understood by those who traverse the *Sulook* (spiritual path). There is no shadow in the sun, it is all sun. How could there be a shadow within it? May God bless all of you."

"When Alexander the Great had to send a messenger to the empires he had conquered, he would go there in disguise to ensure that his secrets remained that way. To them he would say,

*'I am King Alexander's messenger, he has sent me to you with a message.'*

None of them ever thought that he was Alexander himself because they had never seen him before. Had he told them that he was Alexander, they would never have believed him.

Every heart has the tendency to witness the king but those who have gone astray, have this ability within them squashed beneath heavy veils. The king in disguise remains a king, but what of the eye that does not recognize him?"

Hoopoe began to stroll in a nearby garden after he had finished talking. He was pleased to see the birds in deep contemplation and self-analysis, so he moved aside to give them time to ponder.

The birds in the caravan on the other hand, were busy musing, not knowing that their existence is due to Simurgh or that Simurgh is their shadow and they are the reflection of that shadow. They became restless after hearing of their

us. The only difference between them and us is that they didn't stop, while we intend to halt. The sight that falls upon Simurgh attains the Vision."

The birds asked the Hoopoe with a perplexed look on their face, "Are you implying that we don't have the sight to see? We all can see."

The Hoopoe smiled upon hearing this, "What you are looking at is not the truth, and what is true is beyond your sight. Simurgh is the Vision, and the Vision is Simurgh. The streams of light erupt from him, and it lights up the eye it penetrates into. Dear friends, what I am saying may sound mysterious to you, but all difficulties are there to surmount. Come, lets unravel this mystery together."

The birds did admire Hoopoe's wisdom, but during the journey they learnt more about him and began to understand that his depths were far greater than what they initially believed of him.

Hoopoe's voice brought back the birds from their deep thoughts, as he said, "Would you like to know your affiliation with Simurgh?" The birds fluttered their wings in enthusiasm.

Hoopoe closed his eyes for a short while as if he was visualising the great Simurgh. When he came out of that immersion, his face was lit with a soft smile and his eyes were intoxicated with love. When the lover speaks of the beloved, their face glows and their eyes glimmer – such was the state of Hoopoe.

"When there existed nothing (no time), Simurgh did. After, when Simurgh manifested a being brighter than the sun and moon, time came into existence. But at that moment, time was at a standstill. When Simurgh cast his reflection on time, it began to tick; hundreds of thousands of reflections emanated and with the order of Simurgh, birds came into existence. O' unobservant birds! All birds are in actuality his reflection. Had there been no reflection, none of us would have existed at all. You are all reflections of the shadow of Simurgh. Mend your ways, for now you have been informed of the secret, and acquaint yourself with the one whose shadow makes your being."

Hoopoe further added, "Remember! Knowing the secret and truly understanding the secret are different things. When you truly realise the secret, never divulge it to anyone. Those who acquaint with the true reality are immersed in him. Immersion doesn't mean that they become the True reality, it simply means that the individual denies their ego and submits to the will of the Supreme. Once it is realised whose shadow we are, then life or death makes no difference to the individual. Those who crush the "ego" become *be-niaz* (self-sufficient through God).

Had Simurgh not revealed himself, we would not have appeared either. But since you are apparent,

# The Diary of Birds

*Summary of the Previous Episodes: Mantiq-al-Tayr (The Diary of Birds) is a marvel, authored by the pen of Hazrat Farid al-Din Attar (RA), who has beautifully presented the knowledge of tasawwuf and True love figuratively in the garb of birds. Through the narrations of the attributes of birds, Attar's (RA) aim is to have the creations look for their Creator, which is only possible when we destroy our "ego", and let our intellect follow the True Reality. The Hoopoe comes forward as a messenger of the birds who introduces them to King Simurgh, by telling them of his magnificent attributes. The birds become restless in wanting to meet Simurgh and with the leadership of the Hoopoe, begin their journey. Since the journey is uneven and long, the birds become perturbed. Each of them tries to give up and narrates an excuse, but the Hoopoe tries to convince them that their pretext is weak. Read More…*

---

The Hoopoe told the birds, "You all have confined yourself in a shell that is as fragile as a nest made of twigs and straws, which can be swept away by a gust of wind. Doubts and speculations bound life whereas the universe is vast and limitless. To be born here means to keep moving. Once movement ceases, one becomes a burden. Since the earth is in continuous motion, it cannot withstand such a burden and swallows it within herself.

Ponder upon the deep sea, it banished out those who abandoned movement. Dear friends, the main feature of the earth is to move and movement guarantees growth. Why do you revolt against the system?

The length of the path is just a test. It is a test of nerves and the one who backs off is not valued. By the time the shell of deception and illusion cracks, there will be no time for amendments. You don't understand the magnificence of Simurgh. You have no idea, what you will become after acquainting yourself with him. Is there nobody here with undaunted will and courage?"

The birds, after listening to Hoopoe, hung their heads in shame. After a while they looked at each other and asked Hoopoe as to who Simurgh is and what their relation to him was? Their frail bodies did not allow them to travel that far. If they understood the affinity that they shared with Simurgh, it would pump vigour through them so that they may fly to him.

They said to Hoopoe, "Please guide us, you are the true guide."

Hoopoe said, "Dejection does not suit a lover. Indeed, it is not easy for anyone to reach Simurgh, but those who have made it to that exalted position were once one of

refine the copper. Raw copper and iron used to be delivered to these factories to make raw material. There were more than 150 springs and ponds at 20 metres deep. Copper and Iron were the biggest export item of the country and it was well off with foreign currency. God has mentioned in the holy Quran, "And we caused a stream of copper to flow for him." (Quran, 34:12)

There were divisions of Jinn, humans, and animals in the army of Prophet Solomon (PBUH). Every living being including the trees and the stones and even the wind were subservient to him. Jinn used to fetch gems and pearls from the sea bed and were also appointed to construct huge buildings. Humans and Jinn used to make incomparable artefacts from copper. He had the freedom to get work done from them in the way he wanted.

**The Palace of Prophet Solomon**

The palace of Prophet Solomon (PBUH) was constructed from bricks made of gold and silver and the walls were also embellished with the same elements. Its roof was decorated with emerald and ruby, and the throne was adorned with emerald, pearls, turquoise and other precious stones.

At each corner of the throne, trees were crafted that were transparent in colour and coloured lights flowed through their branches. Every branch had a nest that birds rested on.

The court held the fragrance of lit Oud (in 2002 AD, Oud wood was sold at Rs 560,000 per kg). Musk and amber were used in the court as air fresheners. The royal throne was high above and down below there were chairs on the left and right side of the throne for the government officials of humans and Jinn. Adorning the royal crown on his head, when Prophet Solomon (PBUH) entered the court, the birds resting on the nests would spread their wings which smelled of musk and amber. The colourful peacock, decorated with gems and pearls used to dance at his entrance.

Prophet Solomon's (PBUH) empire had many army barracks and new cities established. The rampart of Jerusalem was built during the reign of Prophet Solomon (PBUH).

(Episode 1)

A teacher used to tell his students, "Seek forgiveness and you will be forgiven. Ask for God's blessings and you will be blessed. Knock on His door, and the door will be opened. "

The friend of God, Qalandar Rabia Basri (RA) happened to pass by the class. When she heard the teacher say this, she told him, "For how long will you keep telling them to knock on His door? Was the door ever closed?"

welfare of the people. He maintained peace in the country by purging out the nuisance of conspiracies and insurrections. Due to good planning, practicality, and the passion of serving the creations of God, he bore great results. His people became well off, the standard of living improved, and the poor became self-sufficient.

## From Egypt to Euphrates

The kingdom of Prophet Solomon (PBUH) stretched from Egypt to Euphrates. His era is considered as one of the best eras in human history. The development and power achieved by his nation has no equal in all of our history. One of the distinctive properties of his prophethood was that he had control over the winds.

"And for Solomon, (We subjugated) the violent wind that blew under his command to the land in which We placed Our blessings. And We were the One who knew everything." (Quran, 21:81)

"And for Solomon (we subjugated) the wind; its journey in the morning was equal to the journey of one month, and its journey in the afternoon was equal to the journey of another month." (Quran, 34:12)

"Then We subjugated the wind for him that blew smoothly on his command to wherever he wished." (Quran, 38:36)

Prophet Solomon (PBUH) used to travel the distance of a month in the morning and distance of a month in the evening, at his will.

## Ship Fleets

Prophet Solomon (PBUH) was the first person to define routes for ship fleets. For trading and other movements, ships were the most powerful system at that time. They were operated by the best engineers. One of the fleets was named the *Tarshish* Fleet and it used to travel from the northern port (*Tarshish* port) of the Red Sea towards western countries. It would take three years for it to complete a single journey, carrying gold, silver, elephant tusks, cattle, sheep, goats and other items.

## Command Over the Winds

The holy Quran has mentioned three things about Prophet Solomon (PBUH):

1. God made the winds subservient to him.
2. Even the very strong storms used to stop at his command, for wind was obedient to him.
3. Whenever he ordered, normal winds would speed up its momentum. During his journeys, the speed of Prophet Solomon would be so fast that he would travel the distance of two months in a morning and evening.

## Copper Mines

There were copper mines spread over the distance of about 50 miles. Thousands of furnaces were in place to melt copper and millions of people worked there. Factories were setup to further

herited wisdom, prophethood and kingship. God blessed him with refined qualities of intelligence, knowledge, the acumen to advise, and the ability to make decisions. A story of his youth is narrated in the Quran as follows:

"And remember David and Solomon, when they gave judgment in the matter of the field into which the sheep of certain people had strayed by night: We did witness their judgment. To Solomon We inspired the understanding of the matter: to each We gave Judgment and Knowledge."

(Quran, 21:78-79)

## The Court

A man's goats once grazed and trampled the crops in someone else's field. The case was brought into Prophet David's (PBUH) court. The owner of the crops claimed payment for the damage caused to him. As the value of the goats and crops were equal, Prophet David (PBUH) decreed that all of the goats were to be handed over to the owner of the field.

Prophet Solomon (PBUH) respectfully said to his father, "Father, this judgement will benefit one party only and the other will lose his entire life's earnings. It would be in the interest of both if the owner of the goats ploughs and tends the field, waters the crops, and looks after it and then when the crops are ready to harvest, hand over the field back to the owner. During this time, the flock should be in the custody of the owner of the field and he should have every right on the flock, i.e. he can use their milk, wool etc. The flock of goats should be returned to the original owner once he returns the field with matured crops."

## An Infant

Two women were brought in the court of Prophet Solomon (PBUH). Their case was one where both of them claimed to be the mother of an infant. One of them said ,"We both gave birth to baby boys within a few days of each other. Her baby was taken away by a wolf. She shrewdly stole my baby and spread false news that it was actually my child who was taken away by the wolf."

After listening to their arguments, Prophet Solomon (PBUH) ordered the executioner to cut the baby into two halves and give a piece each to both women. When the real mother of the baby heard this strange decision, she writhed with pain and cried, "No, no! This baby belongs to her and should be given to her." Seeing the display of overwhelming motherly love for the child, Prophet Solomon (PBUH) gave the baby to the actual mother.

After the passing of Prophet David (PBUH), Prophet Solomon (PBUH) controlled the affairs of the kingdom. He wisely ruled for 40 years with justice, and supremacy of law, while ensuring the

# Prophet Solomon (PBUH)

*Prophet Solomon (PBUH) was the first person to define routes for ship fleets. For trading and other movements, ships were the most powerful system at that time.*

Prophet David (PBUH) moved his capital from Hebron to Jerusalem where Prophet Solomon (PBUH) was born.

"And We blessed David with Solomon. He was an excellent servant, Surely, he was great in turning to Us." (Quran, 38:30)

Prophet Muhammad (PBUH) said, "The mother of Prophet Solomon (PBUH) advised him, 'Son! Do not sleep for the whole night as sleeping during most of the night makes a person short of good deeds on the day of judgement.'"

Prophet Solomon (PBUH) is a descendant of Prophet Abraham (PBUH), through the lineage of Prophet Jacob (PBUH).

"We bestowed upon him Isaac and Jacob: Each one of them We guided to the right path. Earlier, We guided Noah and, of his progeny, David and Solomon and Job and Joseph and Moses and Aaron." (Quran, 6:84)

## The Language of Birds

As with Prophet David (PBUH), God blessed Prophet Solomon (PBUH) with many distinctive qualities and capabilities. They both were bestowed with the ability to understand the language of other creatures.

"Surely we gave knowledge to David and Solomon, and they said, 'praise belongs to God who made us excel many of His believing servants. And Solomon was David's heir. And he said, 'O people we have been taught the speech of birds, and all sorts of things are given to us. Indeed, this is the evident grace (of God)." (Quran, 27:15-16)

Prophet David (PBUH) had other sons too. Prophet Solomon's (PBUH) brother, Absalom, had great influence and staged a coup against his father in such a manner that Prophet David (PBUH) had to leave Jerusalem. Father and son fought an intense battle with their armies and thousands of soldiers were killed, including Absalom.

After putting an end to the uprising, Prophet David (PBUH) returned to Jerusalem. Later in his life, another son called Adonijah attacked with his army to gain the throne. He was defeated and after the second conspiracy, Prophet David (PBUH) announced that Prophet Solomon (PBUH) was to be the king with consultation of the prime minster and other members of the court. After becoming the king, Prophet Solomon (PBUH) forgave his brothers.

## Inheritance

Prophet Solomon (PBUH) in-

It is said, our universe is created about four billion years ago. Divine books mentioned that at the beginning everything was united—one mass. It got separated, whiteness is sifted from darkness, oceans were produced. Huge animals were created, which are known as dinosaurs. A range of small animals were produced from stool of dinosaurs, such as elephant, lion, giraffe and fox etc. The birth of small animals should not be a surprise, as it is depicted in Figure 2, there are many intestinal worms born in stool in human gut, some may be as long as nine to twelve inches. Additional observations are welcomed from the reader's experience.

Spiritual scholars, use a term 'time' to introduce with the perception of change or illusion.

What is truth behind the myth of time? We encourage the readers to search and contemplate their everyday life experience about this perception. There is a strong connection between the latitudinal and longitudinal motion of the Earth. The cogent point is profoundly tenuous, but contemplation always reveals the truth. Life is continuously evolving from life, but how?

Quran mentions that,

"Pure is the One who has created all the pairs of whatever the earth grows and of the humans themselves and of that which they do not know." (Quran, 36:36)

## Seeing Through Different Lenses

Two friends went on a camping trip. One of them was highly educated and the other was a keen observer though he had only acquired elementary education. When they reached the camping site, they set up their tent, and fell asleep.

After some hours, the friend with elementary education got up and woke up his friend too.

He asked him, "Look up at the sky and tell me what do you see there?"

The well-educated man replied, "I see millions of stars."

"What does that tell you?"

The well-educated man pondered for a moment and said, "Astronomically speaking, it tells me that there are millions of galaxies and potentially billions of planets and stars. Time wise, it appears to be about 3:15 a.m. Theologically it is evident that God the almighty is all powerful and we are tiny and insignificant in this huge world. Meteorologically, we will have sunny day tomorrow. Personally, I have never seen such a beautiful sky embellished with stars. What does it tell you?"

The man with little education got silent for a moment and said, "It tells me that our tent has been stolen."

Figure 2 Intestinal worms in human gut

increasing development of science and technology is marvellous. Such development in transport industry is as depicted in Figure 1. Can you figure out what is key difference among all innovations? Indeed, it is a change (development), but what is changing? Yes, it is speed to overcome time. What is time? A sensation!! But sense what?

In practice, we measure time in ticks, whether that tick is a sand grain, water droplet, or one Caesium oscillation. Key role in the sensation is perception of changing Sun light, changing weather, or the dimensional variation in object around us. The sense of time is an illusion, which inevitably appears to change from one state to another. Here, one can easily understand, what is meant by fiction! Where is the source of this mercurial nature? Who motivates the change? Exact answer to these intricacies is hitherto unknown. Living in Qalandar Conscious, veterans do highlight above mentioned intricacies, and also point out the source of information. But our being is unable to reach to conclusion due to its insufficient understanding on Qalandar Conscious—another aspect of our living conscious.

We observe dawn appears and so the darkness in almost ten to twelve hours. We usually say, the Sun rises from East, but what is East in reality? Or when it is East, or whether it is always East.

Newborn baby is called by a name, and that name is associated to him; no matter he is continuously changing (growing), his facial features change from birth to death, but his name remains same. On the contrary, when Sun rises, we call it 'day' and when it reaches beyond our 'so called' western horizon, 'darkness' or night covers us. Human cognition in aforementioned children example is absolutely different than the later stages of Sun.

Qalandar Conscious veterans emphasized on the role of latitudinal and longitudinal movement of the Earth in growth of any inhabited individual. This movement plays a key role in life stream of each and every being at the Earth.

magnifies the micro details of an object. Microscopes and Telescopes are used to observe the nearest and farthest object respectively. The aid of microscopic vision assists in unveiling the presence of micro-organism in plane water container, which on the contrary bare eyes are unable to locate. Analogously, anything or being is energized due to energy fluid dynamics e.g., tree stem with water, power lines with electricity and veins or arteries with blood, etc.

Inline with the quoted example, it is the flow, which manifests in various senses whether watching with eyes, listening through ears, smelling with nose, taste at tongue or sensation of touch on skin of body. Though functional activities and role of energy is very obvious around us—a conclusion of conscious living.

On the contrary, Qalandar Conscious considers the phenomenon a fiction life, due to its mercurial nature at every moment of its existence. You can imagine all that phenomenon as real as touching some solid wall. Similarly the network of energy flow, whether made of any state of matter (solid, liquid, gas or plasma) appears to us real. But what is the reality of energy flow in the network, which is an ultimate source of all functionality of particular object?

All functional activity cease to continue if blood does not flow, neither saliva nor lymph. It means there is a container (network tubules), where contents (energy) is flowing. In fact during the course of operational life, both container and contents are changing their physical chemistry.

Mr. Azeemi has highlighted the mercurial nature of phenomenal existence and mentioned the fact that according to divine books, anything which has tendency to change—appear and disappear every moment is fiction. Fiction is unstable in its nature and it can be witnessed anywhere around us.

Since a century, the unprecedented evolution of conscious and ever

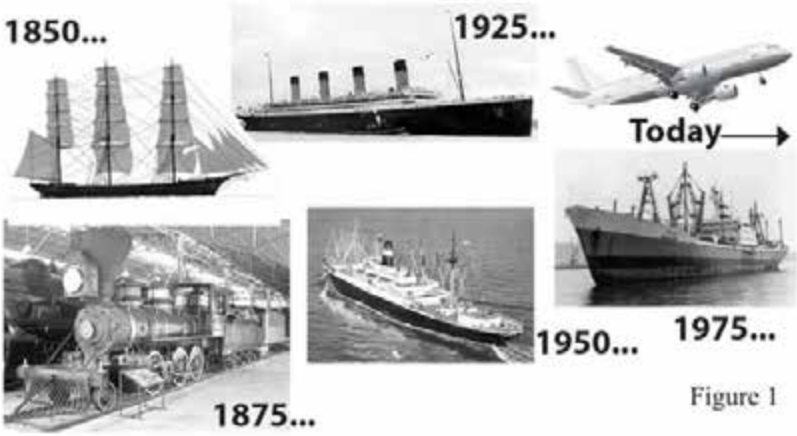


Figure 1

# The Flow of Energy

*Qalandar Conscious veterans emphasized on the role of latitudinal and longitudinal movement of Earth in growth of any inhabited individual. This movement plays a key role in life stream of each and every being.*

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), the beholder of *Uloom-e-Ladunni* (the divine knowledge) said in his one quatrain,

*The boxes of brain are hollow at all*

*The things we perceive are fictitious at all*

*Each moment is mercurial in nature*

*The sights, eyes visualize are illusion at all*

Scientists and Researchers agree that energy is responsible in dynamics of all systems. According to their opinion, this energy is regulated in apparently hidden tubular network embedded in an object. It can be safely concluded, the energy and its distribution through network play key role in the dynamicity. The agility is restricted to presence of either or both of aforementioned key elements.

In this article, we shall discuss the veteran's opinion and analysis on object, their energy dynamics and evolution, constraints and restraints during their life cycle, to name few. The epistemology and ontology of individual beings as human, animal, earth and oceans shall be presented.

How 1.2 trillion of brain cells are empty, as mentioned in the beginning of this article?

How an observation can be fictitious?

How life cycle of a system is dependent on some factors?

What is causality behind the dynamicity of phenomenon?

What factors contribute in gradual extinction of species, e.g., human, animal, mountains, dinosaur, and oceans?

How Milankovitch cycles implicate the Earth? That is the death of land and marine area at the surface of the Earth.

How oceans are born and die after about every ten thousand years.

We shall also depict the key viewpoint of Mr. Azeemi on the subject matter.

The dynamics of objects depends on the sustainable energy source and its distribution network, laying inside the object. The physical structure of an object mostly appears to be empty, but this energy distribution network is mostly hidden from our eyes. This empty space is used to transform and regulate energy in various forms. Unlike conscious living terminologies, the word space has different meaning in Qalandar conscious living. The presence of energy distribution network laid in the space of an object, was initially unknown due to its micro architecture. The details of architecture were not revealed until glass lens were invented, which

the other. But what touched her the most was the fact that there can be no creation without the element of sacrifice. The base of motherhood, the base of creation seemed to be sacrifice. But wasn't *sacrifice* the base of spiritual progress also?

She went across the room and played a compilation of the cherished discourses by her spiritual master. His voice filled the room and her heart:

"Every single creation created by God in this universe is an integral part of a stage play called life. Each one has to live their roles with or without their will to fulfill the purpose they have been created to serve. Every role comes in to play its part and departs, in other words every role sacrifices itself to keep the drama of life going. This continual state of sacrifice has preserved the luminosity of this planet.

When one plants a seed, they add fertilizers to nurture it. What is this fertilizer? It is the sacrifice of the seed itself. When grass, trees and leaves grow out of the seed, it turns into fodder for cattle, which then turns into dung and later decomposes into fertilizer for the seeds that grow on the land. This means that the grass and trees played their role of sacrifice to support new life sprouting out from the land. Everything stands on the foundation of sacrifice. The sacrifice of air is that it gives life to all creations of God. The sacrifice of water is that it quenches thirst of every creation.

The sacrifice of the spiritual person is that they sacrifice their life and every drop of blood on the creations of God. If they do not, then they can never be a friend of God.

When one observes, one finds that the universe is based on sacrifice. God does not eat or drink, nor does He sleep or stay awake. He has no children, wife, family or relatives, but yet God's sacrifice is such that He feeds His creations, quenches their thirst, and provides them with partners and children. God Almighty is at all times in service of His creation. *Rab* means that God is a reality that does everything for the well being of His creations. Just as everything in the universe is serving each other , the appointed prophets of God who were sent to guide the universe also sacrificed. All of us must ensure that the quality of sacrifice that they had in them must be transferred into us."

*Excerpts from the speech delivered on the Urs of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), 27th January 1992.*

---

She touched her unborn baby with great love. She knew what the base of motherhood was, and it was the base of this entire universe too — A process of constant creation through the foundation of sacrifice.

of love in her heart, and turned to go back into the house. Just as she was about to lay her foot on the ground, she instantly took a step back. She almost trampled the little sapling that had grown under the huge mango tree. The young sapling looked so tender and was trying to grip on to the earth that surrounded it. She looked up at the tree and at that very moment, the tree swayed and danced its leaves around in the wind as if to say, "I feel the same as you do." She hugged the tree and planted a kiss on its trunk.

Her eyes looked over the porch, where her dear pregnant cat was resting. She realized this would be the cat's first litter too. The cat came running over to her and nudged at her feet with its head. Standing up on its hind paws and out stretched fore paws, it looked like it was trying to hug her and say, "I feel the same as you do."

She remembered that the beloved Prophet of God had said, "Your Heaven lies under the feet of your mother." (Ahmad, Nasai)

A thought suddenly inspired her strongly and she burst into uncontrollable tears of joy. She realized she was not alone. Every atom of existence in the universe was in the state of motherhood. Motherhood is not just about reproduction, rather it is a state of being in constant creation. Had God not declared that His love was more than that of seventy mothers? How then can anything created out of *Noor* (God's light) and filled with such enormous amounts of love be devoid of the feeling of motherhood in it? Indeed, they who recognized motherhood in every atom and respected it would find nothing but paradise in this world.

She looked up to the sky and down to the earth and was engrossed in the thought of how they both worked seamlessly to create water. The sun evaporated the water in the oceans, sea, lakes, streams and ice to create water vapour. Droplets of water vapour joined together to create clouds. The air cooled the water vapour to create water droplets. The clouds burst open to create rain and snow fall. The rain created water bodies on land and underground once again.

A buzzing bee then caught her attention. The bee was also engaged in creation. It transferred pollen grains from one flower to another to create seeds. The seeds then dropped down into earth to create a young plant, and the plants created more flowers and fruits.

Mankind is constantly engaged in creation too. They give birth to new ideas that lead to the creation of new inventions. These inventions create new awareness. New awareness creates proximity to the unseen realm.

It was rather mystifying that every atom of the universe was engaged in creating something or

she would be raising her child in the midst of her own personal, mini forest. Her mornings started with feeding the chirping birds with grains.

She then set out to feed her dogs, cats and fish. Only after watering her plants would she settle down to a healthy breakfast. The fish had many uninvited guests lurking around the edge of their pond. She shrieked at their sight – Frogs! Especially during monsoon, she found frogs both big and small hopping all over the pond. They just did not seem to understand that they had to keep a safe distance from her.

One lazy afternoon she sat reading about the Prophet Muhammad (PBUH). A man had come to the Beloved Prophet (PBUH) and asked, "O Messenger of God! Who amongst people is the most worthy of my good companionship?"

The Prophet (PBUH) said,

"Your mother."

The man asked again, "Then who?"

The Prophet (PBUH) repeated,

"Then your mother."

The man further asked once more, "Then who?"

The Prophet (PBUH) again replied, "Then your mother."

The man repeated his question one more time, "Then who?"

The Prophet (PBUH) said, "Then your father."

(Bukhari, Muslim)

As she sat on the couch contemplating on the words of the Prophet (PBUH) she heard a gentle creak outside the front door. She opened it to find no one. A little perplexed, she began to retreat when she saw a bird tweeting. The bird seemed to be looking straight into her eyes and inviting her to come closer. She slowly tiptoed towards the tree on which the bird was perched, and what did she see?

The bird had laid three beautiful eggs in a cozy little nest. Why had she not noticed this before? She wondered. The sight of the tiny eggs created a surge of love in her and she touched her stomach with great fondness. The bird now perched on the eggs to incubate them and tweeted melodiously as if to say, "I feel the same as you do."

Just then she heard a loud splash in the pond near the tree. As she turned in the direction of the noise, a bright orange fish seemed to be trying to get her attention too and was jumping out of the water repeatedly. She leisurely made her way to the pond and peered in to see what the fish was trying to show her. A sight of innumerable fingerlings swimming in the pond met her eye and she let out a squeal of joy. The little school of fingerlings circled their mother and the fish seemed to say, "I feel the same as you do."

Once again, she felt a huge stir

# Motherhood

*She was not alone. Every atom of existence in the universe was in the state of motherhood.*

It was her first pregnancy. She did not know what she felt more, excitement or anxiety. She was unsure of what she had to do to be the perfect mother she wanted to be for her child.

The confirmation of her pregnancy had completely changed her life. Everything she put on her plate was scanned to see whether or not it was good for the baby. Her palms constantly comforted her stomach, shielding it from any possible collisions. Even her home had undergone a makeover in preparation. She had hung many frames of positive quotes and images. It seemed impossible to believe that she had even given up on her hot cups of tea and coffee. No matter how much she coughed or suffered from a fever, she took no medications to cure it and resorted only to natural healing methods. In short, she was detoxing her body to lay a good foundation for a healthy and spiritually aligned baby that was to be birthed through her.

Her wardrobe had shrunk to make space for her child's clothing and the layout of her room had been changed to accommodate the traditional cradle made out of pure brass metal. The cradle was over a hundred years old and three generations of children in her family had grown snuggling in its comfort. She had restricted access to programs on the television and instead placed a pile of inspirational books and biographies of saints and prophets on the bedside rack.

She often reminded herself, "To have a completely organic yield of vegetables and fruits it takes eight years of chemical free soil, and I have only nine months to cleanse myself." She lived far away from her parents and in laws due to the job posting of her husband. At times she sighed, "I wish I could talk to a few mothers and exchange pointers on motherhood."

She stood looking out of her window from her home in the middle of the countryside. As she wanted to retain the natural wilderness, there was no system or structure to the way she had planted around the house. There were trees and plants of fruits, vegetables and flowers. Mangoes, jackfruit, chikoo, custard apple, papaya, gooseberry, coconuts, drumstick, curry leaves and innumerable types of flowers ornamented the garden. Magnificent colours seemed to be strewn all over the growth, making her home a delight for an artist. At the very end of the compound, behind the house was also a well filled with sweet drinking water.

She was content knowing that

be considered pious. When 'I' has the power to fulfil every desire, but one still negates 'I' and completely surrenders before God, it is deemed as *Tawakkul* (trusting in God's plan). A *faqir* (a Sufi) spends their life deeply imbedded with complete trust in God, and this complete surrendering elevates one to *Maqam-e-Raza* (the destiny of completely surrendering to Him). How can God be happy with us when we are not happy with Him?"

-·※·-

Baba Qadir (RA) often went out for a walk in the nearby hills and gardens. A helper used to move ahead of him with a blade in his hand to clear the path by removing weeds and thorns. While strolling, Baba Qadir (RA) would become so engrossed in the atmosphere, animals, trees, and almost everything around him, that it felt as if that were his only purpose in life.

He always advised to stay focused, saying, "Irrespective of how unimportant the task is, do not do anything half-heartedly. Whenever you do anything, completely immerse yourself into it."

Sometimes, he would go to the gardens and assess fruit one by one and give comments such as, "This one is not ripe. This one is. This one will fall before it is matured. This tree is very old, there are snakes beneath the roots. The water of this well is sweet. This is a stream in the mountain, however it is dry at present and there is only sand around. Look there! A nest for a black kite – what a high platform." Every word contained a message, advice or lesson, and the message would be understood by the person for whom it was meant for.

-·※·-

A follower came from a faraway place with an intention that either the veil would be lifted from his eyes or he would go behind the veil.

Baba Qadir (RA) was basking in the sunlight wearing a *tehband* (a piece of cloth that is draped around waist and covers to the ankles). As soon as the man appeared, Baba Qadir (RA) put both hands on his chest and said, "I feel ashamed of remaining uncovered." As this person was persistent, Baba Qadir (RA) repeated the same sentence every day.

After five or six days, the man realised that there was a message in those words and he lowered his eyes when he understood it. There were other people around, but only he understood what it meant. Baba Qadir (RA) used to repeat the message using different methods each time. Once the person for whom it was said had understood the message, he would never bring it up again.

(Episode 1)

-·※·-

his head down and hands wrapped around his knees. He was known for his sharp memory.

Someone once asked him about his memory and he replied, "Everything is disclosed before. In actuality, it is not the work of memory, but the efficiency of the pure heart that reflects everything like it is reflected in a mirror."

-·※·-

In 1947, the situation in the region was not great. Some people would say to him, "You are a friend of God, but you're not doing anything. The innocent are going through severe misery. Do you not feel any pain for the nation?"

He replied, "The Muslims were those whose power of faith dominated over thousands. What is it about today that their strength is 4.5 million in numbers, but they are running for their life out of fear?"

The people admitted that their belief was not strong and inquired as to the reason behind it. Baba Qadir (RA) replied, "Humans have forgotten the alchemic formula which I will tell you. It is quite simple: only oil, turmeric and chillies are enough."

One of the attendees was shocked that people were dying and Baba Qadir (RA) was talking about oil, turmeric and chillies. That person received an inspiration at around midnight.

Like other secrets of God, this too is simple and easy to understand. Only three elements are required – oil, turmeric and chillies. Avail these three things and the alchemic formula will be at hand. In *Tasawwuf* (path to becoming a Sufi), oil is a metaphor for intense love or according to *Atibba* (doctors of herbal medicine), it is body heat. Turmeric is the quality of a person through which they can hand themselves over completely to someone else. This is a special quality found commonly in women. Chilli refers to the four stages of love:

1. The worldly love i.e. love for one's nation.
2. Martyrdom.
3. Become victorious.
4. The command of the spiritual master.

When people came to Baba Qadir (RA) to fulfil their needs, and if he didn't have anything at that time, he would say, "God is the Provider – sit down." He used to advise his disciples to earn through legal means, strive hard, have complete faith in God, and rise above hope and doubt. He would often say, "Receiving less than one's need is also a blessing from God. Such conditions remind one of the intensity of their relationship to God, and one feels so close to God during this time that they start depending on Him for all matters."

He said, "Only those with a lion's heart can have complete trust in God. One who stays hungry is not the same as one who fasts. And those who do nothing cannot

and did what was asked of him. He was raised in luxury, and never had to do any physically demanding jobs. Thus, abscesses appeared on his hands.

Hayat Khan then went to serve food to Baba Taj al-Din (RA). Baba Taj al-Din (RA) showed his hands to everyone in attendance and said, "Look at this! Hayat Khan makes me cut wood. See these abscesses on my hands."

They all looked and saw abscesses on Baba Taj al-Din's (RA) hands, and Hayat Khan was terrified.

-·⁂·-

There was an old tamarind tree in front of Muhammad Ghaus Baba's abode. Baba Qadir (RA) and Rehman Khan were resting under the tree. After midnight, while Baba Qadir (RA) was a little drowsy, he saw something which he narrated as follows:

"There were two big cupboards. Someone handed me their silver keys and said, 'Open them.' I opened them and saw that one was completely filled with books and the other had only one shelf empty. I felt that someone was waking me up and heard them say, 'Whatever you are seeing is true. You have to fill the empty shelf.'"

In the meantime, an old lady who lived nearby, woke up to sweep and clean the surrounding area. She saw that Baba Taj al-Din (RA) was standing under the tree. She screamed with excitement that Baba Taj al-Din (RA) had come, but no one else saw him there.

In the morning, Muhammad Ghaus Baba asked, "What did Baba Taj al-Din (RA) give you?" Baba Qadir (RA) described the events of the previous night. When Ghaus Baba heard this, he became gloomy and thought how unfair it was that he had been there so long, and yet the keys were handed to Baba Qadir (RA). Then the words of Baba Taj al-Din flashed before him from his memory, "The cub of a lion, is lion!"

-·⁂·-

After staying at Nagpur for a short while, Baba Qadir (RA) returned to Vizianagaram. Nothing had changed there, but Baba Qadir (RA) had changed and this change was felt by everyone.

After staying at his ancestral place for a couple of days, he moved to a jungle on the outskirts of Vizianagaram. Due to the desolation of the place, people did not even go there during daylight. He used to sit on a high cliff there. Later on, his disciples installed an umbrella made of palm leaves for him to sit under.

In 1925, a roof was constructed on four pillars and stone walls were built. Gradually, other houses were built around and the desolate place turned into a small village, named Qadir Nagar.

People often visited Baba Qadir (RA) but he would not talk much. He was usually found seated with

age. He was 18 when his father found him a job in the Vizianagaram branch of the Jan Hussain Company. Within a month, he was notified of his transfer to the other city.

During those days, his father felt that he had not much time left to live. He told his son, "You were named after your grandfather. Our family is a family of dervish. Do not in any way forsake *faqiri* (being a friend of God). I was not destined to travel to Nagpur but you must go there. Many people in our family attained exalted positions. Your uncle's shrine is in Vizag and his wonderworking still continues now. Your grandmother Bi Amman was a very pious lady. I have kept five *paisa* (currency of that time) for *niyaz* (offering), distribute it among five holy men in Nagpur. My time is up. Never give up on patience and perseverance in your life. Live a life dependent on God. Your heart is pure; do not leave any room in it for anyone except God."

-·✻·-

This was the first journey of the seeker towards what he wanted to seek, and of the restless towards rest. It is certain that the access to holy people in apparent or hidden worlds is possible only when they allow it to happen and trigger the process themselves.

Baba Qadir (RA) said, "How can you search for the Truth? What do you know about the Truth? You do not know how intensely the Truth is in search of you. It is its call that says, 'Immerse yourself in Me, and make My name known.'"

He always advised to stay focused, saying, "Irrespective of how unimportant the task is, do not do anything half-heartedly. Whenever you do anything, completely immerse yourself into it."

As per his father's advice, he reached Sakkardara, Nagpur. He visited Shahenshah Haft Iqlim (a spiritual title which literally means Emperor of Seven Realms). As soon Shahenshah Haft Iqlim, Baba Taj al-Din (RA) saw him, he said, "The cub of a lion, is a lion!"

He gave Baba Qadir (RA) a banana that was kept nearby. The banana was overly ripe. Baba Qadir (RA) was sophisticated in nature so he quietly held back his hand. Baba Taj al-Din (RA) said, "Whether you eat it or not, whatever is to be given to you, is transferred."

-·✻·-

Hayat Khan was in charge of Baba Taj al-Din's (RA) *langar khana* (free communal meal kitchen). He was responsible for providing food and tea, and was proud of it. One day, he gave an axe to Baba Qadir (RA) and said, "Son! There is no free food here. One must do something to earn it. So, you can cut wood for the *langar*."

Baba Qadir (RA) took the axe

chirappalli (formerly Trichinopoly). There were some dervish (those who travel the Sufi path) amongst his ancestors. He was born in Tiruchirappalli in 1320 Hijri. Due to an injury on his mother's chest, she was unable to breastfeed him. Therefore, a woman from a nearby village was appointed instead. She stayed at his house from dawn till evening and would sometimes take him to her own house. She had grown an attachment to him.

One day during the summer, she took Hazrat Baba Qadir (RA) to her home. She left her house for a moment to run an errand and in that time, a fire broke out in the village. Seeing the flames, she ran towards her house but she could not get close to it. She cried and screamed, "O' my son! O' my son!"

The fire continued to spread, but as soon as it moved in the direction of her house, the course of wind changed and the fire was put out. This news spread through the village and everybody felt that the child who was protected in such a way, was certainly a blessed one.

-·※·-

Hazrat Baba Qadir (RA) was enrolled in school for his elementary education. However, he did not show any interest in it. He did show keen interest however, to the tales of prophets and of God's friends.

There were some graves near his house. Among them was the grave of the revered Sailan Shah Sahib (RA).

In his childhood, Baba Qadir (RA) used to hop and play on those graves with his shoes on. One day, he had a dream and saw that a reverent man was standing outside his house. As soon as Baba Qadir (RA) came out and saw him, and immediately turned to go back inside his house out of fear.

The pious person said, "Do not fear. Come here."

When Baba Qadir (RA) got close, the pious man held his hand and took him to a particular grave. The grave split apart and a staircase was inside it, as was a charpoy. The pious man made him sit on it, and he himself sat at the end of the charpoy.

The pious man said, "You jump on my grave with your shoes on. You are of a high rank and your status is so grand." He gave Baba Qadir (RA) something to eat, which he held in his hand, and took the stairs to come out of the grave. As soon as he came out, the grave closed and the dream ended.

When Baba Qadir (RA) narrated the dream to his father, Nawab Muhammad Ali, his father was elated. Nawab Muhammad Ali went to Sailan Shah Sahib's (RA) grave, prayed for him, and then distributed sweets in his name.

-·※·-

Baba Qadir's (RA) concentration towards the inner world and his desire for solitude grew with

# The Life of Baba Qadir (RA)

*This article is an extract from the book 'Hayat-e-Qadir'. It was written by the honourable and revered Baba Ubayd-Allah Durrani (RA), on the life of his spiritual teacher, Hazrat Baba Qadir (RA).*

During a rainy season in the year 1923, there was a calm atmosphere as there often is right before a storm. A young saint called his disciples and said, "Everybody go home! A heavy storm is about to strike." He asked them to cover him properly before they left. The disciples hesitated and insisted that they could not leave him alone in the abnormal weather conditions. The saint told them however, "Do as I say." They followed what was asked of them and unwillingly left for their homes.

That night appeared as if the apocalypse had come. The rain was so heavy that it looked as though the sky was an ocean falling on top of them. Tall, strong trees were unrooted and houses were destroyed. Roofs were torn from their place and the Raja's castle trembled with the force of the storm. Throughout the night, people sought forgiveness from God and recited *Istighfar* (a prayer to seek forgiveness from God).

During this calamity, a servant of God – the young saint – sat alone on the jungle's hill with a black blanket wrapped around him. His loved ones were distraught thinking what would happen to him.

Somehow, the night passed, and at day break, there was neither storm nor dynamic chaos, just the aftermath of destruction. The disciples rushed to their master, scared and worried for his wellbeing. He was in the same posture as they had left him. They hesitated to call out to him or touch him for they were unsure of the state he was in, and so collected some dry wood and lit a fire close to him. The wood caught fire and flames rose high, but no movement occurred within their master's blanket. They were so overwhelmed by what that might mean that they started to cry aloud. Exhausted, hopeless and grief stricken, they eventually sat down next to their master, never taking their eyes off him, with the hope that he would show any movement.

After a couple of minutes, the young saint said, "Babah!"

His voice stirred happiness in the crowd. They removed the blanket that felt ice cold to touch. The great saint was sitting with his hand wrapped around his knees, in exactly the same pose as the disciples had left him. His body had turned stiff like wood due to the cold. He began to move a little when the heat from the flames spread through his body.

-·※·-

Hazrat Baba Qadir (RA) belonged to a Nawab family of Tiru-

individual's innate device that determine our sleep pattern. People get jet lagged because travel disrupts their routine, but within a few days it gets fixed by syncing with the routine around them.

Most people complain that despite trying their hardest to sleep, they are unable to. Firstly, adjusting to a new pattern takes time. Besides, taking problems to bed is another reason that leads to sleep deprivation. One must also make sure not to take electronic gadgets to bed, or watching TV before our bed time infiltrates our mind with more information that signals our brains to get busy. No busy mind falls asleep.

Prepare a sleeping environment, dim the lights and make the bed. This will send a message to the brain that it is time to sleep and that there are no further matters to reflect upon. As soon as the mind calms down, sleep takes over. Meditation is the best exercise to calm our thoughts and soothe our minds, bodies and spirit.

The early morning walk, meditation, breathing in fresh air is not only a good source of storing positive energy but it also guarantees good health that is reflected in the form of bright eyes, a healthy body and glowing face. Lazy days will fade away and energy stored during those beautiful hours of the day will keep us fresh, brisk and energetic.

But why must you wake up early? The answer to it can only help you wake up early. If you don't have the answer to it, no matter how loud the alarm blares, or how many times you are asked to wake up, no matter the commotion around, if we don't want to wake up, we can never wake up!

"Establish prayer between the decline of the sun and the darkness of the night, and the recital at dawn. Surely, the recital at dawn is well attended." (Quran, 17:78)

**Lack of sleep or not being able to sleep at all !**

Spiritual Scholar, Khwaja Shams al-Din Azeemi has written a book named "Roohani Ilaaj" that contains spiritual methods of healing. One of the methods to treat sleep deprivation is as under.

Disturbed thoughts, nervousness, mental anguish, stress, fear, grief, dryness in the brain are the factors that lead to sleeplessness. First, it is important to get rid of disturbing ideas as much as possible and it is possible through the exercise of concentration.

After getting done with all the daily activities, lie on a comfortable bed. Keep your body relaxed. Close eyes and imagine that a big glass jar is kept on the body which extends from neck to the navel that is filled with calm and refreshing lights. When this thought is established, recite the first verses of Surah Baqara from Alif Laam Meem till Yuqinoon. After reciting it few times, one will drift into a deep sleep.

ery is used unendingly, it loses its productivity. Our stomach is a grinding machine that needs rest too but eating late or before bed time steals away its resting time. The moment we put something in our mouth, be it a small seed, the entire body gets to work in helping the seed reach where it should. This way, the whole body gets involved in the digestive process which causes strain on our body and we wake up tired.

We often have a light breakfast, then a slightly heavy lunch followed by heavy meal at night which is an absolutely unhealthy way of living. This should be reversed to maintain a healthy lifestyle. A big breakfast and a light dinner is the key to stay fit. Eat a balanced diet hours before going to bed and do not consume water during or half an hour before or after the meal. Why?

If you add water to an acid, it dilutes and makes it weak. In our stomach, there is an acid called HCL (hydrochloric acid) which helps in breaking down food into tiny particles. Thus, when we drink water, it dilutes the HCL and its effectiveness is reduced. Therefore, the food takes extra time to digest and remains there for a longer duration causing bloating and uneasy sleep etc. Sleep is the time when a body restores energy. Not being able to do that due to ongoing digestive process results in fatigue or sluggishness.

We hit the snooze button to get five minutes more sleep. Those extra minutes are considered a blessing but let's be honest, will those few minutes help us get up fresh if the hours of sleep before didn't? The key is to get up immediately once the alarm goes off. Most of us spend at least few minutes under the covers either staring at the roof or checking up phone. The more we stay in the bed, the more chance we have to drift back into sleep.

To avoid this, don't keep your cell phone on the bed but place it on something across the room. That way, when the alarm rings, you will be compelled to drag yourself out of bed and switch it off. Once you are out of bed, going back into the covers would be just criminal. Getting up straight away may seem difficult initially, but once done, the power of perseverance will also get a boost. Therefore, when the alarm blares, don't be tempted to sleep for another five more minutes or you'll walk around half the day like a zombie. An excess of sleep makes one lazy too. There are people who remain fresh even with small amount of 'sound sleep'.

Another important factor to wake up fresh is to have a fixed sleep pattern. If your habits keep you up till 1:00 , 2:00 , 3:00 then it is going to disturb the biological clock. Our body responds to light and darkness and this is with other creatures too. Once it turns dark, you don't see birds in the sky and as dawn unveils, the tweets and chirping are heard as they come out of their nest. The biological clocks are an

out of bed seeing darkness around me. But then I wondered as to how I used to wake up at 3:00 a.m. during my civil service exams? Though, I never passed those exams is a different matter altogether, but point is, what made me stay active in spite of having minimal sleep? The answer is simple: I had a goal to achieve.

Those who have an objective before them do no need alarm bells to wake them up, it is their desire and urge which doesn't let them sleep for long. After being snuggled by a spell of sleep, their objectives and dreams make them give it up and gets them out of bed. This was exactly the case with me.

In the hustle bustle of the city, becoming accustomed to inhaling the fresh air and absorbing the silence of the early hours enables one to be closer to peace and Truth. Everything looks light and pleasing at that hour. Initially, there may be difficulty in adjusting the body clock but within two weeks of the conscious effort, the body unconsciously wakes up at the desired time.

Eminent Sufi scholar Mr. Azeemi says, "The waves in the atmosphere penetrate into the mind through eyes, face and hair. The mechanism working in the tissues of our eyes and minds absorb energy produced from those waves. During sunrise, there is concentration of such energies in the atmosphere that nourishes many faculties of the human senses, including the effectiveness of brain and heart. One of the faculties that is also nourished is the ability to *see*."

More or less everybody is blessed with eyes to see. Then what does 'ability to see' here mean? It means to have insight, to see things with inner eyes that shows us the depth beyond the matter; To see things the way God wants us to see. A student of spirituality asked his master, "If you say the chair is black, should I also call it black ? Will it qualify as obedience?"

The master said, "No. Obedience is that not only you should call it black, but must also see it with acceptance as black."

The scholars of esoteric knowledge stress to meditate in the early hours when the mind is fresh and the atmosphere is most suited to store and absorb its energy.

Mr. Azeemi says, "The time that was allocated to write 'Loh-o-Qalam' was 4:00 am." Loh-o-Qalam" is written by Abdal-e-Haq Qalandar Baba Aulia (RA), and his reverent student Mr. Khwaja Shams al-Din Azeemi has the honour to note it down as the Grand Master narrated him the laws and secrets of the universe.

The most common reason as to why people have trouble waking up early is eating late at night or having heavy meals before they retire to bed. Digestion is an intensive process. The stomach is busy throughout the day and it needs rest as well. If any machin-

# The Ability to See

*"...During sunrise, there is concentration of such energies in the atmosphere that nourishes many faculties of human senses, including the effectiveness of brain and heart. One of the faculties that is also nourished is the ability to see."*

There was a time when leaving the bed in the morning seemed the most difficult task for me. I made sure to at least set five alarms at night, and yet my morning ritual was always to hit the snooze button the maximum number of times before dragging myself out of bed in the morning. But even after sleeping for seven to eight hours, I felt sleepy and low on energy.

Over the years, making few modifications in lifestyle has helped me overcome this problem. Things have improved and I wake up fresh and brisk, snoozing the alarm has become a thing of the past.

But what is so special about the pre-sunrise time that we are advised to wake up early? And why did every prophet and saint prefer to pray at this hour of the day? The divine books also stress upon waking up early and making the best use of the calm precious hours before sun rise.

> "O you, wrapped up in clothes, stand at night (for prayer) except a little, half of it, or make it a little less, or make it a little more; and recite the Quran clearly with *tartil* (in a distinct and measured tone). We are going to send down to you a weighty discourse. Truly, rising by night (for prayer of *tahajjud* ) is the most effective way to subdue (one's base self) and to make speech more upright." (Quran, 73:1-6)
>
> "My eyes stay open through the watches of the night, that I may meditate on your promises."
>
> (Psalm 119:148)
>
> "And in the morning, rising up a great while before day, he went out and departed into a solitary place and then prayed." (Mark 1:35)

No friend of God ever lived who did not rise early. Prophet Muhammad (PBUH) habitually rose early and engaged in prayers, and so did Prophet Jesus (PBUH) who would climb the peaceful mountains to pay reverence to God. I have never come across a story where a saint rose after the sun had risen. The Buddha used to wake up an hour before sunup and engaged in meditation, his disciples followed in his example.

> *"The heights by great men reached and kept,*
>
> *Were not attained by sudden flight,*
>
> *But they, while their companions slept,*
>
> *Were toiling upward in the night"*

What is it that makes it so difficult for us to rise before sun? I had no strength and willingness to be

time. As he wakes up from the dream, he sees that the clock shows the same time. Time is immeasurable in such dreams.

The dreams define the faculties of the night, wherein space becomes inconsequential, as contrary to the day. The day and night vary due to time and space, but they are parallel in nature otherwise. The night is the faculty of *Kitab al-Mubeen* (al-lawh al-mahfooz[1]), and that of day is *Kitab al-Marqoom*[2]. The similarities in them are witnessed in the manifestations of nature.

Let us consider that Zaid and Mahmood are both sitting opposite to each other. Their source of vision is the light of a lamp. It means the light that is moving around from Zaid to Mahmood or from Mahmood to Zaid is one. But, despite the light being same, their observations differ. Why? This is because, as their ways of perception are not alike, both consider themselves as separate entities. The angle of vision that Zaid perceives of this light will be termed as Zaid's perception. Similarly, the angle of vision that Mahmood perceives of this light will be called as Mahmood's perception. This unravels the law of manifestation that it is one's angle of vision which projects itself as change in dimension, whereas in actuality, light is dimensionless.

Each self or individual is connected to God. It is explained in the Quran as, 'We are closer to him than his jugular vein.' It is worthy to note that God has used the word 'We' in this verse. This has been used to highlight the association that God has with every individual and therefore, it makes everyone distinct.

It is important to comprehend that the light is unchangeable. The difference in perceptions is due to the individual interpretations that leave a distinct impression in their respective lives. This state is termed as *martaba* in spirituality.

The word *mechanism* can help explain the meaning of *martaba*. The names vary from specie to specie, but the mechanism that works in every species is uniform. As example, Zaid and Mahmood are labeled as a part of the human race, whereas mango and almond are labeled as trees but the light that shapes the features of these different species is one and the same. The said mechanism or *martaba* consists of black dots that serves as the basis of this universe. These black dots are called *Tajjali* (One of the highest stages of the Divine light).

[1] Preserved tablet
[2] A written record

as follows,

"The heart did not err in what it saw." (Quran, 53:11)

These verses determine the reach of human senses. When the senses affix themselves onto a certain point, this affixation is termed as an object, and objects contain shapes and dimensions. Therefore, the senses assume this object as an entity separate from themselves. One can only see things, if they assume that the object they are viewing is not a part of them. This style of perception is illustrated in all the activities of our lives.

When we distinguish something as an object, we are in fact referring to the images within us as external objects. The senses declare their existence and refer to themselves as an, 'I'. In reality, this 'I' is nothing but a void in its clear and pristine form. The senses are in actuality pointing towards a sketch devoid of colour. However, when the senses begin to focus on the colours and elements within the 'I', they proclaim as, "I did this or that — look at the moon in the distance — those are stars — look at where I am pointing — they are celestial bodies.'' Thus, all through this process, the senses are constantly experiencing their own movement between proximity and distance. This method of perception is the macrocosmic way of seeing things. In other words, the senses declare themselves as the 'I' in the individual and keep recurring through the indicators.

"There has come upon man a period of time when he was not worth mentioning." (Quran, 76:1)

There had been a time, when the senses of *Insan* were non-recursive. This brings forth two dimensions that join into a unit.

1) Senses

2) Recurrence of senses

The Holy Quran sheds light on it as follows,

"(O' God!) You make the night enter into the day, and make the day enter into the night; and You bring the living out from the dead, and bring the dead out from the living." (Quran, 3:27)

God has defined the rules of the universal system through this verse. The day and night refer to the classification of senses. They are in contrast with each other due to spatiotemporal constraints. These constraints are vital during the day and remain latent throughout the night.

As example, when Zaid sees himself conversing with a distant friend in his dream, he does not feel the interspace, as distance becomes irrelevant in such dreams. Likewise, Zaid goes to sleep at 1 O' Clock, and sees himself travelling to places. He rests at periodical intervals during the journey and then finally comes home after spending a great deal of

# Mysteries Behind the Formation of Universe

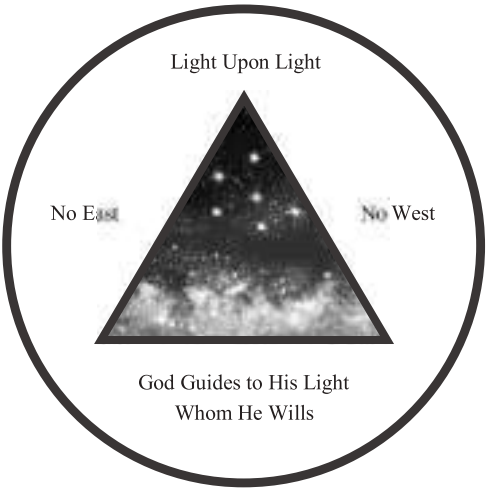


Humans are familiar with comfort and distress since the inception of life. Striving to ward off the effects of being in the grip of inconsistent emotions, they desire to unearth the reasons that cause them. They become incapable of taking initiatives as the urge to remain in the constant state of ease, also brings along the fear of losing it. Hence, they set off in pursuit of a power that can ensure them a peaceful life, and it leads them to the unraveling of the hidden faculties. The Quran refers to this quest of reality as, 'those who believe in *ghaib,*' and explains in various other verses the countless attributes of God that promises a life devoid of fear.

An individual cannot remain oblivious of the states of grief and comfort unless they believe in *ghaib* (unseen). As the *ghaib* is reigned by God, the most Benevolent and Magnificent, the believer is certain that goodness and betterment will be conferred upon them.

> "It is not (possible) for a human being that God speaks to him except by way of revelation, or from behind a curtain, or that He sends a messenger, and He reveals, with His permission, what He wills. Surely, He is All-High, All-Wise." (Quran, 42:51)

It is the heart that perceives the 'message'. The Quran refers to this

# Contents


| | | |
|---|---|---|
| Mysteries Behind the Formation of Universe | Founder of Silsila-e-Azeemia Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) | 206 |
| The Ability to See | Sarah Khan | 203 |
| The Life of Baba Qadir (RA) | Noor Jehan | 199 |
| Motherhood | Bibi Anuradha (UAE) | 193 |
| The Flow of Energy | Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) | 188 |
| Prophet Solomon (PBUH) | Extracted | 184 |
| The Diary of Birds | Hazrat Farid al-Din Attar (RA) | 180 |
| Teachings of Qalandar Baba Auliya (RA) in 11 Languages | From Editor's Desk | 174 |


"Dear seeker, you will not be able to rise to carry out the commands of God until you monitor your heart and limbs in every moment and every breath."

— Imam Ghazali (RA)

Vol 6 Issue 12 | January 2019 | Rabi-ul-Thaany — Jumaada-al-Awal 1440AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

# Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief

**Huzoor Qalandar Baba Auliya RA**

Chief Editor

**Khwaja Shams al-Din Azeemi**

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.70/- Per issue. Annual subscription Rs.950/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**

# اوراقِ حکمت

"ماہنامہ قلندر شعور" کے سرورق اور ان کی تشریح و توضیح
مئی 2013ء تا ستمبر 2018ء

ترتیب و تدوین: آصف جاوید عظیمی

مئی 2013ء سے ستمبر 2018ء تک "ماہنامہ قلندر شعور" کے شائع ہونے والے سرورق بمع تشریحات کا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔

# Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

***Khawaja Shamsuddin Azeemi***

*~ Like us on Facebook ~*

*English translations of Mr. Azeemi's work available.*

https://www.facebook.com/BlueroomCanada